عبادات میں بدعات

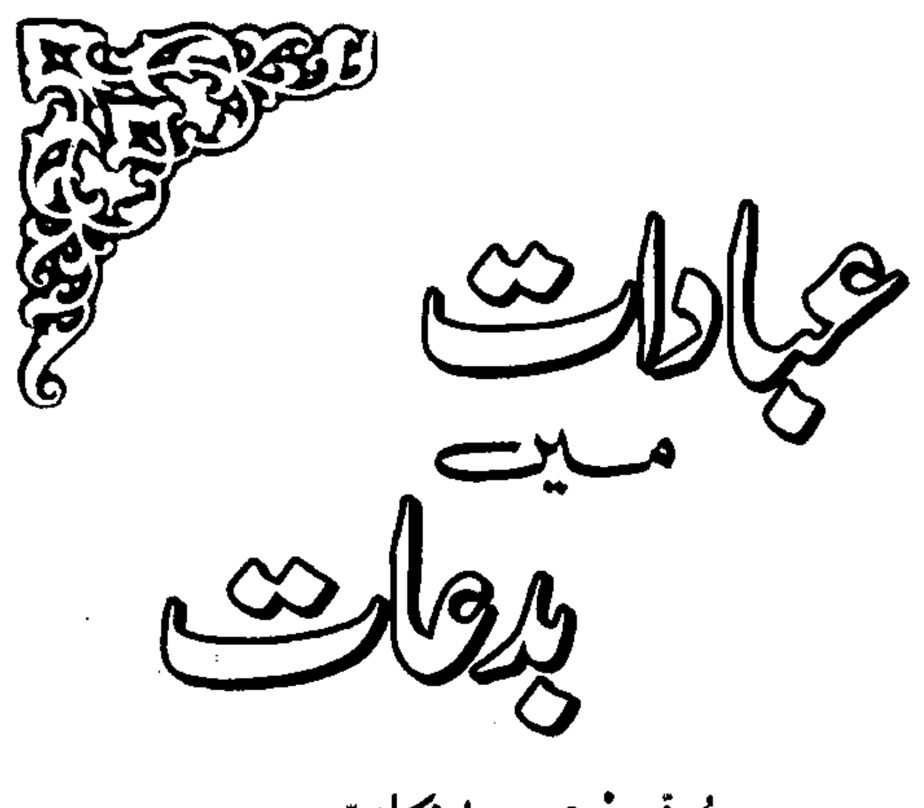
اور سنتِ نبوی سے ان کا رد

تالیف :
عمرو بن عبد المنعم بن سلیم حفظہ اللہ

ترجمہ وتحقیق
حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ



مکتبہ قدوسیہ



اور سُنتِ نبوی سے ان کا ردّ

تالیف:

عمرو بن عبد المنعم بن سلیم حفظہ اللہ

ترجمہ و تحقیق

حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ

شوروم۔ والی کتاب گھر

چوک اُردو بازار نزد جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ 4441613-14

مکتبہ قدوسیہ

فہرست مضامین

بیت الخلا جانا اور قضائے حاجت

طہارت اور حیض

مستحاضہ کا نماز کو کلیتاً ترک کر دینا

وضو اور اس کے اذکار کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

جرابوں اور موزوں پر مسح کی دوسری بدعات

دور حاضر میں عوام الناس کی ایک بہت بڑی مخالفت

غسل کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

تیمّم

تیمّم کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

مساجد

مساجد کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

عیدیں

عید میلاد النبی ﷺ

الجنائز

روزے

زکوٰۃ

حج اور عمرہ

حج اور عمرے کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

القرآن

قرآن اور قراءت قرآن کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

الایمان والنذور

قسموں اور نذروں کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

مصافحہ' سلام اور ملنا

مصافحہ' سلام اور ملنے جلنے کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

دعا

دعا کے متعلق بدعات اور سنت سے ان کا رد

جمعہ کے دن دعا کی بدعتیں

ذکر

❀❀❀

عرض مترجم

ان الحمدلله نحمده ونستعينه من يهده الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادی له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله امابعد: فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدی هدی محمد (صلی الله عليه وسلم) وشر الامور محدثاتها و كل بدعة ضلالة (و كل ضلالة فی النار)

قارئین کرام!

رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)) ''ہر بدعت گمراہی ہے۔''

(صحیح مسلم' کتاب الجمعة' باب تخفیف الصلوٰة والخطبة: (ح۸۶۷)

اور فرمایا کہ ((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))[1]

''جو شخص کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا حکم (اور دلیل) نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

ان وعیدوں کے باوجود ایسا ہوا ہے کہ اسلام کے دعویداروں میں سے بہت سے لوگوں نے بدعات کو سینے سے لگالیا ہے۔ حکومت مجرموں کی سرکوبی کیلئے قوانین نافذ کرتی ہے مگر ان قوانین کے باوجود بے شمار لوگ دن رات جرائم میں مصروف رہتے ہیں۔

بدعت ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو

(جامع العلوم و الحکم لا بن رجب: ص ۲۵۲' ح۲۸)

یعنی ہر ایسا عمل یا عقیدہ جس پر قرآن' حدیث اور اجماع سے دلیل نہ ہو چونکہ اسلام کا بہترین اور سنہری دور خیر القرون کا دور ہے لہٰذا بعض علماء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ ''خیر القرون میں اس کا وجود نہ ہو اور اسے دین وثواب سمجھ کر اپنایا جائے۔''

---

[1] [صحيح مسلم' كتاب الاقضية' باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الامور: (۱۷۱۸) واللفظ له۔ صحيح البخاری كتاب الصلح باب اذا اصطلحوا علی صلح جو(فالصلح مردود: (۲۶۹۷)]

نافع مولیٰ ابن عمر سے روایت ہے کہ "ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چھینک ماری اور کہا "الحمدللّٰہ والسلام علی رسول اللّٰہ"

تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی کہتا ہوں کہ الحمدللّٰہ والسلام علی رسول اللّٰہ (یعنی میں اس کا انکار نہیں کرتا) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ طریقہ نہیں سکھایا، آپ نے تو ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہر حال میں الحمدللہ کہیں۔[۱]

اس حدیث کی سند حسن ہے اور اس کے کئی شواہد بھی ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان بدعتی لوگوں کو مسجد سے نکال دیا تھا جو اجتماعی شکل میں اللّٰہ اکبر، لا الہ الا اللّٰہ، سبحان اللّٰہ کہہ رہے تھے۔[۲]

مشہور محقق اور فاضل مصنف عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم حفظہ اللہ نے بہت سی مفید کتابیں لکھی ہیں جن میں سے یہ کتاب "السنن والمتدعات فی العبادات" بھی ہے۔

راقم الحروف نے قدوسی برادران محترم ابوبکر اور عمر فاروق بن عبدالخالق القدوسی نوراللہ مرقدہٗ کی ترغیب پر اس جلیل القدر کتاب کا ترجمہ کیا ہے جو کہ اس باب میں مفید ترین کتاب ہے۔

احادیث کی باحوالہ تخریج بھی کی ہے اور ان پر صحت وضعف کے لحاظ سے حکم بھی لگادیا ہے تاکہ عام قارئین کو آسانی رہے۔ ضعیف روایات کے ضعف بھی مختصراً عرض کردیے ہیں اور بعض مقامات پر فاضل مصنف سے اختلاف کی صورت میں حواشی بھی لکھے ہیں اور بعض مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ والحمدللہ!

زبیر علی زئی

حضرو۔ اٹک

---

۱ [سنن الترمذی، کتاب الادب، باب مایقول العاطس اذا عطس: (۲۷۳۸) وقال "غریب" وصححہ الحاکم: ۴/ ۲۶۵، ۲۶۶ ووافقہ الذہبی]

۲ [سنن الدارمی: (۱/ ۶۸، ۶۹ ح ۲۱۰) باب فی کراهية اخذ الرای وسنده حسن فيه عمر بن يحيیٰ صوابه عمرو بن يحيیٰ کما فی المخطوطة وغيرها]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان الحمد للّٰہ، نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہٗ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیّئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللْ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد انّ محمّدًا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلّم

امابعد!

عبادات میں اصل حرمت ہے یعنی کوئی بھی عبادت بغیر کسی صحیح شرعی دلیل کے جائز نہیں ہے اور یہیں سے یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ بغیر کسی صحیح شرعی دلیل کے ہر قسم کی عبادت بدعت منکرہ اور مردود ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))[1]

''جس نے ہمارے دین میں ایسی بات نکالی جو دین میں شامل نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

اور ایسا کرنے والے پر قیامت کے دن حسرت وندامت اور گناہ کا باعث ہوگا، جیسا کہ نبی ﷺ کی حدیث میں آیا ہے:

((مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَ جْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ، لَایُنْقِصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا، وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ کَانَ

---

[1] [صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علیٰ صلح جور فالصلح مردود (۲۶۹۷) صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة (۱۷۱۸)]

عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ آثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ، لَا يُنْقَصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا))[1]

''جس نے (کتاب وسنت سے ثابت شدہ) کسی اچھے کام کی طرف بلایا تو اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملے گا اور ان لوگوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دی تو اسے اتنا گناہ ملے گا جتنا کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ہوگا لیکن ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔''

اللہ تعالیٰ کا قانون اس کی مخلوق میں جاری ہو کر رہا' اس کی قدرت ظاہر ہوئی اور وہ پیشین گوئی رونما ہو کر رہی جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے خبر دی تھی کہ ''دینی علم اٹھ جائے گا' جہالت پھیل جائے گی' سنتیں مردہ ہوں گی اور بدعات کا دور دورہ ہوگا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ يُرْفَعُ الْعِلْمُ وَيُثْبَتُ الْجَهْلُ وَيُشْرَبُ الْخَمْرُ وَيُظْهَرُ الزِّنَا))[2]

''قیامت کی نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ (صحیح) علم اٹھ جائے گا (ہر طرف) جہالت چھا جائے گی' شراب پی جائے گی اور زنا کا غلبہ ہو جائے گا۔''

اس سے مصیبتیں زیادہ ہو گئیں اور صحیح العقیدہ لوگ آزمائشوں میں پڑ گئے' آج سنت اجنبی اور اوپری سمجھی جا رہی ہے اور اس پر عمل کرنے والے عجیب تر' جیسا کہ صادق ومصدوق ﷺ نے فرمایا تھا:

((بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ غَرِيْبًا، فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ))[3]

---

[1] [مسلم' کتاب العلم' باب من سن سنة حسنة أو سيئة(۲۶۷۴)]

[2] [صحيح البخاری' کتاب العلم' باب رفع العلم وظهور الجهل (۸۰)صحيح مسلم' کتاب العلم' باب رفع العلم وقبضه(۲۶۷۱)]

[3] [مسلم' کتاب الايمان' باب بيان ان الاسلام بدأ غريبا وسيعو غريبا (۱۴۵)]

''اسلام اجنبیوں میں آیا اور اجنبی بن جائے گا' پس خوشخبری ہے ان اجنبیوں کے لیے۔''

اسی طرح آپ کے جلیل القدر صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

((كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا لَبِسَتْكُمْ فِتْنَةٌ ' يُهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ ' وَيُرْبُو فِيهَا الصَّغِيرُ وَيَتَّخِذُهَا النَّاسُ سُنَّةً ' فَاِذَا غُيِّرَتْ قَالُوا غُيِّرَتِ السُّنَّةُ))[1]

''اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب فتنے تمہیں ڈھانپ لیں گے' بچوں پر جوانی اور جوانوں پر بڑھاپا طاری ہو جائے گا؟

لوگ اپنے خود ساختہ طریقوں کو سنت بنالیں گے' پھر جب اسے بدلنے کی کوشش کی جائے گی تو لوگ یہ پکاریں گے کہ سنت بدل گئی ہے۔''

لوگوں کے دل دو طرح کے ہو جائیں گے۔

۱۔ پاک وصاف جسے فتنہ یا بدعات کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گی' جس طرح کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((لَاتَضُرُّهُ الْفِتْنَةُ))[2]

''اسے فتنہ کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

انہیں یہ شرف اس لیے حاصل ہوا کہ وہ سنت کی اتباع کرنے والے' حصول علم کے شیدائی اور فتنوں سے دور رہنے والے تھے۔

۲۔ پستی میں گرا ہوا کالا کلوٹا دل' فتنے اسے اڑا رہے ہیں اور بدعات اس کی رگ و پے میں جاری و ساری ہیں' نہ وہ برائی کا انکار کرتا ہے اور نہ ہی اسے نیکی کی پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ زمانے نے اپنی کروٹیں لیں تو

---

[1] [''ضعیف'' الدارمی (۱/ ۶۴' ح۱۹۱) المستدرک (۴/ ۵۱۴) اعمش مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے]

[2] [حسن' البغوی فی الصحابۃ (الاصابۃ: ۹/ ۱۳۲) ابو داؤد (۴۶۶۳) یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ حسن لغیرہ ہے]

لوگوں میں عبادات' عقائد اور معاملات کے بارے میں وہ بدعات ظاہر ہوگئیں جن کی خبر نبی ﷺ نے دی تھی۔ آج جاہل شرک کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کر رہا ہے اور علم کا نام نہاد مدعی ایسی خود ساختہ عبادات میں سرگرم ہے جو نبی ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں۔ جب صحیح سنتیں مٹنے لگیں تو علماء اور صالحین پر ضروری ہے کہ ان بدعات اور برائیوں کا علانیہ انکار کریں تا کہ اصلاح' نصیحت' حق گوئی اور تبلیغ کا عظیم الشان وعدہ پورا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ۝﴾ (آل عمران : ۱۸۷)

''اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا کہ تم کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اسے چھپاؤ گے نہیں' تو انہوں نے اس وعدے کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور اس (کتاب) کے بدلے (دنیا کی) تھوڑی سی قیمت خریدنے لگے' اور ان کا یہ سودا بہت برا ہے۔''

میں نے اللہ تعالیٰ جو قادر' سب سے اعلیٰ' زبردست اور رحیم ہے' سے استخارہ کرتے ہوئے یہ کتاب لکھی ہے تا کہ لوگوں کے اندر مشہور بدعات کی نشاندہی کردوں اور ان کا رد کتاب وسنت سے واضح کردوں۔ میرا مقصد ثواب کا حصول ہے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ عذر پیش کرنا ہے کہ میں ان برائیوں اور بدعات پر خاموش نہیں رہا بلکہ حق بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کتاب وسنت پڑھنے' اس پر عمل کرنے اور اس کو بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور میرے اس عمل کو نفسانی خواہشات کے شائبہ تک سے بچائے۔ (آمین!) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

ابوعبدالرحمٰن عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم

❀❀❀



بیت الخلا جانا اور قضائے حاجت

رفع حاجت کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

طہارت کے بارے میں ابلیس نے عوام اور جاہلوں کو عجیب و غریب طور پر بدحواس کر رکھا ہے' ایسے لوگوں کے بارے میں اس کا گمان کہ لوگوں کی اکثریت صراط مستقیم کو چھوڑ کر اس کی پیروی کرے گی سچا ثابت ہوا' ابلیس لعین نے ان لوگوں کے لیے جو اس کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہے ہیں طرح طرح کی بدعات کے دروازے کھول رکھے ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ اس کے جگری یار اور اندھا دھند فرمانبردار بن چکے ہیں (والعیاذ باللہ!) اور وہ قیامت کے دن ان سے براءت کا اعلان کر دے گا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ

﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ مَا اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَا اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ (ابراھیم: ۲۲)

''اور (قیامت کے دن) جب تمام فیصلے کر دیے جائیں گے (تو) شیطان کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تو اسے پورا نہ کیا' میری تمہارے اوپر کوئی حکومت نہ تھی سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (برائی کی) دعوت دی جسے تم نے قبول کر لیا' پس تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو (ہی) ملامت کرو' (آج) نہ میں تمہیں بچا سکتا ہوں اور نہ تم مجھے بچا سکتے ہو' تم نے مجھے اس سے پہلے (دنیا میں) اللہ تعالیٰ کا شریک جو بنا لیا تھا میں اس کا انکار کرتا ہوں' بے شک

ظالموں کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔''

اب طہارت کی ان چند بدعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں ابلیس نے لوگوں کو مبتلا کر رکھا ہے۔

ہوا نکلنے کے بعد شرمگاہ کا دھونا

عوام الناس میں یہ عجیب اور نرالی بدعت مشہور ہوگئی ہے جس کی شریعت مطہرہ میں کوئی دلیل موجود نہیں' بلکہ اس عمل کے وجوب' استحباب یا مباح ہونے پر نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے اور نہ ہی کوئی ضعیف۔

جسے سنت راس نہ آئے اسے بدعت گھیر لیتی ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں (لے جانے والی) ہے۔ اللہ نے ہمارے اوپر وہی عبادت لازم کی ہے جس کی دلیل کتاب وسنت میں موجود ہے۔

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ کہ (مجبوری میں بھی) کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ (یعنی حرام) ہے۔

یہ عقیدہ جناب حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کسی مجبوری کی وجہ سے) ایک قبیلہ کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر گئے تو وہاں کھڑے ہوکر پیشاب کیا۔ میں آپ کے لیے وضو کا پانی لایا' میں دور جانا چاہتا تھا مگر آپ نے مجھے بلایا حتیٰ کہ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوگیا تو آپ نے فارغ ہونے کے بعد وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔[1]

اور میرے خیال میں لوگوں کو اس صحیح حدیث سے غلط فہمی ہوئی ہے جو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے:

((مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَبُوْلُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوْهُ'

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الوضوء' باب البول قائما وقاعدا (۲۲۴)صحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب المسح علی الخفین (۲۷۳)مسند احمد(۵/ ۳۸۲' ۴۰۱)المسند المنسوب الی ابی حنیفہ رحمہ اللہ: ص۴۳]

مَاکَانَ یَبُوْلُ اِلَّا قَاعِدًا))[1]

''تمہیں جو شخص یہ بتائے کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اسے سچا نہ سمجھو' آپ صرف بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔''

یہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اجتہاد ہی ہے۔[2]

انہیں نبی ﷺ کی سنت میں سے جو معلوم تھا اسے بیان کر دیا اور صریح تعارض کی صورت میں نفی پر مثبت مقدم ہوتا ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو (جواز کی دلیل کے طور پر) لازم پکڑا جائے' کیونکہ اس کی بنیاد دیکھنے پر ہے جس کا تعلق حس بصارت سے ہے اور جبکہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا تعلق علم کے ساتھ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بسااوقات بعض چیزیں چھپی رہ جاتی ہیں اور ان کا علم نہیں ہو پاتا۔

ام المومنین کا یہ اجتہاد ان کی اس تحقیق جیسا ہے جس میں انہوں نے دنیا میں نبی ﷺ کے اپنے رب کو دیکھنے کی نفی کی ہے جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا اثبات کیا ہے۔[3]

---

1. [حسن' سنن الترمذی' ابواب الطھارۃ' باب ماجاء فی النھی عن البول قائما ۱۲]

2. [یہ اجتہاد نہیں ہے بلکہ ام المومنین کی رؤیت اور گواہی ہے' یاد رہے کہ ام المومنین کی حدیث اور حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ عام طور پر بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے اور صرف ایک دفعہ کسی عذر کی وجہ سے آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا' لہٰذا حق یہی ہے کہ بیٹھ کر پیشاب کرنا ہی مسنون ہے' تاہم کسی عذر و مجبوری کی وجہ سے پردہ اور ضروری شرائط کے ساتھ کھڑے ہو کر پیشاب کر لینا بھی جائز ہے۔]

3. [ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے (دنیاوی زندگی میں) اپنے رب کو دیکھا ہے تو یہ بہت بڑا افتراء ہے۔ (صحیح بخاری' کتاب بدأ الخلق' باب اذا قال احدکم آمین .....الخ (۳۲۳۴) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب فی قول اللہ عزوجل ولقد رآہ نزلۃ اخری .....الخ (۱۷۷)] جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' آپ ﷺ نے اپنے رب کو اپنے دل (کی آنکھوں) سے (دو دفعہ) دیکھا ہے۔ (صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب فی قول اللہ عزوجل ولقد راٰہ نزلۃ اخری (۱۷۶)) یعنی خواب یا عالم مثال میں روحانی طور پر دیکھا ہے۔ حدیث عائشہ میں دنیاوی رؤیت کی نفی ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں روحانی رؤیت کا اثبات ہے' لہٰذا دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔]

اس قسم کی اور بھی مثالیں ہیں جن کے ذکر سے یہ بحث طول پکڑ سکتی ہے۔

اس لیے امام ترمذی نے اپنی کتاب السنن (۱/۱۸) میں کہا ہے کہ ''کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے ممانعت کا تعلق آداب و اخلاق سے ہے' حرمت سے نہیں۔''

اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت والی موضوع حدیث جو کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا' میں کھڑا ہو کر پیشاب کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یَا عُمَرُ' لَاتَبُلْ قَائِمًا))[1]

''اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو'' اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

اس حدیث کا دارومدار عبدالکریم بن ابی المخارق پر ہے جو کہ سخت ضعیف ہے۔ نسائی اور دارقطنی نے اسے متروک کہا۔ السعدی (الجوز جانی) اور نسائی نے ایک دوسرے مقام پر کہا وہ ثقہ نہیں تھا۔ اسماء الرجال کے ماہر علماء اس کو ضعیف اور کمزور قرار دیتے ہیں۔

اور مستحب یہی ہے کہ آدمی بیٹھ کر پیشاب کرے' اس میں انسانی وقار بھی ہے اور شرمگاہ کی حفاظت بھی ہوتی ہے' انسان پیشاب کے چھینٹوں سے بھی محفوظ رہتا ہے اور اگر (کسی عذر و مجبوری کی وجہ سے) کھڑا ہو کر پیشاب کرلے تو جائز ہے لیکن اس پر یہ لازم ہے کہ پیشاب کے لیے نرم (پانی جذب کرنے والی) زمین تلاش کرے تاکہ اس

---

[1] [ضعیف جداً' سنن ابن ماجه' کتاب الطهارة وسننها' باب فی البول قاعداً (۳۰۸) اس کی سند عبدالکریم بن ابی امیہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے' تاہم جناب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے کہ وہ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے (مسند بزار بحوالہ کشف الاستار للھیثمی رحمہ اللہ ۱/۱۳۰' ح' ۲۴۴ واسنادہ صحیح مسند بزار (کشف:۱/۲۶۶' ج ۵۴۷) اور طبرانی (اوسط ۶/۴۷۰' ۴۷۱' ج ۵۹۹۵) کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کھڑے ہو کر (بغیر کسی عذر کے) پیشاب کرنا بداخلاقی اور ظلم ہے۔ اس کی سند حسن ہے' مؤلف کتاب کا جرح کرنا صحیح نہیں ہے۔]

پر پیشاب کے چھینٹے نہ پڑیں' اپنی شرمگاہ کی لوگوں سے حفاظت کرے اور قضائے حاجت اور بیت الخلاء جانے کے آداب کا خاص خیال رکھے۔

یہاں اس بات پر تنبیہ بھی ضروری ہے کہ لوگ ایسی لیٹرینوں میں جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے یا ساتھ ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں' کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں شرمگاہوں کی بے پردگی اور دوسرے لوگوں کی نظر پڑنے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ ایسی لیٹرینوں میں بسا اوقات پانی بھی نہیں ہوتا جس سے طہارت کرنا مشکل اور ناممکن ہو جاتا ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ نبی ﷺ سے (بحالت عذر و مجبوری) کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ثابت ہے' لہٰذا اسے (مطلقاً) مکروہ کہنا غلط ہے' ہاں اگر وہ حالتیں پائی جائیں جن کا ابھی تذکرہ ہوا ہے' مثلاً شرمگاہ کی بے پردگی اور عدم طہارت تو پھر یہ مکروہ یعنی حرام ہے اور اس سے بھی مطلقاً حرمت والا قول ساقط ہو جاتا ہے اور فتویٰ جواز پر ہی رہتا ہے۔ امام مجتہد ابن المنذر النیسابوری نے کہا ہے:

''نبی ﷺ کے صحابہ مثلاً عمر بن الخطاب' زید بن ثابت' ابن عمر اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ انہوں نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہے اور یہی فعل علی' انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور کبائر تابعین محمد بن سیرین اور عروہ بن زبیر نے بھی کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہے۔''

یہ عقیدہ کہ صرف مٹی کے ساتھ استنجاء کرنا کافی نہیں ہے

بدعات میں سے یہ بھی ہے کہ عام لوگ پیشاب و رفع حاجت سے طہارت کے لیے صرف مٹی سے استنجاء کرنا کافی نہیں سمجھتے ہیں' حالانکہ یہ بات غلط ہے اور اس کے غلط ہونے پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔

انہوں نے کہا: ایک دفعہ نبی ﷺ نے قضائے حاجت کا ارادہ کیا تو مجھے حکم دیا کہ میں مٹی کے تین ڈھیلے لاؤں تو مجھے دو ڈھیلے ملے اور تیسرا نہ مل سکا' لہٰذا میں نے ایک لید اٹھالی اور آپ کے پاس لے آیا اور آپ ﷺ نے ڈھیلے تو لے لیے اور لید کو پھینک دیا

اور آپ ﷺ نے فرمایا: ((هٰذَا رِكْسٌ)) ''یہ پلید ہے۔''[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''نبی ﷺ قضائے حاجت کے لیے جا رہے تھے اور میں آپ کے پیچھے چلا'' آپ ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے' جب میں آپ کے قریب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میرے لیے ڈھیلے لاؤ جن سے میں استنجاء کروں گا یا اس طرح کی کوئی بات فرمائی اور فرمایا کہ ہڈی اور لید نہ لانا چنانچہ میں اپنے کپڑے کے ایک کنارے میں تین ڈھیلے لے آیا' انہیں آپ کے پاس رکھا اور دور چلا گیا۔ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو میں آپ کے ساتھ چلا۔''[2]

یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ صرف ڈھیلوں کے ساتھ بھی استنجا جائز ہے اور ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی کا استعمال فرض نہیں ہے' تاہم پانی کا استعمال ڈھیلوں سے بہتر ہے' اگر ڈھیلوں کے بعد پانی استعمال کریں تو بھی بہتر ہے مگر یاد رکھیں کہ صرف مٹی کے ڈھیلوں کے ساتھ صحیح طریقے پر استنجاء کرنا بھی کافی ہے۔ واللہ اعلم!

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام اور بعد کے اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ صرف ڈھیلوں کے ساتھ استنجاء کرنا جائز ہے اگرچہ ان کے بعد پانی استعمال نہ کرے بشرطیکہ پیشاب اور پاخانے کا اثر خوب زائل ہو جائے' اور یہی قول سفیان ثوری' عبداللہ بن المبارک' شافعی' احمد ابن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا ہے۔''[3]

امام ترمذی نے یہ بھی فرمایا ہے:

''اگرچہ ڈھیلوں کے ساتھ استنجاء کرنا جائز ہے تاہم علماء کے نزدیک پانی سے استنجاء مستحب اور افضل ہے۔''[4]

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الوضوء' باب لا یستنجی بروث (۱۵۶)]

[2] [صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب الاستنجاء بالحجارة (۱۵۵)]

[3] [جامع ترمذی: ۱/ ۲۴]

[4] [جامع ترمذی: ۱/۳۱]

اس سلسلہ میں وسوسہ کے مریضوں کی اور بھی کئی بدعات ہیں مثلاً :

السلت: آلۂ تناسل کو اس کی جڑ سے اس کے سر کی طرف دبا کر کھینچا جائے تا کہ اس میں رکا ہوا پیشاب باہر نکل آئے۔

النتر اور النحنحة: بہت زیادہ زور لگا کر پاخانہ نکالنے کو کہتے ہیں۔

المشی: پیشاب کے بعد (کافی دیر) چلنے کو کہتے ہیں تا کہ آلہ تناسل سے پیشاب کے قطرے باہر نکل جائیں۔

القفز: زمین سے چھلانگ لگانے کا نام ہے تا کہ پیشاب کے قطرے ٹپک پڑیں۔

الحبل: رسی کو کہتے ہیں' وسوسہ کے مریض بعض اوقات رسی سے لٹک کر اپنے آپ کو زمین پر گراتے ہیں۔

التفقد: آلۂ تناسل میں سے اس کا منہ کھول کر پیشاب نکالنے کا نام ہے' اگر ایسا کر کے اس میں اسی حالت میں پانی ڈالا جائے تو یہ الوجور کہلاتا ہے۔

الحشو: کاٹن وغیرہ رکھنے اور العصابة کپڑے کی پٹی باندھنے کو کہتے ہیں۔

الدرجة: آہستہ آہستہ سیڑھی پر چڑھا جائے پھر تیزی کے ساتھ نیچے اترا جائے۔

یہ تمام باتیں وسوسہ اور وہم کے مریضوں کی بدعات ہیں جن کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

میں نے کئی دیوبندی تبلیغی جماعت والوں اور دوسرے لوگوں کو کھلے راستوں پر لوگوں کے سامنے پیشاب کرنے کے بعد عجیب وغریب حرکتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے' وہ اپنے خیال میں پیشاب کے قطرے باہر نکالنا چاہتے ہیں اور یہ تمام حرکتیں وسوسہ کے مریضوں کی خاص علامات ہیں۔ البتہ ''السلت'' کے بارہ میں ایک منکر حدیث مروی ہے جسے عیسیٰ بن یزداد نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا بَالَ اَحَدُكُمْ فَلْيَنْتُرْ ذَكَرَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ))[1]

---

[1] [ضعیف' سنن ابن ماجه' كتاب الطهارة وسننها' باب الاستبراء بعد البول (۳۲۶) اس کا راوی زمعہ ضعیف ہے اور عیسیٰ بن یزداد مجہول الحال راوی ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری' امام ابو حاتم الرازی وغیرہما نے ضعیف قرار دیا ہے]

''جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرے تو اپنے ذکر کو تین دفعہ جھاڑے۔''

یہ ضعیف روایت نبی ﷺ کی سنت کے مخالف ہے۔

امام ابن القیم ''زاد المعاد'' میں کہتے ہیں:

''وہم اور وسوسہ والے حضرات' ذکر کا جھاڑنا' بہت زیادہ زور لگا کر پاخانہ کرنا' چھلانگ لگانا' رسی کو پکڑنا' سیڑھیاں چڑھنا' ذکر میں روئی رکھنا اور اندر پانی پہنچانا' وقتاً فوقتاً اسے اچھی طرح دیکھنا کہ کہیں کوئی پیشاب کا قطرہ نہ ہو اور اس قسم کی دیگر جتنی بدعات پر گامزن ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی ثبوت نبی ﷺ سے نہیں ملتا ہے''۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ سلف صالحین سے وسوسہ والے ان حضرات کے سراسر خلاف ثابت ہے۔ مثلاً ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''جس انسان نے (استنجاء کے بعد) اپنے آلہ تناسل کے اردگرد تری تلاش کرنے کی کوشش کی تو وہ ایسی چیز دیکھ لے گا جو اسے بری محسوس ہوگی''۔[2]

یہ ابلیس ہے جو اپنے دوستوں کو ایسی چالیں سکھاتا ہے جو انہیں دین قیم' صراط مستقیم اور سنت نبوی سے دور کر کے فتنے میں مبتلا کر دیتی ہیں' ابلیس وہ اپنے دوست کے آلہ تناسل کو چھوتا ہے یا اسے بھگونے کی کوشش کرتا ہے جس سے ابلیس کا دوست یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے۔

ایک آدمی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے شکایت کی کہ میں جب نماز میں ہوتا ہوں تو مجھے یہ خیال آتا ہے کہ میرے ذکر پر پیشاب کی تری ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ شیطان کو غارت کرے کہ وہ نماز میں انسان کے ذکر کو اس لیے چھوتا ہے تاکہ وہ یہ خیال کرنے لگے کہ اس کا وضو ٹوٹ چکا ہے' پس اگر تو وضو

---

[1] [زاد المعاد: ۱/ ۱۷۳]

[2] [مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۷۸۔ وفی نسخة: ص۱۹۶' ح ۲۰۵۱۔ اس کی سند صحیح ہے]

کرے تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لیا کر پھر اگر تجھے تری کا خیال آئے تو یہ سمجھ لینا کہ یہ چھڑکا ہوا پانی ہے۔''[1]

اس آدمی نے اس پر عمل کیا تو وسوسہ کی بیماری ختم ہوگئی۔

اسی طرح کی بات منصور بن المعتمر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ثابت ہے کہ شیطان ذکر کو بھگونے کی کوشش کرتا ہے۔[2]

اس کا علاج اور دوا اسی میں ہے کہ وضو کے بعد شرمگاہ پر یعنی ازار کے اندر اور باہر پانی چھڑک لے' پھر اگر اسے تری کا اثر محسوس ہو تو یہ سمجھے کہ یہ میرے چھڑکے ہوئے پانی سے ہے۔

اسی طرح سلف صالحین کا عمل تھا اور اسی طریقے سے وہ اپنے آپ کو ان بدعات اور وسوسوں سے بچاتے تھے۔ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکتے تھے۔[3]

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ جب وضو سے فارغ ہوتے تو ہتھیلی میں پانی لے کر اپنے ازار پر ڈال دیتے۔[4]

داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن کعب القرظی سے پوچھا کہ میں وضو کرتا ہوں اور وضو کے بعد تری محسوس کرتا ہوں؟ تو انہوں نے کہا:

''جب تو وضو کرے تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لیا کر' پھر اگر تجھے ایسا محسوس ہو تو یہ سمجھ کہ یہ میرے چھڑکے ہوئے پانی میں سے ہے' کیونکہ شیطان تجھے (سکون سے نماز پڑھنے کے لیے) نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ وہ تجھے تکلیف میں مبتلا کردے اور مسجد سے نکال دے''۔[5]

---

[1] [مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۱۵۱' ح ۵۸۳]
[2] [صحیح' مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۱۹۲' ح ۲۰۵۲' اس کی سند صحیح ہے]
[3] [صحیح' مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۱۶۷' ح ۱۷۷۵' اس کی سند صحیح ہے]
[4] [صحیح' مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۱۶۸' ح ۱۷۸۰' اسکی سند صحیح ہے]
[5] [صحیح' مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۱۵۲' ح ۵۸۵' اس کی سند صحیح ہے]

اللہ کے بندو! اللہ کے لیے ان بدعات سے بچ جاؤ' ابلیس لعین لوگوں کو نام نہاد ''احتیاط'' کے بہانے سے ان بدعات میں مبتلا کرتا ہے اور اگر شیطان کا دل و دماغ پر قبضہ ہو جائے تو انہیں خراب کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ والعیاذ باللہ!

طہارت اور حیض

طہارت اور حیض کی بدعات اور ان کا سنت نبوی ﷺ سے رد' یہ عقیدہ رکھنا کہ وضو ٹوٹنے کے بعد بغیر کسی وجہ کے دوبارہ وضو کرنا فرض ہے

جاہل عوام اور غیر شرعی عبادت کرنے والوں کا یہ انتہائی برا عقیدہ ہے' وہ اپنے اس عقیدہ اور عمل پر ایک موضوع حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

((مَنْ اَحْدَثَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ فَقَدْ جَفَانِيْ ' وَمَنْ لَّمْ يَتَوَضَّأْ وَلَمْ يُصَلِّ فَقَدْ جَفَانِيْ))

''جس نے وضو ٹوٹنے کے (فوراً) بعد دوبارہ وضو نہ کیا اس نے میرے ساتھ ظلم کیا اور جس نے وضو کے بعد (کوئی) نماز نہ پڑھی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا۔''

اس حدیث کو محدث الصاغانی نے کتاب ''الموضوعات (۵۳)'' میں ذکر کیا ہے اور شیخ العجلونی اپنی کتاب ''کشف الخفاء (۲/۳۱۰)'' میں اسے موضوع قرار دینے میں امام الصاغانی کے موافق ہیں۔

نبی ﷺ سے وضو ٹوٹنے کے بعد دوبارہ وضو کا وجوب قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ یہ ثابت ہے کہ آپ جماع کے بعد وضو کر کے حالت جنابت میں ہی سو جاتے تھے اور یہ معلوم ہے کہ جنابت کبریٰ (بعد از جماع) جنابت صغریٰ (احتلام) سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔

آپ اس حالت میں (جماع کے بعد) وضو کر کے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے' اس سے بھی اس موضوع حدیث کے متن کا صحیح حدیث کے مخالف اور منکر ہونا واضح ہوتا ہے

اور اس سے زیادہ شدید وہ بدعات ہیں جن کا ارتکاب بعض قابل نفرت عورتیں حالت حیض و نفاس[1] میں کرتی ہیں' ان میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بعض عورتوں کا حالت حیض ونفاس میں نماز' روزہ کی پابندی کرنا

ان عورتوں کا یہ عمل دین حنیف کے سراسر خلاف ہے بلکہ ایسا کرنے والی عورتیں بہت بڑے حرام اور ناجائز عمل کی مرتکب ہیں۔ معاذۃ العدویہ فرماتی ہیں:

''ایک عورت نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا ہمیں حیض کے دنوں کی نہ پڑھی ہوئی نمازیں حیض کے بعد بطریقہ قضاء پڑھنا پڑیں گی؟

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً انکار کرتے ہوئے فرمایا' کیا تیرا تعلق خارجی گمراہ فرقہ سے ہے؟ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حالت حیض والی نمازوں کی قضا کا کوئی حکم نہیں دیا جاتا تھا۔''[2]

اس حدیث کا تعلق نماز کی قضاء سے ہے۔ آپ خود سوچیں کہ ایام حیض و نفاس میں ان عبادات (نماز' روزہ) کا قائم کرنا کیسا برا فعل ہے؟

ابن المنذر النیشابوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''بغیر کسی اختلاف کے تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حیض کے دنوں میں حائضہ پر فرض نماز ساقط ہو جاتی ہے۔''[3]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حیض اور نفاس والی عورتوں پر نہ نماز فرض ہے اور نہ روزہ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ان پر نماز کی قضاء بھی واجب نہیں ہے۔''[4]

---

[1] [بچے کی پیدائش کے بعد اسکی ماں کو جو خون آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الحیض' باب لاتقضی الحائض الصلوٰۃ(۳۲۱)صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب وجوب قضاء ایضا علی الحائض دون الصلوٰۃ(۳۳۵)]

[3] [الاوسط : ۲/ ۲۰۲]

[4] [شرح صحیح مسلم: ۱/ ۶۳۷]

اس کی تائید ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کے دن عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

((یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَهْلِ النَّارِ))

''اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ (بہت زیادہ کیا) کرو کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں عورتوں کی اکثریت ہے۔''

عورتیں کہنے لگیں' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیوں ہے؟ فرمایا:

((تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ' مَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِیْنٍ اَذْهَبُ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدَاکُنَّ))

''تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی ناشکری بھی کرتی ہو' تمہارے سوا میں نے کوئی نہیں دیکھا جو ناقص عقل اور ناقص دین ہونے کے باوجود ہوشیار اور مضبوط ارادے والے مرد کی عقل زائل کر دے۔''

عورتوں نے کہا' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری عقل اور دین کے ناقص ہونے سے کیا مراد ہے؟

فرمایا' کیا (اللہ کے دین میں) مرد کی گواہی کے مقابلے میں عورت کی گواہی آدھی نہیں ہے (یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر نہیں)؟ عورتوں نے (بالاتفاق) کہا جی ہاں! (رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا یہ دلیل ہے اس کی عقل کا (عام طور پر مرد کے مقابلے میں) ناقص ہونا (بعض استثنائی صورتیں اس عموم سے خارج و مستثنیٰ ہیں)۔ پھر فرمایا:

((اَلَیْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟))

''کیا یہ بات نہیں ہے کہ اسے جب حیض آتا ہے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے؟''

کہنے لگیں جی ہاں! تو آپ نے فرمایا:

((فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا))[1]

یہ اس کے دین کے نقصان کی (بمقابلہ مرد)۔''

جس عورت نے حالت حیض ونفاس میں نماز اور روزہ کی ممانعت کے ان احکام کی مخالفت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے دین میں بدعت ایجاد کی اور اپنی خواہش نفسانی کو حاکم بنایا۔

حیض ونفاس کی اس حالت میں نماز کا ترک اور حالت طہر میں اس کی قضاء نہ دینا اور روزے کا ترک اور حالت طہر میں اس کی قضاء دینا عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رخصتوں میں سے ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس نماز کی قضاء تو نہیں کر سکتیں مگر روزہ رکھ سکتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰى رُخْصَتَهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ تُؤْتٰى مَعْصِيَتَهُ))[2]

''بے شک اللہ تعالیٰ یہ (اسی طرح) پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح کہ وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ))[3]

''پس جس نے (جان بوجھ کر) میری سنت سے (مخالفت کرتے ہوئے)

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الحائض' باب ترك الحائض الصوم (۳۰۴)صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات(۷۹)]

[2] [صحیح' مسند احمد(۲/ ۱۰۸)صحیح ابن خزیمه (۹۵۰) صحیح ابن حبان' موارد (۵۴۵) وسنده حسن وله شواهد کثیره]

[3] [صحیح بخاری' کتاب النکاح' باب' الترغیب فی النکاح(۵۰۶۳)صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب(۱۴۰۱)]

منہ پھیرا وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

اور فرمایا:

((مَا بَالَ اَقْوَامٌ يَتَنَزَّهُوْنَ فِي الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ ؟ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ اَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً))[1]

''لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ان کاموں سے پرہیز کرتے ہیں جو میں کرتا ہوں؟ اللہ کی قسم میں ان سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ جانتا ہوں اور ان کی نسبت اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتا ہوں۔''

اب آپ غور کریں' اللہ آپ پر رحم کرے' ام المومنین نے نماز کی قضاء کے بارے میں سوال کرنے والی عورت کو کس طرح جواب دیا تھا کہ

''کیا تو حروریہ فرقہ سے تعلق رکھتی ہے؟'' یعنی کیا تو خارجیوں میں سے ہے؟ اور یہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا اس عورت پر شدید انکار تھا' تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا سوال بہت زیادہ غلط تھا۔ گویا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھیں کہ یہ عورت اس ناجائز بات کی اجازت چاہتی ہے' اس لیے کہ قرآن میں بغیر کسی تخصیص واستثناء کے نماز کے قائم کرنے کا عمومی حکم موجود ہے' جس میں خارجیوں اور منکرین سنت کے نزدیک حائضہ اور نفاس والی بھی داخل ہے' لہٰذا اس طریقے سے قرآن پر عمل کا دعویٰ کرتے ہوئے سنت رسول کو چھوڑ دینا دین اسلام سے خارج خارجیوں کا ہی شیوہ ہے۔ اس بنا پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت پر انکار کیا اور پھر اسے سنت صحیحہ سے مسئلہ سمجھا دیا۔

بعض عورتوں کی جہالتیں اور خرافات

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حائضہ کو دودھ پلانے والی کے پاس جانے' اناج وغیرہ کی کاشت والے کھیتوں اور جس کی آنکھوں میں تکلیف ہو اس کے پاس

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة' باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم (۷۳۰۱) صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب علمه ﷺ بالله تعالیٰ وشدة خشیته (۲۳۵۶)]

جانے سے منع کرتی ہیں اور یہ خیال کرتی ہیں کہ اس طرح سے ان لوگوں اور کھیتوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچے گا اور فساد ہوگا۔

اس طرز عمل کے قریب قریب وہ طرز عمل ہے جو یہودیوں نے اپنی حائضہ عورتوں کے ساتھ روا رکھا تھا' وہ ان سے جماع نہ کرنے کے ساتھ ساتھ' ان کے قریب نہ جاتے' ان کے ساتھ سکونت نہ کرتے اور نہ ہی انہیں اپنے پاس کھانا کھانے کی اجازت دیتے تھے۔ دین فطرت اور آسان دین اسلام نے یہود کے اس طرز عمل پر سخت انکار کیا اور اس جاہلانہ تشدد اور بال کی کھال نکالنے کو باطل قرار دیا۔

اسلام نے حالت حیض میں عورتوں سے وطی اور جماع کو حرام قرار دیا تاکہ انسان گندگی اور نقصان سے بچ جائے اور جماع کے علاوہ باقی تمام افعال کو بعض شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اگر (یہودیوں کی) کوئی عورت حائضہ ہو جاتی تو یہودی اسے اپنے ساتھ نہ کھانا کھانے دیتے اور نہ اپنے گھروں میں اکٹھا بیٹھنے دیتے تھے' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ اِلٰى آخِرِ الْآيَةِ﴾[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ))[2]

''جماع کے علاوہ تمام (جائز) کام کر سکتے ہو۔''

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ہم (امہات المومنین) میں سے اگر کوئی حائضہ ہو جاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مباشرت کرنا چاہتے تو حکم دیتے کہ حیض کے شروع میں (مضبوط) ازار

---

[1] [البقرہ آیت نمبر ۲۲۲]

[2] [صحیح مسلم کتاب: الحیض باب جواز غسل الحائض رآس زوجھا(۳۰۲)]

باندھ لو پھر آپ (جماع کے بغیر صرف) مباشرت فرماتے تھے''۔[1]

بلکہ نبی ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ عورتوں کو عیدین کی نماز کے لیے عیدگاہ کی طرف نکلنے کا حکم دیتے تھے اور حائضہ عورتوں کو نماز کی جگہ سے دور رہنے' خطبہ سننے' تکبیر کہنے اور دعائے خیر میں شامل ہونے کا حکم دیتے تھے۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اپنے ساتھ نوجوان پردہ نشین اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدین کے دن عیدگاہ میں لے جائیں لیکن حائضہ عورتیں نماز سے دور رہیں گی اور دعائے خیر و تکبیرات اور خطبہ سننے میں ضرور شامل ہوں گی''۔[2]

اگر ان خرافات اور جہالتوں میں سے (نعوذ باللہ) کوئی چیز بھی صحیح ہوتی تو نبی ﷺ اس کے بیان سے کبھی خاموش نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک آپ کی روح قبض نہ کی جب تک آپ نے لوگوں تک مکمل رسالت پہنچا نہ دی اور آپ نے وحی کی امانت کا پورا پورا حق ادا کیا' اپنی امت کو روشن اور سیدھے راستے پر چھوڑ کر گئے' اس راستے (اسلام) کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے اور اس سے وہی منہ موڑتا ہے جو اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا ہے۔

یاد رہے کہ سابق احادیث سے ثابت شدہ مسئلہ ''حائضہ کے ساتھ کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا وغیرہ جائز ہے'' سے بھی ان خرافات اور جہالتوں کا باطل ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ (والحمدللہ!)

بلکہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ بغیر جماع کرنے

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب الحیض' باب مباشرة الحائض (۳۰۲)صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب مباشرة الحائض فوق الازار(۲۹۳)]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الحیض' باب: شھود الحائض العیدین (۳۲۴)صحیح مسلم' صلاة العیدین' باب ذکر اباحة خروج النساء فی العیدین الی المصلیٰ(۸۹۰)]

کے بھی لیٹ جاتے تھے۔ آپ کی پیاری بیوی ام المومنین عائشہ ﷞ حالت حیض میں ہونے کے باوجود آپ کی کنگھی کرتی تھیں اور اس حالت میں بھی آپ ان کا جوٹھا وہیں سے پیتے جہاں وہ اپنا منہ رکھتیں اور ان کا بچا ہوا کھانا کھا لیتے تھے۔

ام سلمہ ﷞ فرماتی ہیں کہ

''ایک دفعہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ایک (رنگدار لحاف نما) چادر میں لیٹی ہوئی تھی کہ مجھے حیض کا احساس ہوا تو میں وہاں سے اٹھی اور حیض کے (ضروری) کپڑے لے لیے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

((أَنُفِسْتِ؟))

''کیا تجھے حیض آنا شروع ہو گیا ہے؟''

میں نے کہا' جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے مجھے بلایا' میں آپ کے ساتھ (اس لحاف نما) چادر میں دوبارہ لیٹ گئی۔''[1]

ام المومنین عائشہ ﷞ نے فرمایا:

''میں حالت حیض میں ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کی کنگھی کرتی تھی۔''[2]

نیز (یہ بھی) فرمایا کہ نبی ﷺ میری گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھتے تھے حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔[3]

عائشہ ﷞ سے ایک دوسری روایت میں ہے:

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الحیض' باب من سمّی النفاس حیضاً(۲۹۸)صحیح مسلم' کتاب الحیض باب الاضطجاع مع الحائض فی لحاف واحد(۲۹۶)]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الحیض' باب غسل الحائض رأس زوجها وترجیله (۲۹۵)مؤطا امام مالك (۱/ ۶۰)]

[3] [صحیح بخاری' کتاب الحیض' باب قرأة الرجل فی حجر امرأته وهی حائض (۲۹۷)صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب جواز غسل الحائض رأس زوجها (۳۰۱)]

''میں حالت حیض میں پانی پیتی پھر اسے (یعنی پانی کا برتن) نبی ﷺ کو دے دیتی اور میں نے جہاں اپنا منہ رکھا ہوتا تو آپ بھی وہاں اپنا منہ رکھ کر پانی پیتے اور میں اسی حالت میں اپنے دانتوں سے گوشت (کا ٹکڑا) کاٹ کر کھاتی پھر باقی ماندہ گوشت آپ کو دے دیتی تو آپ ﷺ اپنا منہ مبارک بھی وہیں رکھتے جہاں میں نے منہ رکھا ہوتا۔''[1]

لوگو! نبی ﷺ کا یہ طرزِ عمل سب سے عظیم طرزِ عمل ہے اور جو شخص اس طریقے کا مخالف ہے تو وہ راندۂ درگاہ یہود کا پیروکار ہے اور اس حق کے مخالف کا طرزِ عمل انتہائی برا اور شر انگیز ہے۔

تم اچھے طریقے سے نبی ﷺ کی سنت کی طرف کیوں نہیں لوٹ جاتے اور ان خرافات' جہالات اور بدعات کو دور کیوں نہیں پھینک دیتے؟

مستحاضہ[2] کا نماز کو کلیتاً ترک کر دینا

اس کا سبب جہالت' ناجائز سستی یا فرض کا انکار ہے' نماز دین کا ستون اور اسلام کا دوسرا بنیادی رکن ہے' اس کا ترک کرنا حیض اور نفاس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ جس نے بھی بغیر کسی شرعی عذر کے نماز کو ترک کیا تو اس نے یقیناً کفر کیا' جیسا کہ سنت سے ثابت ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا' آپ فرما رہے تھے کہ ''بے شک انسان اور کفر و شرک کے درمیان فرق نماز کا ترک کر دینا ہے۔''[3]

یہی قول علماء کی ایک بڑی جماعت کا ہے جس میں عبداللہ بن مبارک اور امام احمد ابن حنبل وغیرہما بھی شامل ہیں۔[4] سنت یعنی احادیث میں آیا ہے کہ مستحاضہ کا خون

---

[1] [صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب جواز غسل الحائض رأس زوجها(۳۰۰)]

[2] [مستحاضہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کو حیض کا خون' ایام حیض کے بعد بھی جاری رہے]

[3] [صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلوٰۃ(۸۲)]

[4] [دیکھئے امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب ''تعظیم قدر الصلوٰۃ'' ۲/۹۲۵]

دراصل بیماری کی وجہ سے ایک رگ کا خون ہوتا ہے نہ کہ حیض کا' لہٰذا اس حالت میں نہ نماز ترک کی جائے گی نہ روزہ اور نہ دیگر عبادات اور نہ ہی اس خون کی وجہ سے خاوند کا اپنی بیوی سے جماع ممنوع ہوگا۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں مستحاضہ عورت ہوں' میرا خون بہنا بند نہیں ہوتا اور کیا میں اس حالت میں نماز چھوڑ دوں؟ تو آپ نے فرمایا:

((لَا اِنَّمَا ذٰلِكَ دَمُ عِرْقٍ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ' فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضُ فَدَعِيَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي))[1]

''نہیں یہ رگ کا (جاری) خون ہے حیض نہیں ہے اور جب تمہارے حیض کے (معلوم) دن آجائیں (جن دنوں میں پہلے حیض آتا تھا) تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض والے دن گزر جائیں تو خون دھو کر (نہا کر) نماز پڑھو۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے استحاضہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا بلکہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ حیض کے دنوں کا اندازہ لگا کر صرف ان دنوں میں ہی نماز چھوڑے' چنانچہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عورت (مستحاضہ) اس بیماری کے ایام میں پاک رہتی ہے' جس طرح عام عورتیں حیض کے علاوہ دنوں میں تمام عبادات قائم رکھتی ہیں اسے بھی یہ عبادات قائم رکھنے کا حکم ہے۔

بلکہ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کا خاوند اس سے جماع کرسکتا ہے اور یہی قول سلف صالحین کے ایک گروہ کا ہے جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول محدث عبدالرزاق نے اپنی کتاب ''المصنف(۱۱۸۹)'' میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[2]

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الوضوء' باب غسل الدم (۲۲۸)صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب المستحاضة وغسلها وصلاتها(۳۳۳)]

[2] [اسکا راوی اجلح بن عبداللہ جمہور کے نزدیک ثقہ اور صدوق ہے۔ لہٰذا حسن الحدیث ہے۔ زبیر علی زئی]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا خاوند اپنی مستحاضہ بیوی سے جماع کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ جائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الام (۱/۵۰)'' میں اسے جائز قرار دیا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ہمارے نزدیک فیصلہ اسی پر ہے کہ اگر مستحاضہ نماز پڑھ سکتی ہے تو اس کا خاوند اس سے جماع بھی کر سکتا ہے''[1]

فقہ مالکی کی (غیر مستند) کتاب ''المدونۃ الکبریٰ (۱/۱۵۱)'' میں مستحاضہ کے بارے میں امام مالک کا یہ قول مذکور ہے کہ ''وہ نمازیں پڑھنا' روزے رکھنا جاری رکھے گی' اس کا خاوند بغیر کسی روک ٹوک کے اس سے جماع کرے گا مگر یہ کہ خون اتنی کثرت سے بہے کہ جس کی بنا پر یہ یقین ہو جائے کہ یہ حیض کا خون ہے استحاضہ کا نہیں۔''

یہی مذہب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا (ایک راوی) المیمونی کی روایت میں ہے۔[2]

اس طرح کی ایک اور بدعت بھی ہے جس میں وہ عورت جس کا بچہ حمل کے بعد اسی (۸۰) دنوں سے پہلے گر جائے وہ نماز اور ضروری عبادات ترک کر دیتی ہے' اس کا یہ گمان ہوتا ہے کہ اسے آنے والا خون نفاس کا خون ہے حالانکہ حقیقت میں یہ رگ والا خون ہوتا ہے' نفاس والا نہیں اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((اِنَّ اَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا، ثُمَّ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ))[3]

---

1. [المؤطا: ۱/ ۶۳]
2. [دیکھئے ''الروایتین والوجھین'' لابی یعلیٰ (۱/ ۱۰۳) اور ''الکافی'' لابن قدامۃ المقدسی (۱/ ۸۴)]
3. [صحیح بخاری' کتاب بدء الخلق' باب ذکر الملائکۃ صلوات اللہ علیہم (۳۲۰۸) صحیح مسلم' کتاب القدر' باب کیفیۃ خلق آدمی ...... الخ (۲۶۴۳)]

''تم میں سے ہر آدمی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن (بطور نطفہ) رہتا ہے' پھر اتنے دن ہی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے' پھر اتنے ہی دنوں تک گوشت (پوست) بن جاتا ہے۔''

بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر اسی (۸۰) دن سے پہلے اسے اسقاط حمل ہو جائے تو چونکہ ان دنوں میں آدمی کی خلقت واضح نہیں ہوتی لہٰذا یہ رگ کا (بہتا ہوا) خون ہے نفاس والا خون نہیں' پس اس کا حکم استحاضہ کا حکم ہے۔

شیخ ابن عثیمین نے یہی بات کہی ہے:

''نفاس کا خون صرف اس حالت میں ثابت ہوگا جب اسقاط شدہ بچے میں انسانی خلقت واضح ہو چکی ہو' اگر اس کا ایسا بچہ بطور اسقاط پیدا ہوا جس میں انسانی خلقت واضح نہیں ہے تو یہ دم نفاس نہیں ہے بلکہ رگ کا خون ہے۔ پس اس کا حکم مستحاضہ کا حکم ہوگا اور وہ مدت جس میں انسانی خلقت واضح ہو جاتی ہے اس کی کم از کم مقدار ابتدائے حمل کے بعد اسی (۸۰) دن اور زیادہ سے زیادہ نوے (۹۰) دن ہے۔''[1]

اسی سلسلہ کی ایک اور بدعت بھی ہے۔

نفاس والی عورت اگر چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو اس کا نماز نہ پڑھنا

یہ صحیح ہے کہ بعض احادیث میں نفاس کا وقت چالیس دن مقرر کیا گیا ہے مگر ان میں سے کوئی حدیث بھی صحیح یا حسن نہیں ہے۔[2]

نفاس کا وقت عورتوں کے تجربہ اور عرف عام کی بنیاد پر معلوم ہوتا ہے۔ عورتوں

---

[1] [فقه الدماء الطبيعية لا بن عثيمين: ۳۷]

[2] [چالیس دن اور رات انتظار والی روایت بلحاظ سند حسن ہے' اسے نووی نے حسن' حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے' دیکھئے سنن ابی داؤد' کتا ب الطهارة' باب ماجاء فی وقت النفساء (۳۱۱) و نيل المقصود (۱/ ۱۱۰' ۱۱۱)]

کے عرف عام میں یہ بھی ہوتا ہے کہ چالیس دنوں سے پہلے نفاس کا خون بند ہو جائے جس سے عورت پاک ہو جاتی ہے۔ پس جو عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو اس پر یہ ضروری ہے کہ فرض عبادات انجام دے اور اس کے لیے وہ سب کچھ جائز ہے جو پاک عورت کے لیے جائز ہوتا ہے' بلکہ اس بارے میں علماء کے دو متضاد اقوال میں اور صحیح ترین قول یہی ہے کہ ایسی عورت کے خاوند کے لیے ان دنوں میں اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے۔ اور دوسرا قول جس میں چالیس دنوں سے پہلے جماع سے منع کیا گیا ہے تو اس میں صرف احتیاط کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور جبکہ اس مسئلہ میں دلیل کے بغیر احتیاط جائز نہیں' کیونکہ خاوند کے لیے اصل یہ ہے کہ اپنی بیوی سے جماع جائز ہے' اس جائز کام کو حیض اور نفاس کے علاوہ جو شخص منع کرتا ہے تو اس پر یہ لازم ہے کہ دلیل پیش کرے۔ واللہ اعلم!



وضو اور اس کے اذکار کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

وضو کے سلسلے میں عوام الناس کی بدعات' سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ کا رحم ہوا ہے اور وہ ان بدعات سے بچے ہوئے ہیں۔

زبان کے ساتھ وضو کی نیت

بدعتی کہتا ہے" میں فلاں نماز کے لیے وضو کی نیت کرتا ہوں۔" یہ ایسی منکر بدعت ہے جس پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں اور نہ یہ عقل مند لوگوں کا کام ہے بلکہ اس فعل کا مرتکب صرف وسوسہ پرست' بیمار ذہن اور پاگل شخص ہی ہوتا ہے۔

میں اللہ کی قسم دیتے ہوئے آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ جب کھانے کا ارادہ کرتے ہیں تو کیا زبان سے نیت کرتے ہیں کہ میں فلاں فلاں قسم کے صبح کے کھانے کی نیت کرتا ہوں؟!

یا جب آپ قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہیں تو کیا یہ کہتے ہیں کہ میں پیشاب یا پاخانہ کرنے کی نیت کرتا ہوں؟

یا جب آپ اپنی بیوی سے جماع کا ارادہ کرتے ہیں تو کیا یہ کہتے ہیں کہ میں اپنی بیوی فلانہ بنت فلاں سے نکاح کے بعد جائز شرعی جماع کی نیت کرتا ہوں؟

ایسا کرنے والا شخص یقیناً پاگل اور مجنون ہی ہو سکتا ہے۔

تمام عقل مند انسانوں کا اس پر اجماع ہے کہ نیت کا مقام دل ہے زبان نہیں' کسی چیز کے بارے میں آپ کے ارادہ کو نیت کہتے ہیں جس کے لیے آپ کو زبان کے ساتھ نیت کے تکلف کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ایسے الفاظ کہنے کی ضرورت ہے جو آپ کے ہونے والے عمل کو واضح کریں۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَانَوٰی......))[1]

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو (مثلاً ثواب وعذاب) اس کی نیت کے مطابق ہی ملے گا۔''

یعنی اعمال وہی معتبر ہیں جن کی دل میں نیت اور عمل کے ساتھ تصدیق کی جائے۔ حدیث بالا کے باقی الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ زبان کے ساتھ (رٹے رٹائے) الفاظ کہنے کو نیت نہیں کہتے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ' وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ یَنْکِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ))[2]

''پس جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہی ہوگی اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لیے ہوگی (نہ کہ اللہ ورسول کے لیے)۔''

کسی شخص نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ جو شخص نکاح یا حصول دنیا مثلاً خرید و فروخت یا تجارت کے لیے اپنا گھر بار چھوڑے تو اس پر زبان سے نیت کرنا لازم ہے' بلکہ ایسے شخص کی نیت اس کے طرز عمل سے معلوم ہوتی ہے۔ اگر وہ شخص ان چیزوں میں زبان سے نیت کرنا شروع کردے تو عقل مند لوگ اسے پاگل اور مجنوں ہی قرار دیں گے۔

یہ بھی یاد رہے کہ عبادات میں اصل حرمت ہے یعنی کوئی عبادت بغیر شرعی دلیل

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الایمان' باب ماجاء ان الاعمال بالنیة والحسبة (۵۴)صحیح مسلم' کتاب الامارة' باب:قوله ﷺ انما الاعمال بالنیات (۱۹۰۷)]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الایمان' باب ماجاء ان الاعمال بالنیة والحسبة (۵۴)]

کے جائز نہیں بلکہ حرام ہے' اللہ آپ کو اور مجھے اتباع سنت پر قائم رکھے۔ عبادات میں یہ حرمت بغیر کسی صحیح شرعی دلیل کے جواز نہیں بن جاتی۔ زبان سے نیت کرنے والا شخص اگر اسے عبادت نہیں سمجھتا تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے عبادت سے منسلک کردے اور اگر وہ یہ رٹے رٹائے الفاظ بطور عبادت کہتا ہے تو اس پر یہ لازم ہے کہ اس فعل کے جواز پر شرعی دلیل پیش کرے اور حالانکہ اس کے پاس اس فعل پر سرے سے کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ وضو کے شروع میں ''میں نیت کرتا ہوں رفع حدث کے لیے یا نماز پڑھنے کے لیے'' وغیرہ الفاظ قطعاً نہیں کہتے تھے اور نہ آپ کے صحابہ کرام سے یہ بات ثابت ہے اور اس سلسلہ میں ایک حرف بھی آپ سے مروی نہیں' نہ صحیح سند سے اور نہ ضعیف سند سے۔''[1] (زادالمعاد: ۱/ ۱۹۶)

اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے علماء کے اقوال تفصیل سے ذکر کیے ہیں' علم کے ساتھ نیت انتہائی آسان ہے' یہ وسوسوں' خود ساختہ بندشوں اور نام نہاد زنجیروں کی محتاج نہیں ہے اور اسی لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ آدمی کو وسوسہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ فاتر العقل یا شریعت کے بارے میں جاہل ہوتا ہے۔

لوگوں نے اس بات کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا زبان سے نیت کرنا مستحب ہے؟

امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام احمد کے ساتھیوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مستحب ہے کیونکہ اس طرح بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

امام مالک اور امام احمد کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ ایسا کرنا مستحب نہیں بلکہ نیت کے لیے زبان سے الفاظ ادا کرنا بدعت ہے' کیونکہ نبی ﷺ'

---

[1] [اس سے مراد حنبلی مقلد ہونا نہیں ہے بلکہ یہ طریقہ استدلال اور شاگردی کی نسبتیں ہیں اور کئی شافعی کہلانے والے علماء نے اس کی وضاحت کی ہے کہ ''لسنا مقلدین للشافعی'']

آپ کے صحابہ کرام اور تابعین سے نماز' وضو یا روزوں میں یہ چیز قطعاً ثابت نہیں ہے۔ علماء یہ کہتے ہیں کہ کسی فعل کے بارے میں علم کے ساتھ ہی نیت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا زبان کے ساتھ رٹے رٹائے الفاظ پڑھنا ہوس پرستی' فضول اور ہذیان ہے۔

نیت انسان کے دل میں ہوتی ہے اور زبان کے ساتھ نیت کرنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نیت کا تعلق دل سے نہیں' اسی لیے وہ اپنی زبان سے نیت حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حاصل شدہ چیز کے حصول کی ہوس تحصیل حاصل کے زمرہ میں آتی ہے۔ اس مذکورہ غلط عقیدہ کی وجہ سے بہت سے لوگ ان وسوسوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔[1] امام ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''جامع العلوم (ص۴۰)'' میں فرماتے ہیں کہ ''ان مسائل میں کوئی خاص حوالہ ہم نہ سلف صالحین سے پاتے ہیں اور نہ کسی اور امام سے۔''

ان سطور کے تحریر کرنے کے بعد مجھے گمراہ بدعتوں کے ایک سردار اور سقاف اردن کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہ خبیث شخص ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے نیت کے تلفظ پر استدلال کرتا ہے' جس میں آیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کھانے کے بارے میں پوچھا اور انہوں نے کہا کہ کھانا موجود نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا میں روزہ رکھتا ہوں۔[2]

سقاف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام حج میں اس قول سے بھی استدلال کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

((لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجٍّ))[3]

''اے اللہ! میں حج اور عمرہ کے ساتھ لبیک کہہ رہا ہوں۔''

---

[1] [مجموع الفتاویٰ: ۱۸/ ۲۶۳' ۲۶۴]

[2] [صحیح مسلم' کتاب الحج' باب جواز صوم النافلة بنية من النهار قبل الزوال (۱۱۵۴)]

[3] [صحیح مسلم' کتاب الحج' باب احلال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهديه (۱۲۵۱)]

اور حالانکہ اس کا یہ استدلال مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔

اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نیت کے تلفظ پر استدلال غلط ہے کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حال اور کیفیت کی خبر دی ہے نہ کہ نیت کی، اگر آپ لفظی نیت کرتے تو اس طرح کہتے کہ ''میں روزے کی نیت کرتا ہوں'' یا اس کے مشابہ کوئی بات فرماتے۔ تلبیہ کے وقت آپ کا ((لبيك بعمرة و حج)) کہنا بھی لفظی نیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، ورنہ آپ یوں کہتے کہ ''میں عمرہ اور حج کا ارادہ کرتا ہوں'' یا ''میں حج اور عمرہ کی نیت کرتا ہوں۔'' ان الفاظ کا تعلق اس سنت نبوی سے ہے جو تلبیہ (لبیک کہنے) سے ہے نہ کہ لفظی نیت سے۔ حج اور عمرہ میں لفظی نیت کے بری اور مذموم بدعت ہونے پر دلیل حافظ ابن رجب کا وہ قول بھی ہے جو انہوں نے ''جامع العلوم (ص ۲۰)'' پر لکھا ہے:

> ''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو احرام کے وقت یہ کہتے سنا کہ میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں تو انہوں نے (ناراض ہو کر) اسے کہا کہ کیا تو لوگوں کو (اپنی نیت و ارادہ کے بارے میں) بتانا چاہتا ہے (کہ تو نیکی کا بڑا کام کر رہا ہے)؟ کیا اللہ تعالیٰ تیرے دل کے بھیدوں سے (بھی) واقف نہیں ہے؟''

تو ابن عمر کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ زبان کے ساتھ نیت کرنا مطلقاً مستحب نہیں ہے بلکہ یہ اصلاً جائز بھی نہیں ہے۔ واللہ الموفق۔

دوران وضو لمبی لمبی دعائیں پڑھنا

بعض لوگ ہر عضو کے دھونے پر لمبی لمبی دعائیں پڑھتے ہیں، تو لوگوں کو اس عمل سے ڈرانے، اس کے انتہائی کمزور اور من گھڑت ہونے کو ثابت کرنے کے لیے میں اس روایت کے الفاظ بھی ذکر کر رہا ہوں جو من گھڑت سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا برتن تھا تو آپ نے فرمایا:

((يَا اَنَسُ اُدْنُ مِنِّي اُعَلِّمْكَ مَقَادِيْرَ الْوُضُوْءِ))

''اے انس! میرے قریب ہو جاؤ میں تمہیں وضو کی دعائیں سکھاؤں۔''

میں آپ ﷺ کے قریب ہو گیا' آپ ﷺ نے جب ہاتھ دھوئے' فرمایا:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ' لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ))

جب استنجا کیا' فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ حَصِّنْ لِيْ فَرْجِيْ' وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ))

جب کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا تو کہا:

((اَللّٰهُمَّ لَقِّنِيْ حُجَّتِيْ وَلَا تَحْرِمْنِيْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ))

جب اپنا چہرہ دھویا تو فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِيْ يَوْمَ تَبْيَضُّ الْوُجُوْهُ))

جب کہنیوں تک ہاتھ دھو لیے تو کہا:

((اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِيَمِيْنِيْ))

جب سر کا مسح کیا تو فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ تَغَشَّنَا بِرَحْمَتِكَ وَجَنِّبْنَا عَذَابَكَ))

جب اپنے دونوں پاؤں دھوئے تو کہا:

((اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِيَّ يَوْمَ تَزُوْلُ فِيْهِ الْاَقْدَامُ))

پھر نبی ﷺ نے فرمایا:

''اے انس! اس ذات کی قسم ہے جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے جو آدمی بھی وضو کے دوران یہ دعائیں پڑھتا ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں سے جتنے قطرے گرتے ہیں ان کے بدلے اللہ تعالیٰ اتنے فرشتے پیدا کر دیتا ہے کہ ہر فرشتہ ستر زبانوں کے ساتھ اللہ کی تسبیح بیان کرتا رہتا ہے اور اسے اس بے شمار تسبیح کا ثواب قیامت کے دن ملے گا۔''

یہ حدیث جھوٹی اور من گھڑت ہے جسے رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دیا گیا

ہے۔فن حدیث کے ماہر علماء نے اس حدیث کا انکار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن الصلاح رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس بارے میں کوئی حدیث بھی ثابت نہیں ہے۔ (التلخيص الحبير: ۱/ ۱۱۰)

امام نووی نے کہا: ''اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔'' (المجموع شرح المهذب ۱/ ۴۸۹)

اور انہوں نے اپنی دوسری کتاب میں فرمایا کہ

''اعضائے وضو پر دعا کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی (باسند) حدیث نہیں آئی ہے۔'' (الاذكار: ص ۵۷)

شیخ الاسلام ابن القیم نے اپنی کتاب میں کہا:

''اعضائے وضو پر ذکر (اور دعاؤں) والی تمام احادیث باطل ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے۔'' (المنار المنيف: ص ۱۲۰)

اور مزید کہا:

''وضو کے دوران اذکار (اور دعاؤں) والی ہر حدیث جھوٹی اور من گھڑت ہے، ان میں سے کوئی بات بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی اور نہ اپنی امت کو اس کی تعلیم دی ہے۔'' (زاد المعاد: ۱/ ۱۹۵)

اور جبکہ وضو کے بارے میں سنت یہ ہے کہ شروع میں ''بسم اللہ'' پڑھی جائے۔[۱]

اور اس کے اختتام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ ذکر پڑھیں:

((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ))[۲]

---

۱ [صحيح، سنن نسائی، كتاب الطهارة، باب التسمية عندالوضوء (۷۸) جس حدیث میں ہے، بسم اللہ کے بغیر وضو نہیں ہوتا وہ بھی بلحاظ سند حسن لذاتہ ہے۔ دیکھئے تسهيل الحاجز في تخريج سنن ابن ماجه (۳۹۷)]

۲ [صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب: الذكر المستحب عقب الوضوء (۲۳۴)]

وضو کی بدعات میں سے بعض لوگوں کا قول ''زمزم'' بھی ہے

بعض لوگ لفظ ''زمزم'' وضو کے شروع میں یا آخر میں پڑھتے ہیں' یہ عوام کی ان بدعات سے ہے جس کے بارے میں نہ کوئی صحیح حدیث مروی ہے اور نہ کوئی ضعیف' نہ کسی صحابی کے فعل سے اس کی تائید ہوتی ہے' نہ کسی تابعی کے قول سے اور نہ ہی کسی قابل ذکر عالم یا مستند امام نے اس کے بارے میں اشارہ کیا ہے۔

ان بدعات سے گردن کا مسح کرنا بھی ہے

بہت سے لوگ اس کام پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اسے فرض یا سنت مؤکدہ سمجھتے ہیں' حالانکہ یہ صرف ایک بری اور خود ساختہ بدعت ہے۔ نبی ﷺ سے وضو میں گردن کا الٹے ہاتھوں سے مسح قطعاً ثابت نہیں ہے اور نہ آپ کے کسی صحابی سے یہ عمل ثابت ہے اور نہ کسی قابل اعتماد عالم سے یہ بات ثابت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''نبی ﷺ سے وضو میں گردن کا مسح ثابت نہیں ہے اور نہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی ہے' بلکہ وضو کی صحیح احادیث میں گردن کے مسح کا کوئی ذکر نہیں' اسی لیے اسے جمہور علماء نے (مثلاً امام مالک' شافعی اور احمد نے اپنے ظاہر مذہب میں) مستحب نہیں کہا اور جس نے اسے مستحب کہا ہے اس کی دلیل وہ اثر ہے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یا وہ ضعیف حدیث ہے جس میں سر کے مسح کے ساتھ گردن تک کے مسح کا ذکر ہے تو ایسی روایات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ جو عمل صحیح احادیث سے ثابت ہے اس کا معارضہ ایسی روایات سے کرنا صحیح نہیں ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے وضو میں گردن کا مسح نہ کیا تو اس کا وضو بالاتفاق صحیح ہے۔'' (الفتاوی الکبریٰ: ۱/ ۵۶)

ابن القیم میں لکھتے ہیں کہ

''گردن کے مسح کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔''

(زادالمعاد: ۱/ ۱۹۵)

اور ''المنار المنیف (ص ۱۳۰)'' میں فرماتے ہیں:

''اور اسی طرح دوران وضو گردن کے مسح کی حدیث باطل ہے۔''

امام نووی وغیرہ نے گردن کے مسح کو بدعت اور مسح والی حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ جو لوگ گردن کے مسح کے جواز کے قائل ہیں ان کا اعتماد ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث پر ہے جس میں آیا ہے کہ انہوں نے وضو کے دوران گردن پر مسح کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عُنُقَهُ، لَمْ يُغَلَّ بِالْأَغْلَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جس نے وضو کیا اور گردن کا مسح کیا اسے قیامت کے دن طوق نہیں پہنایا جائے گا۔''

اسے ابونعیم اصبہانی نے اپنی کتاب ''اخبار اصبھان (۲/ ۱۱۵)'' میں درج ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حدثنا محمد بن احمد بن محمد حدثنا عبدالرحمن بن داؤد حدثنا عثمان بن خرازاد حدثنا عمرو بن محمد بن الحسن المکتب حدثنا محمد بن عمرو بن عبید الانصاری عن انس بن سیرین عن ابن عمر به۔

ابن عراق نے اپنی کتاب ''تنزیه الشریعة (۲/ ۷۵)'' میں کہا ہے کہ

''اس حدیث کا ایک راوی، ابونعیم کا استاد ابوبکر المفید ہے اور اس کا وجود ہی اس روایت کے مردود ہونے کے لیے کافی ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ ابوبکر المفید وضع حدیث کے ساتھ متہم ہے جیسا کہ میزان الاعتدال لذھبی (۳/ ۴۶۰، ۴۶۱) اور لسان المیزان لابن حجر (۵/ ۵۳) میں لکھا ہوا ہے۔

اس کا دوسرا راوی محمد بن عمرو بن عبید الانصاری ہے کہ جسے یحییٰ القطان اور یحییٰ بن معین نے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن نمیر نے کہا ہے، وہ کسی چیز کے برابر نہیں

ہے۔

اور المکتب غالبًا وہ راوی ہے جس کے بارے میں امام دارقطنی فرماتے ہیں ''منکر الحدیث'' یعنی وہ منکر احادیث بیان کرتا تھا۔ (تاریخ بغداد للخطیب : ۱۲/ ۲۰۴)

اس روایت کی ایک دوسری سند فلیح بن سلیمان عن نافع عن ابن عمر مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ بِيَدَيْهِ عَلٰى عُنُقِهٖ وُقِيَ الْغُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جس نے وضو کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن کا مسح کیا تو قیامت کے دن طوق (اور زنجیریں) پہنائے جانے سے بچ جائے گا۔''

اسے الرویانی نے ''البحر'' میں ذکر کیا ہے جیسا کہ ''التلخیص الحبیر (۱/ ۱۰۴)'' میں لکھا ہوا ہے۔ الرویانی نے ابوالحسین بن فارس کے (منسوب) جزء میں پڑھا ہے اور ابن فارس نے اپنی (نامعلوم) سند سے یہ حدیث فلیح سے بیان کی ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا' ابن فارس اور فلیح کے درمیان سند موجود نہیں ہے جس کی تحقیق کی جائے' یعنی یہ روایت بلا سند ہے' لہٰذا مردود ہے۔

میں کہتا ہوں کہ فلیح کے حافظہ میں کمزوری ہے۔[1]

اس روایت کو شوکانی نے ''نیل الاوطار (۱/ ۲۴۶)'' میں احمد بن عیسیٰ کی ''امالی'' اور ''شرح التجرید'' سے منسوب کیا ہے لیکن ان کی سند کا دارومدار الحسین بن علوان عن ابی خالد الواسطی پر ہے اور اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

((مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ سَالِفَتَيْهِ وَقَفَاهُ اَمِنَ مِنَ الْغُلِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جس نے وضو کیا اور اپنی گردن کے دونوں طرف اور گدی کا مسح کیا تو وہ قیامت کے دن طوق سے بچ جائے گا۔''

اس کا راوی الحسین بن علوان کذاب اور احادیث گھڑنے والا ہے۔ ابن معین اور

---

1 [راجح یہی ہے کہ فلیح بن سلیمان حسن الحدیث ہے' یاد رہے کہ وہ روایت مذکورہ ... ہے۔ زبیر علی زئی]

نسائی نے اسے ''کذاب'' کہا۔ صالح جزرہ نے کہا وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔

ابو خالد الواسطی عمرو بن خالد القرشی ہے' اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا کہ ''یہ متروک ہے' اسے وکیع نے کذاب کہا ہے۔''[1] (تقریب التهذیب: ۲/ ۶۹)

ایک اور روایت میں نبی ﷺ سے مروی ہے کہ گردن کا مسح طوق سے امان ہے۔

امام نووی نے کہا کہ

''یہ موضوع ہے اور نبی ﷺ کا کلام نہیں ہے۔''[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''التلخیص الحبیر (۱/ ۱۰۳' ح۹۷)'' میں لکھتے ہیں کہ

''اس حدیث کو ابو محمد الجوینی (امام الحرمین) نے ذکر کر کے کہا ہے کہ محدثین کرام اس روایت کی سند سے راضی نہیں ہیں' لہٰذا اس فعل کے بارے میں یہ تردد ہے کہ یہ سنت ہے یا ادب؟

اس بات پر تعاقب کرتے ہوئے امام نے کہا' اس روایت کے حکم کے بارے میں کوئی تردد نہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ قاضی ابو الطیب نے کہا اس بارے میں کوئی سنت ثابت نہیں ہے اور تقریباً یہی بات قاضی حسین اور الفورانی نے کہی ہے۔ اور جب یہ حدیث غزالی نے ''الوسیط'' میں ذکر کی تو ابن الصلاح نے رد کرتے ہوئے کہا کہ

''یہ حدیث نبی ﷺ سے (با سند صحیح یا حسن) معلوم نہیں ہے بلکہ یہ بعض علمائے سلف کا قول ہے۔''

بعض علمائے سلف کے قول سے ابن الصلاح کی مراد غالباً اس روایت سے ہے جسے ابو عبید القاسم بن سلام نے کتاب ''الطھور'' میں عبدالرحمٰن بن مہدی عن المسعودی عن القاسم بن عبدالرحمٰن عن موسیٰ بن طلحہ سے روایت کیا ہے:

((مَنْ مَسَحَ قَفَاهُ مَعَ رَأْسِهٖ وُقِيَ الْغُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جس نے سر کے ساتھ اپنی گدی کا مسح کیا تو وہ قیامت کے دن طوق پہنائے جانے سے بچ جائے گا۔''

---

[1] [المجموع شرح المهذب: ۱/ ۴۸۹]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کا احتمال ہے کہ اگرچہ یہ موقوف (بلکہ مقطوع) ہے لیکن اس کا حکم مرفوع حدیث کا حکم ہے کیونکہ ایسی بات کا تعلق رائے سے نہیں ہے' لہٰذا یہ روایت مرسل ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ مقطوع روایت ابو عبید نے "الطہور (۳۸۶)" نقل کی ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے' کیونکہ المسعودی کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہوگیا تھا ابن مہدی کا اس سے سماع آخری زمانے کا ہے اور اس روایت میں اضطراب بھی ہے۔ ابو عبید نے حجاج سے' اس نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے اس کا قول بیان کیا ہے کہ حجاج نے کہا: "مجھے اس روایت میں موسیٰ بن طلحہ کا نام یاد نہیں ہے۔" لہٰذا اس قول کی سلف صالحین سے نسبت صحیح نہیں ہے۔

امام بیہقی نے "السنن الکبریٰ (۱/ ۶۰)" میں نقل کیا ہے کہ جو روایت "ابو اسرائیل عن فضیل بن عمرو عن مجاہد عن ابن عمر کی سند سے ہے کہ عبداللہ بن عمر سر کے مسح کے ساتھ گدی کا مسح بھی کرتے تھے وہ ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کا راوی ابو اسرائیل اسماعیل بن خلیفہ الملائی ضعیف الحدیث ہے' یہ صحابہ کو گالیاں دیتا تھا اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو رسوا کرے جو صحابہ کو گالیاں دیتا ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ وضو میں گردن کا مسح مستحب ہے' لیکن ابن الرفعۃ کہتے ہیں کہ ان کے پاس اس کے مستحب ہونے پر کوئی حدیث یا کسی صحابی کا قول تک بھی نہیں ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ جس میں قیاس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

ابن الرافعۃ پر تعاقب کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"ہوسکتا ہے گردن کے مسح کو مستحب کہنے میں بغوی کی دلیل وہ حدیث ہو جسے احمد ابن حنبل رحمہ اللہ اور ابو داؤد رحمہ اللہ نے لیث بن ابن سلیم عن طلحہ رحمہ اللہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سر کا مسح کیا حتیٰ کہ آپ گدی اور گردن تک جا پہنچے' لیکن یاد رہے کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔"

اس کا راوی مصرف بن کعب بن عمرو جو کہ ابن عمرو بن کعب کے نام سے پہچانا جاتا ہے وہ مجہول ہے۔ (تقریب: ۲/ ۵۲۱) اور لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شوکانی کا ''نیل الاوطار (۱/ ۲۴۶)'' میں یہ قول کہ

''اس سے معلوم ہوا کہ نووی کا قول' گردن کا مسح بدعت ہے اور اس کی حدیث موضوع اور باطل ہے۔''

یہ قول بذات خود باطل ہے کیونکہ اس سلسلہ کی تمام روایات جو کہ ذکر کی جا چکی ہیں وہ باطل یا مردود ہیں۔[1] واللہ اعلم!

وضو کی خبیث ترین بدعات میں جرابوں پر مسح میں تنگی اور انکار ہے

بہت سے لوگ طہارت اور وضو کے بعد پہنی ہوئی جرابوں پر مسح کرنے میں سخت حرج محسوس کرتے ہیں حالانکہ بعض سلف صالحین کے نزدیک جرابیں موزوں کے قائم مقام ہیں۔

ہم نے اسے اس لیے خبیث ترین بدعت کہا ہے کیونکہ اس سے رسول اللہ ﷺ سے مروی اُس صحیح حدیث کی مخالفت ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے جرابوں پر مسح کیا تھا۔ اسی طرح اس بدعت سے جماعت صحابہ سے ثابت شدہ اس بات کی بھی مخالفت ہوتی ہے کہ وہ جرابوں کو موزوں کے قائم مقام سمجھتے اور ان پر مسح کرتے تھے۔

اب اس بات کی تفصیل سنیں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ

''نبی ﷺ نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔''[2]

---

[1] [یاد رہے کہ ان ضعیف روایات کا تعلق سر اور کانوں کے مسح کے ساتھ گردن پر مسح کرنے سے ہے' رہا بعض لوگوں کا سر اور کانوں کے مسح کے بعد الٹے ہاتھوں سے گردن کا مسح کرنا تو اس پر کوئی ضعیف روایت بھی موجود نہیں ہے۔]

[2] [صحیح' ابوداؤد' کتاب الطهارة' باب المسح علی الجوربین (۱۵۹) اس میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور عن سے بیان کر رہے ہیں لیکن یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے' خاص طور پر جب اجماع صحابہ بھی اس کا مؤید ہے تو صحیح ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟]

یہ حدیث صحیح و ثابت ہے اسے ابن حزم نے صحیح کہا۔ حافظ اسماعیلی نے فرمایا کہ اس کی سند بخاری کی شرط پر صحیح ہے' لہٰذا امام بخاری کو یہ چاہیے تھا کہ صحیح بخاری میں درج کرتے۔ (النکت الظراف لابن حجر ۸/ ۴۹۳)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے "زاد المعاد (۱/ ۱۹۹)" میں کہا:

"اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا ہے۔" یہ قول اس کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک مغیرۃ بن شعبہ کی حدیث صحیح ہے۔

صحابہ کے اس مسئلہ میں بے شمار آثار ہیں۔

ابن المنذر رالنیسابوری نے "الاوسط (۱/ ۴۶۴)" میں امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ "سات یا آٹھ صحابہ کرام نے جرابوں پر مسح کیا ہے۔"

ان جلیل القدر صحابہ کرام میں سے بعض کی روایات درج ذیل ہیں۔

۱ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

عمرو بن حریث نے کہا' میں نے دیکھا' علی نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا' اسے ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۸۹) اور ابن المنذر (الاوسط: ۱/ ۴۶۲) نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

۲ البراء بن عازب

مصنف عبدالرزاق (۷۷۸) مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۸۹) الاوسط لابن المنذر(۱/ ۴۶۳) اور السنن الکبریٰ للبیهقی(۱/ ۲۸۵) میں "الاعمش عن اسماعیل بن رجاء عن رجاء بن ربیعه الزبیدی" کی سند سے مروی ہے کہ میں (رجاء) نے دیکھا براء رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا' اس کی سند حسن ہے۔

۳ انس بن مالک رضی اللہ عنہ

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک انس جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ (ابن ابی

شیبہ: ۱/ ۱۸۸۔ الاوسط: ۱/ ۴۶۴۔ المعجم الکبیر للطبرانی: ۱/ ۲۴۴) اس کی سند صحیح ہے۔ (قتادہ مدلس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں۔)

ابومسعود رضی اللہ عنہ

عبدالرزاق (۷۷۷) اور ابن المنذر نے الاعمش عن ابراھیم عن ھمام بن الحارث عن ابن مسعود کی سند سے روایت کیا ہے کہ ابومسعود جرابوں پر مسح کرتے تھے' اس کی سند صحیح ہے۔

ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ

ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر (۱/۴۶۳) نے حماد بن سلمہ عن ابی غالب والی حسن سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ میں (ابو غالب) نے ابوامامہ کو جرابوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ابن ابی شیبہ (۱/۱۹۰) نے حسن سند کے ساتھ نافع مولیٰ ابن عمر سے اور صحیح سند کے ساتھ ابراہیم النخعی سے نقل کیا کہ جرابیں موزوں کے حکم میں ہیں اور یہی قول احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے' اور اسے ہی ابن المنذر نے عطاء' سعید بن المسیب' ابراھیم نخعی' سعید بن جبیر' الاعمش' سفیان ثوری' حسن بن صالح' ابن المبارک' زفر بن الھذیل اور اسحق بن راھویہ سے نقل کیا ہے۔ (۱/۴۶۵)



جرابوں اور موزوں پر مسح کی دوسری بدعات

(۱) ظاہر اور باطن (اوپر اور نیچے) مسح کرنا

یہ بات نبی ﷺ سے ثابت شدہ سنت کے خلاف ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''آپ ﷺ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے۔ آپ سے صحیح سند کے ساتھ موزوں کے نیچے مسح کرنا ثابت نہیں ہے اور اس بارے میں جو حدیث آئی ہے اس کی سند منقطع ہے اور یہ روایت صحیح احادیث کے مخالف بھی ہے۔'' (زاد المعاد: ۱/ ۱۹۹)

یہی بات مغیرہ کی جرابوں پر مسح والی حدیث میں آئی ہے۔

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

((رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَالَ ثُم تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْهِ))[1]

''میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ نے پیشاب کیا' پھر وضو کیا اور اپنے موزوں کے اوپر مسح کیا۔''

''علٰی'' کا ظاہر مفہوم ''اوپر'' ہے' لہٰذا اس حدیث سے جراب یا موزہ کے اوپر مسح کرنے کا ثبوت واضح ہوتا ہے۔ البتہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ وہ اپنے موزوں یا جرابوں پر اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اوپر نیچے صرف ایک دفعہ مسح کرتے تھے۔ (الاوسط لابن المنذر: ۱/ ۴۵۲۔ اس کی سند صحیح ہے)

یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد ہے جو کہ نبی ﷺ کی صحیح و ثابت سنت کے مخالف

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الصلوٰۃ' باب الصلوٰۃ فی الخفاف (۳۸۷) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب المسح علی الخفین (۲۷۲)]

ہے اور غالبًا یہ اسی پر ہی محمول ہے کہ انہیں درج بالا حدیث نہیں پہنچی تھی اور یہ مسئلہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ بعض ایسی احادیث ہیں جو بعض صحابہ کو اگر معلوم تھیں تو دوسروں کو ان کا علم ہی نہیں تھا' اس لیے اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ بعض روایات میں یہ صراحت بھی آئی ہے کہ نبی ﷺ موزوں پر نیچے کے بجائے صرف اوپر ہی مسح کرتے تھے لیکن یہ تمام روایات بلحاظ سند ضعیف ہیں۔ اور ہم انہیں یہاں دو وجہ سے ذکر کر رہے ہیں:-

① ان کا ضعیف ہونا واضح کر دیں۔

② کوئی یہ نہ کہہ دے کہ جناب آپ سے اس مقام پر ایسی صحیح احادیث رہ گئی ہیں جو آپ کے قول کی واضح دلیل ہیں۔ توفیق دینا اللہ ہی کا فضل و کرم ہے۔

موزوں پر مسح کی احادیث بلحاظ مسح عام ہیں' نیچے یا اوپر مسح کی صراحت کے ساتھ صرف تین احادیث مروی ہیں۔

❶ الفضل بن مبشر نے کہا میں نے دیکھا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے وضو کیا آپ نے صرف ایک دفعہ ہی موزوں کے اوپر مسح کیا پھر اس وضو کی حالت میں جتنی نمازیں آئیں ساری نمازیں نئے وضو کے بغیر پڑھیں اور فرمایا کہ

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور میں اسی طرح کر رہا ہوں جیسا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا۔''

(الاوسط لابن المنذر: ۱/ ۴۵۴)

یہ روایت مسح کے ذکر کے بغیر سنن ابن ماجہ (۵۱۱) میں بھی موجود ہے۔
اس روایت کا راوی فضل بن مبشر محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

❷ عبدالرحمٰن بن ابی الزناد نے اپنے والد سے' اس نے عروہ بن الزبیر سے اور اس نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا نبی ﷺ موزوں کے ظاہر پر (یعنی اوپر) مسح کر رہے تھے۔

امام ترمذی نے کہا یہ روایت عبدالرحمٰن کے علاوہ کسی اور نے بیان نہیں کی ہے۔

یعنی اس کلام سے امام ترمذی نے عبدالرحمٰن کی زیادت کے منکر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بات وہی ہے جو امام ترمذی نے کہی ہے کیونکہ ابن ابی الزناد کے حافظہ میں (محدثین کا) کلام ہے۔[1] لہٰذا ایسے راوی کی زیادت مذکورہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ محفوظ یہی ہے، مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ظاہر اور اوپر کے الفاظ نہیں ہیں۔

۳ علی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ موزوں کے اوپر مسح کر رہے تھے۔ (سنن ابی داؤد: ۱۶۲، ۱۶۴)

اس کا راوی ابو اسحاق السبیعی مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے۔

اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ "نبی ﷺ نے موزے کے نیچے اور اوپر (دونوں جگہوں پر) مسح کیا ہے۔" (سنن ابی داؤد: ۱۶۵۔ سنن ترمذی: ۹۷۔ سنن ابن ماجه: ۵۵۰۔ الاوسط لابن المنذر: ۱/ ۴۵۳، ۴۵۴)

امام ترمذی نے کہا:

"یہ حدیث معلول (یعنی ضعیف) ہے، اسے ولید بن مسلم کے علاوہ کسی دوسرے نے ثور بن یزید سے مسنداً روایت نہیں کیا۔ ابوزرعہ اور امام بخاری دونوں کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ یہی روایت عبداللہ بن المبارک نے ثور عن رجاء بن حیوۃ قال حدثت عن کاتب المغیرۃ مرسلاً بیان کی ہے اور اس میں مغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔"

امام ابو داؤد نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی ایک اور علت (دلیل) بھی بیان کی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ثور نے یہ روایت رجاء بن حیوہ سے نہیں سنی تھی۔

ابن المنذر نے امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے۔

---

[1] [عبدالرحمان بن ابی الزناد کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ سلیمان بن داؤد الہاشمی کی روایت میں صحیح الحدیث اور دوسرے شاگردوں کی روایت میں حسن الحدیث ہے۔ دیکھئے میری کتاب نور العینین ص۸۳، ۸۴۔ زبیر علی زئی۔ لہٰذا اس کی سند پر جرح صحیح نہیں ہے۔]

(۲) موزوں یا جرابوں پر ایک سے زیادہ بار مسح کرنا

مسنون یہی ہے کہ موزوں پر ایک ہی دفعہ مسح کیا جائے اور آپ ﷺ سے ایک سے زیادہ مرتبہ مسح کرنا ثابت نہیں ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ وہ ایک دفعہ ہی مسح کرتے تھے جیسا کہ گزر چکا ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مسح دھونے کے خلاف عمل ہے کیونکہ دھونے میں خوب صفائی مقصود ہوتی ہے جو کہ مسح میں مطلوب نہیں' اس لیے بار بار دھونے کی طرح بار بار مسح صحیح نہیں ہے۔

(۳) موزے یا جرابیں اتار کر (خواہ مخواہ) پاؤں کا دھونا۔

بعض لوگ اپنے آپ کو خود ساختہ مشقت میں مبتلا کر کے جہل مرکب کے مرتکب بن جاتے ہیں۔ پہلے یہ صحیح حدیث گزر چکی ہے کہ

''بے شک اللہ تعالیٰ یہ (اسی طرح) پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح کہ وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔''

وہ عبادات جن میں دونوں صورتیں جائز ہوں ان میں بے جا تکلفات سے منع کیا گیا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ))[1]

''ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے۔''

ابن القیم نے ''زاد المعاد (۱/۱۹۹)'' میں کہا کہ

''نبی ﷺ (جرابوں اور موزوں وغیرہ میں) اپنے حال کے خلاف بے جا تکلف نہیں کرتے تھے بلکہ اگر آپ کے پاؤں میں موزے ہوتے تو اتارنے کے بغیر ہی ان پر مسح کر لیتے اور اگر آپ کے پاؤں ننگے ہوتے تو انہیں دھو لیتے۔ اس مسئلہ میں کہ مسح افضل ہے یا دھونا' تو اس میں یہی قول سب سے زیادہ راجح ہے کہ اگر پاؤں ننگے ہوں تو

[1] صحیح بخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ' باب مایکرہ من کثرۃ السوال [(۷۲۹۳)]

دھولے اور اگر موزے یا جرابیں ہوں تو مسح کر لے اور یہی بات ہمارے استاد (امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے فرمائی ہے۔''

میرے ساتھ طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں ایک عجیب حادثہ رونما ہوا۔ میں بری (خشکی کے) راستے سے اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ کویت سے عمرہ ادا کرنے کے لیے چلا اور سردی اتنی شدید تھی کہ درجہ حرارت صفر سنٹی گریڈ تک گر جاتا تھا' میں نے ایک اعلان کرنے والے کو یہ اعلان کرتے سنا کہ ''اپنی جرابیں اتار دو اور عزیمت پر عمل کرتے ہوئے اپنے پاؤں دھولو۔'' مجھے تعجب ہوا کہ شیطان نے کس طرح اس کمزور اور فاسد ارادے کو اس شخص کے دل میں ڈال رکھا ہے' جس کی بنا پر وہ اسے رسول اللہ ﷺ کی سنت پر بھی مقدم کر رہا ہے' صرف یہی نہیں بلکہ وہ دوسروں کو اس کی دعوت بھی دے رہا ہے جن بے چاروں کو ان مسائل کا کوئی علم نہیں اور ان کے نزدیک رخصت اور عزیمت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم لوگوں کے اس طرز عمل کی شکایت اللہ تعالیٰ ہی سے کرتے ہیں۔

(۴) پھٹی ہوئی جراب یا موزے پر مسح نہ کرنا

لوگوں کا یہ طرز عمل سلف صالحین اور محقق علماء کے خلاف ہے۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں ''اس وقت تک مسح کرتے رہو جب تک وہ (موزے) تیرے پاؤں سے لٹکے رہیں' کیا تجھے معلوم نہیں کہ مہاجرین اور انصار کے موزے پھٹے ہوئے ہی ہوتے تھے۔'' (مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۱۹۴۔ اس کی سند صحیح ہے)

اسی بات کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ

''دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ لفافوں پر مسح جائز ہے' اسے ابن قیم رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور پھٹے ہوئے موزے پر اس وقت تک مسح جائز ہے جب تک کہ اسے موزہ کہا جائے اور اس میں چلنا ممکن ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قدیم فتویٰ ہے۔ اور ابوالبرکات وغیرہ علماء نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔'' (الاختیارات العلمیة: ۴/ ۳۹۰)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وضو کے بعد اعضائے وضو کو خشک نہ کرنا مسنون ہے

بعض لوگ اس سلسلے میں ابن قیم رحمہ اللہ کے قول کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے بعد اپنے اعضائے وضو کو خشک نہیں کرتے تھے' اس بارے میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے۔''

(زاد المعاد :١/ ١٩٥)

یہ تسلیم ہے کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ بہت بڑے محقق امام تھے لیکن اصول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص کی بات قبول بھی ہوسکتی ہے اور رد بھی' اور محققین کے نزدیک حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے مذکورہ قول میں نظر ہے' اس لیے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اس فعل کا جواز مروی ہے' جسے ابن ماجہ (۴۶۸' ۳۵۶۴) نے محفوظ بن علقمہ عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا' آپ نے اپنا اونی جبہ الٹا کیا' پھر اس کے ساتھ اپنا منہ مبارک صاف کیا۔''

بوصیری نے ''مصباح الزجاجۃ(١/ ١٢٠)'' میں لکھا ہے کہ

''اس کی سند صحیح ہے' اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن محفوظ کے سلمان سے سماع میں نظر ہے۔''

حالانکہ میرے علم کے مطابق کسی نے بھی محفوظ کی سلمان سے روایت کو منقطع نہیں کہا سوائے امام مزی رحمہ اللہ کے' انہوں نے ''تھذیب الکمال'' میں لکھا ہے کہ ''یہ کہا جاتا ہے کہ محفوظ کی سلمان فارسی سے روایت مرسل ہے۔'' مزی رحمہ اللہ نے یہ بات صیغہ عریض سے کہی ہے گویا ان کے نزدیک بھی یہ قول ثابت نہیں ہے کیونکہ اس قول پر کوئی دلیل ہے ہی نہیں اور نہ کسی فن حدیث کے امام نے ایسا کلام کیا ہے۔[1] اس کے جواز پر

---

[1] [چونکہ محفوظ کی سلمان سے ملاقات ثابت نہیں ہے لہٰذا راقم الحروف کی تحقیق میں یہ روایت ضعیف ہے۔ واللہ اعلم]

دیگر احادیث بھی ہیں مگر ان میں سے ایک بھی حدیث ثابت نہیں ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ سے اس باب میں کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے۔'' (سنن ترمذی :٥٣) ترمذی کا یہ بیان اگر انقطاع کی وجہ سے ہے تو فبہا ورنہ قابل سماعت نہیں ہے۔

رہا ابن قیم رحمہ اللہ کا یہ قول کہ'' بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے'' تو اس کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''وضو کے بعد نبی ﷺ کے پاس رومال لایا گیا تو آپ نے اسے ہاتھ نہیں لگایا اور اپنے ہاتھوں سے وضو کا پانی جھاڑتے رہے۔''[1]

حالانکہ اس حدیث کا تعلق غسل کے ساتھ ہے وضو کے ساتھ نہیں اور اگر وضو سے بھی ہوتا تو یہ ممانعت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں حافظ ابن المنذر فرماتے ہیں کہ

> ''یہ حدیث ممانعت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ آپ نے کسی کپڑے سے اعضائے وضو صاف کرنے سے منع نہیں کیا اور آپ بسا اوقات ایسے مباح کام چھوڑ دیتے تھے جن سے امت کی مشقت کا ڈر ہوتا۔'' (الاوسط: ١/ ٤١٩)

ابن المنذر کا یہ کتنا بہترین کلام ہے' تقریباً اسی جیسا کلام امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ثابت ہے' عبداللہ بن احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ'' میں نے اپنے ابا سے پوچھا کہ کیا وضو کے بعد رومال (اور تولیہ وغیرہ) استعمال کر سکتے ہیں؟ فرمایا' جی ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں ہے' میں نے کہا' میمونہ رضی اللہ عنہا والی حدیث (کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے)؟ تو فرمایا کہ یہ روایت (ممانعت پر) واضح (دلیل) نہیں ہے۔''

عبداللہ کہتے ہیں کہ'' میں نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ میرے ابا جان (امام احمد ابن حنبل) وضو کے بعد رومال یا کپڑے سے اپنے اعضاء خشک کرتے تھے۔''

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الغسل' باب نفض الیدین من الغسل عن الجنابة (٢٧٦)صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب صفة غسل الجنابة (٣١٧)]

(مسائل عبداللہ: ۱۰۵)

بعض علماء نے اسے جو مکروہ کہا ہے تو اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور جبکہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث اور انس رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے جواز کی دلیل ہے۔

وضو کے پانی میں اسراف۔

یہ پرانی بدعت ہے جس سے صرف وہی لوگ بچتے ہیں جن پر اللہ کا خاص رحم و کرم ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ وضو اور تمام عبادات کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی بہترین اور کامل طریقہ ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے پانی میں مکمل کفایت شعاری سے کام لیتے تھے' ایک ''مد'' یا اس سے کچھ کم سے وضو فرماتے تھے۔

سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع (تقریباً ڈھائی کلو پانی) کے ساتھ غسل جنابت اور ایک مد (تقریباً چوتھائی صاع) سے وضو کرتے تھے۔''[1]

ام عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا' آپ کے پاس پانی کا جو برتن تھا اس میں تقریباً دو تہائی مد پانی تھا۔''[2]

مد اتنا ہوتا ہے کہ اس سے آدمی کی دونوں ہتھیلیاں بھر جائیں۔ بتائیں ہمارے زمانے میں ایسا کون شخص ہے جو اتنے پانی سے وضو کرتا ہو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں کہ

''انسان کے کم عقل ہونے کی یہ دلیل ہے کہ وہ وضو میں بہت زیادہ پانی استعمال کرتا ہے۔''

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الوضوء' باب الوضوء بالمد (۲۰۱) صحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة (۳۲۵)]

[2] [ابو داؤد (۹۴) نسائی (۱/ ۵۸) سند صحیح]

امام احمد کے شاگرد المیمونی نے کہا کہ ''میں وضو میں بہت زیادہ پانی استعمال کرتا تھا تو امام احمد نے مجھے بطور انکار کہا' کیا تو ایسا طرز عمل روا رکھتا ہے؟ یعنی وسوسوں میں مبتلا ہے؟ تو میں نے یہ طرز عمل چھوڑ دیا۔'' (اغاثة اللهفان لابن القيم :١/ ١٦١)

بغیر کسی ضرورت کے دوبارہ وضو کرنا

اس عمل کے مستحب ہونے کے بارے میں بعض لوگ ایسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کی کوئی اصل نہیں ہے' اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ

((اَلْوُضُوْءُ عَلَى الْوُضُوْءِ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ))

''وضو پر وضو کرنا نور پر نور ہے۔''

محدث عراقی کہتے ہیں: ''مجھے اس روایت کی اصل نہیں ملی۔'' ان سے پہلے یہی بات امام منذری نے کہی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ''اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے رزین نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی کوئی سند بیان نہیں کی جس سے ہم اس کی اصل پر مطلع ہو جاتے' تاہم اس حدیث پر موضوع روایات کے آثار ظاہر ہیں۔

بعض لوگوں کی دلیل ایک دوسری حدیث ہے کہ

((مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰى طُهْرٍ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ))[2]

''جس نے وضو پر وضو کیا اللہ اس کو دس نیکیاں دیں گے۔''

یہ حدیث ضعیف ومنکر ہے اس سے دلیل پکڑنا غلط ہے اس کا کوئی تابع بھی نہیں ہے اور فضائل اعمال میں بھی اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا دارومدار عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی پر ہے جو حدیث میں ضعیف تھا اور منکر روایات بیان کرتا تھا اور

---

[1] [المقاصد الحسنة للسخاوي: ١٢٦٤. اتحاف السادة المتقين للمرتضى الزبيدي: ٢/ ٣٧٥]

[2] [سنن ابي داؤد (٦٢) سنن ترمذي (٥٩) سنن ابن ماجه (٥١٢) اس کی سند الافریقی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

یہ روایت بھی ان منکر روایات میں سے ہے۔

اس کا دوسرا راوی ابوغطیف الہذلی مجہول الحال ہے' امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ سنن ترمذی (۵۸) کی ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ

''انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے' چاہے آپ کا پہلے سے وضو ہو یا نہ ہو۔''

حمید الطویل کہتے ہیں میں نے انس سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے؟ فرمایا ''ہم ایک وضو کے ساتھ وضو نہ ٹوٹنے سے پہلے پہلے ساری نمازیں پڑھ لیتے تھے۔'' امام ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے لیکن اس کی سند ضعیف و منکر ہے۔ محمد بن اسحاق بن یسار مدلس ہے اور ''عن'' سے روایت کر رہا ہے۔ امام ترمذی کا اس روایت میں استاد محمد بن حمید الرازی ضعیف ہے۔ بلکہ بعض علماء نے اسے جھوٹا بھی قرار دیا ہے۔

یہ روایت اس صحیح روایت کے خلاف ہے جس میں انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے۔''

عمرو بن عامر الانصاری نے کہا میں نے پوچھا' آپ یعنی انس کیا کرتے تھے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم ساری نمازیں وضو ٹوٹنے سے پہلے ایک وضو کے ساتھ پڑھتے تھے۔''[1]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وضو پر وضو کرنے کی تکلیف نہیں کرتے تھے بلکہ اگر وضو ٹوٹ جاتا تو پھر وضو کرتے تھے اور رہا یہ مسئلہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے لیے وضو کیا ہے تو یہ عمومی عمل ہے کیونکہ سوید بن النعمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر اور مغرب کی نماز ایک ہی وضو سے پڑھی ہے۔[2]

پہلی حدیث زیادہ سے زیادہ اباحت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ استحباب پر' ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ اس پر عمل سے پیچھے نہ رہتے اور ممکن ہے کہ وضو پر وضو

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الوضو' باب الوضو من غیر حدث (۲۱۴)]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الوضوء' باب الوضوء من غیر حدث (۲۱۵)]

آپ ﷺ کی خصوصیت ہو۔[1]

جاہل عورتوں کی بدعات' اعضائے وضو کا نامکمل دھونا

بعض عورتیں یہ عذر تراش لیتی ہیں کہ ان کی آستینیں تنگ ہیں لہٰذا اعضائے وضو کا پورا پورا دھونا مشکل ہے۔ بعد میں ان کی یہی عادت بن جاتی ہے اور ساتھ ہی بڑی ڈھٹائی سے یہ جواب دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے' وہ ہمارے دلوں کے بھید سے واقف ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ ایسے الفاظ گمراہ فرقہ مرجیہ کی زبانوں پر اکثر رہتے ہیں۔ یاد رکھیئے کہ آستینوں کی تنگی اعضائے وضو کے نامکمل دھونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اللہ کے رسول ﷺ تمام عبادات کو صحیح اور مکمل طریقے سے ادا کرتے تھے حالانکہ اللہ نے آپ کے ہر عمل پر اپنی رضامندی اور معافی کی مہر ثبت کر رکھی ہے۔ ایک دن آپ وضو کر رہے تھے' آپ کی قمیص کی آستین تنگ تھی تو آپ نے قمیص کے نیچے سے اپنے ہاتھ باہر نکالے اور انہیں پورا دھویا۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

''ایک دن رسول اللہ ﷺ سفر میں پیچھے رہ گئے' میں بھی آپ کے ساتھ تھا' جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو پوچھا' کیا تیرے پاس پانی ہے؟ میں پانی لے آیا آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں اور چہرہ دھویا' پھر آپ نے کہنیوں سے کپڑا ہٹانے کی کوشش کی تاکہ بازو دھوئیں لیکن قمیص کی آستینیں تنگ تھیں' آپ نے قمیص کے نیچے سے دونوں ہاتھ نکال کر کہنیوں تک دھوئے۔[2]

اگر وضو کے اعضاء پورے پورے نہ دھوئے جائیں تو وضو نہیں ہوتا' جس کے

---

[1] [صرف احتمال کی بنیاد پر خصوصیت ثابت کر دینا صحیح نہیں ہے اس مسئلے میں حق یہی ہے کہ دونوں طرح جائز ہے اور وضو پر وضو کرنا جائز اور بہتر ہے۔ واللہ اعلم]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الصلوٰۃ' باب الصلوٰۃ فی الجبۃ الشامیۃ (۳۶۳) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب المسح علی الخفین (۲۷۴)]

نتیجے میں نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (والعیاذ باللہ!)

پاؤں دھونے میں بہت سے لوگوں کی غفلت اور تساہل پسندی

بہت سے لوگ قدموں کے شروع والے حصے کو دھو کر ٹخنے دھونا چھوڑ دیتے ہیں' جس سے بعض لوگوں کے ٹخنوں پر خشک جگہیں باقی رہ جاتی ہیں' حالانکہ نبی ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وضو کرتے دیکھا تو فرمایا کہ

پورا پورا وضو کرو کیونکہ میں نے ابوالقاسم رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ

((وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ))[1]

''وضو میں جو ایڑیاں خشک رہ جائیں گی ان کے لیے ہلاکت ہے آگ کے عذاب کی۔''

ہم نے یہ تنبیہ اس لیے ذکر کر دی ہے کیونکہ بہت سے لوگ وضو کرنے پر صحیح توجہ نہیں دیتے۔

❀❀❀❀❀

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الوضوء' باب غسل الاعقاب (۱۶۵) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب وجوب غسل الرجلین بکمالھما (۲۴۲)

دور حاضر میں عوام الناس کی ایک بہت بڑی مخالفت

بلی کے جوٹھے پانی سے وضو نہ کرنا

یہ ایسی احتیاط اور نام نہاد پرہیز ہے جس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ ہوس' وسوسہ اور پاگل پن ہے' اسے کس طرح پرہیز گاری اور احتیاط کہا جاسکتا ہے؟ جب کہ امت مسلمہ اس کے خلاف یعنی بلی کے جوٹھے کی طہارت پر جمع ہے۔

ابن المنذر النیسابوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یہی قول اہل مدینہ' اہل کوفہ' اہل شام' تمام اہل حجاز' اہل عراق' تمام شہروں کے علماء اور محدثین کرام کا ہے۔'' (الاوسط :۱/ ۳۰۱)

اور یہی بات صحابہ کی ایک جماعت سے ثابت ہے' مثلاً عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا بلی کا جوٹھا برتن دھویا جائے گا؟ تو انہوں نے کہا: ''نہیں کیونکہ یہ گھر کے پالتو جانوروں میں سے ہے۔''[1]

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ وضو کا برتن بلی کے سامنے جھکا دیتے تاکہ وہ اس سے پانی پی لے اور فرماتے کہ یہ پالتو جانوروں میں سے ہے۔[2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بلی کے جوٹھے کے ساتھ کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور کبھی کبھار آپ اس کے لیے پانی کا برتن جھکا دیتے اور فرماتے یہ پالتو جانور ہے۔[3]

یہی قول ام المومنین عائشہ' ام المومنین ام سلمہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم سے مروی

---

[1] [مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۱۰۲' ۱۰۳۔ الاوسط لابن المنذر: ۱/ ۳۰۱۔ اس کی سند صحیح ہے]

[2] [الطهور لابی عبید: ۲۲۱۔ اس کی سند صحیح ہے]

[3] [الطهور لابی عبید: ۲۲۲۔ الاوسط لابن المنذر: ۱/ ۳۰۲۔ اس کی سند صحیح ہے]

ہے۔

ایک بڑی قبیح اور کافرانہ بدعت کا مشاہدہ کہ بعض لوگوں کا بغیر وضو کے نماز پڑھنا

اس بات کا مشاہدہ ان بعض مقامات پر کیا جاتا ہے جہاں لوگوں کو طاقت کے ذریعے نماز پڑھنے کے لیے جمع کیا جاتا ہے اور دکانیں بند کرادی جاتی ہیں۔ نماز کا حکم دینا' اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنا اور دکانیں بند کرادینا شریعت اسلامیہ کا مطلوب و مقصود ہے' تاہم نبی ﷺ سے یہ بات ثابت نہیں کہ آپ نے طاقت' پولیس یا رات کے چوکیداروں کے ذریعے لوگوں کو نماز پر جمع کیا ہو۔

اس بات نے ان لوگوں کو بغیر وضو کے نماز پڑھنے پر آمادہ کرلیا ہے جو لوگ نماز اور شریعت اسلامیہ کو انتہائی حقیر سمجھتے ہیں' بلکہ بعض لوگ تو غسل فرض ہونے کی حالت یعنی جنابت کبریٰ میں بھی بغیر غسل کے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

نماز عبادت ہے جس کی کنجی وضو اور طہارت ہے اور وضو کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدۃ : ٦)

''اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کروتو اپنے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھ دھولو' سر کا مسح کرو اور اپنے قدم ٹخنوں تک دھولو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طَهُورٍ))[1]

''وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔''

---

[1] [صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب وجوب الطھارۃ للصلوٰۃ(۲۲۴)]

اور فرمایا:

((مِفۡتَاحُ الصَّلٰوۃِ الطُّھُوۡرُ))[1]

''نماز کی چابی طہارت ہے۔''

جس نے جان بوجھ کر وضو کے بغیر نماز پڑھی اس نے بہت بڑا گناہ کیا اور اگر اپنے اس عمل کو جہالت کی وجہ سے جائز سمجھا تو کفر والی بدعت کا ارتکاب کیا اور اگر اسے وضو کی فرضیت کا علم بھی ہے مگر پھر بھی بغیر وضو کے نماز کو جائز سمجھتا ہے تو (یہ کافر ہے) اسے توبہ کرائی جائے گی ورنہ مسلمان اولوالامر کے ذریعے اسے قتل کر دیا جائے گا۔

یاد رکھو کہ استنجاء نہ کرنا اور بغیر وضو کے نمازیں پڑھنا' باطنی فرقوں' حلولی صوفیوں اور دین اسلام سے خارج قرامطیوں کا عمل ہے۔ اسلام تو پاکیزہ' صاف ستھرا اور سادہ دین ہے۔

❀❀❀❀

---

[1] [صحیح' ابوداؤد' کتاب الطھارۃ' باب فرض الوضوء (۶۱) یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے]

غسل کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

غسل کی بدعات میں سے زبان کے ساتھ نیت کرنا بھی ہے۔

تمام عقل مندوں کا اجماع ہے کہ نیت کا مقام دل ہے' زبان نہیں اور اس کی مخالفت صرف اسی شخص نے کی ہے جو ہوس' جنون اور بدعات کا غلام ہے۔ اس کی بدعت نے اسے ابلیس ملعون کے وسوسہ کی صراحت پر آمادہ کر دیا ہے۔ اس بات کی تفصیل وضو سے پہلے نیت پر بحث میں گزر چکی ہے' وہاں سے دوبارہ پڑھ لیں۔

بعض لوگوں کا یہ گمان کہ جنبی دوسروں کو بھی نجس کر دیتا ہے

یہ بہت بڑی جہالت ہے جس کے رد پر صحیح احادیث مبارکہ واضح دلالت کرتی ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے' آپ نے فرمایا:

((يَاعَائِشَةُ نَاوِلِنِيَ الثَّوْبَ))

''اے عائشہ! مجھے کپڑا دے دو۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا' میں حائضہ ہوں' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِيْ يَدِكِ))[1]

''تیرا حیض تیرے ہاتھوں میں نہیں ہے۔''

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کپڑا دے دیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں ملے جبکہ میں جنبی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا' میں آپ کے ساتھ چلتا رہا' جب آپ بیٹھ گئے تو میں جلدی جلدی

---

[1] [صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب جواز غسل الحائض رأس زوجها (۲۹۹)]

اپنے گھر آیا اور غسل کر کے آپ ﷺ کے پاس گیا' آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے' آپ ﷺ نے پوچھا:

''اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کہاں چلے گئے تھے؟''

میں نے کہا: ''میں جنبی تھا (یعنی مجھ پر نہانا فرض تھا) لہٰذا مجھے یہ برا معلوم ہوا کہ نہائے بغیر آپ کے پاس بیٹھ جاؤں'' یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

((سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَايَنْجُسُ))[1]

''سبحان اللہ' اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! مومن نجس نہیں ہوتا۔''

اور وہ احادیث جو اس سے پہلے گزر چکی ہیں جن میں نبی ﷺ کا حیض وغیرہ کی حالت میں اپنی بیویوں سے جماع کے بغیر مباشرت' کھانا پینا اور لیٹنا مذکور ہے۔

تو یہ تمام احادیث اس بات پر صریح دلیل ہیں کہ جنبی نجس نہیں ہوتا' نہ اسے چھونا منع ہے اور نہ اس کا تھوک اور پسینا وغیرہ پلید ہوتا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی درج بالا حدیث پر ''جنبی کا پسینا اور یہ کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا'' کا باب باندھا ہے۔

شرمگاہ کے اندر پانی پہنچا کر دھونا وسوسہ کے مریض مردوں اور عورتوں کی یہ پرانی بدعت ہے۔

اور یہ ایسا تکلف ہے کہ جس کی مشروعیت یا جواز شریعت سے ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ جنبی مرد یا عورت یا حائضہ پر شرمگاہ کے اندر کا حصہ دھونا واجب نہیں ہے۔ جنبی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ نہانے سے پہلے پیشاب کر لے تاکہ اگر ذکر میں کوئی منی ہو تو نکل جائے۔

حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اس آدمی کا کیا حکم ہے جو غسل جنابت کرتا ہے'

[1] [صحيح بخاري' كتاب الغسل' باب عرق الجنب وان المؤمن لاينجس (٢٨٣' ٢٨٥)صحيح مسلم' كتاب الحيض' باب الدليل على ان المسلم لاينجس (٣٧١)]

اس کے بعد اس کے ذکر سے منی نکل آتی ہے؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ ''اگر اس نے غسل سے پہلے پیشاب کیا تھا تو دوبارہ غسل نہ کرے اور اگر پہلے پیشاب نہیں کیا تھا تو دوبارہ غسل کرے۔''[1]

اسحاق بن ابراہیم بن ہانی النیسابوری کی روایت میں اس تحقیق کو امام احمد رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ (۱/۲۶)

یہ قول حالات و احکام کی معرفت اور تحقیق کے بلند ترین مقام پر ہے کیونکہ پیشاب منی کو ختم کرنے والا ہے اور جب منی ہی باقی نہ رہی تو پھر شہوت کے بغیر اس کا نکلنا چنداں مضر نہیں ہے۔ منی جس سے کہ غسل فرض ہے وہ شہوت سے ہی نکلتی ہے' اگر غسل سے پہلے پیشاب نہ کیا جائے تو اس کا غالب امکان رہتا ہے کہ شاید یہ وہی منی ہے جو جماع کے بعد آلہ تناسل میں رہ گئی تھی۔

عورت پر بھی اپنی شرمگاہ کے اندر کا دھونا قطعاً واجب نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ

''اگر کسی عورت کو کہا جائے تم جنابت کے بعد اپنی شرمگاہ کے اندر کا حصہ بھی دھولو تو کیا ایسا کہنا صحیح ہے؟''

تو انہوں نے جواب دیا:

''دو قولوں میں صحیح قول یہی ہے کہ حیض یا جنابت کی حالت میں عورت پر شرمگاہ کے اندر کا حصہ دھونا واجب نہیں ہے۔''[2]

اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ شرمگاہ سے جو چیز نکلے اس کا اعتبار ہے نہ کہ جو اس میں باقی رہ جائے۔ اس ذریعے سے وسوسہ کا یہ دروازہ بند ہوسکتا ہے۔

---

[1] [مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۳۹) مصنف عبدالرزاق (۱/ ۲۶۲) یہ دونوں سندیں ضعیف ہیں۔ ایک میں ابن ابی عروبہ مدلس اور ''وغیرہ'' مجہول ہے۔ دوسری میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور ''عن'' سے روایت کررہے ہیں۔]

[2] [مجموع الفتاوٰی : ۲۱/ ۲۹۴، ۲۹۷]

غسل خانہ میں پیشاب

لوگوں کا یہ عمل عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے صریح مخالف ہے جس میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا:

((اِنَّ عَامَةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ))[1]

''عام وسوسے اس (اور اس جیسے افعال) سے ہی ہوتے ہیں۔''

علماء کے نزدیک اس حدیث کا تعلق اس غسل خانے سے ہے جس کا پانی ساکن ہو جاری نہ ہو' مثلاً ٹب' برتن وغیرہ جہاں بعض لوگ کھڑے ہو کر اپنے اوپر پانی ڈالتے ہیں یا مٹی کے ایسے غسل خانے جہاں پانی کی نکاسی کا صحیح بندوبست نہیں ہوتا۔ رہے آج کل کے غسل خانے' جن کا پانی فوراً باہر نکل جاتا ہے تو ان میں کراہت کے باوجود پیشاب کرنا جائز ہے۔ چونکہ اس سے یہ خطرہ رہتا ہے کہ کہیں نجس اور گندا پانی میرے جسم پر نہ گر جائے۔ لہٰذا اس حالت میں بھی پیشاب کرنا مکروہ اور بے ادبی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''جس غسل خانے میں پانی جاری ہو تو (ضرورت کے وقت) پیشاب کرنا جائز ہے۔'' (سنن ترمذی: ۱/ ۳۳)

جمعہ کے دن غسل جنابت کے بعد غسل جمعہ کا تکرار

ہم نے اس بدعت کا تفصیلی رد اپنی کتاب ''الثمر الدانی المستطاب'' میں کیا ہے۔[2]

عورتوں کا غسل جنابت میں بالوں کا صحیح نہ دھونا

بعض عورتیں خوبصورتی کے اظہار کے لیے اپنے سر کے بالوں کو کسی پلاسٹک

---

[1] [صحیح' سنن ابی داؤد' کتاب الطھارۃ' باب فی البول فی المستحم(۲۷)وعلقہ البخاری (۸/ ۵۸۸) وللحدیث شواھد]

[2] [غسل جنابت اور غسل جمعہ کے درمیان فرق کرنا سنت سے ثابت نہیں ہے۔]

وغیرہ کی چیز سے ڈھانپ لیتی ہیں، جسے وہ غسل کے وقت بھی نہیں اتارتیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالوں کا کچھ حصہ خشک رہ جاتا ہے تو ایسی عورتوں کو یہ مسئلہ سمجھنا چاہیے کہ جو عورت اپنے سارے بال نہ دھوئے اور اس کے بالوں یا جسم کا کوئی حصہ خشک رہ جائے اور بالوں کی جڑوں تک پانی نہ پہنچائے تو اس کا غسل نہیں ہوتا۔

یہی مثال ان عورتوں کی ہے جو بڑی سختی سے اپنے بال باندھے رکھتی ہیں جس کی وجہ سے پانی جڑوں تک نہیں پہنچتا۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر عورت کے سر کے بالوں کی مضبوط گندی ہوئی مینڈیاں ہوں اور وہ جوڑے ہوئے ہوں جن کی وجہ سے بالوں کی جڑوں تک پانی نہ پہنچ سکے تو اس عورت پر یہ ضروری ہے کہ اپنے بال کھول کر نہائے۔ اگر اس نے اپنے بالوں کو سنوارنے یا خوبصورتی وغیرہ کے لیے کوئی چیز باندھ رکھی ہے تو اسے کھول کر نہائے اور اگر یہ چیز انتہائی پتلی ہے کہ جس سے بالوں تک پانی پہنچ جاتا ہے تو پھر ان کا نہ کھولنا بھی جائز ہے۔'' (احکام النساء: ص ۶۳)

نہانے کے دوران بے پردگی

یہ عمل اس حدیث کے مخالف ہے جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ، وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ))[1]

''کوئی مرد کسی مرد کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور اسی طرح کوئی عورت کسی عورت کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے۔''

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرد کا مرد کی شرمگاہ دیکھنا اور عورت کا عورت کی شرمگاہ دیکھنا حرام ہے۔'' (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱/ ۶۴۱، ۶۴۲)

---

[1] [صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب تحریم النظر الی العورات (۳۳۸)]

یاد رہے کہ خاوند بیوی اور آقا لونڈی کے رشتہ کے علاوہ تمام غیر مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی شرمگاہ بلکہ ایک دوسرے کو صرف شہوت سے دیکھنا بھی حرام ہے۔

امام ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جس طرح ایک مرد کے لیے دوسرے مرد کی شرمگاہ (ناف سے گھٹنے تک) دیکھنا ناجائز ہے اسی طرح ایک عورت کے لیے دوسری عورت کی شرمگاہ دیکھنا ناجائز ہے۔ عام طور پر جاہل عورتیں اس کی پروا نہیں کرتیں بلکہ اپنی ماں' بہن' یا بیٹی کے سامنے اپنی شرمگاہ کھولے بیٹھی رہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ تو رشتہ دار ہیں۔ ان عورتوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو لڑکی سات سال کی ہو جائے تو اس کی ماں یا بہن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کی شرمگاہ دیکھیں اور نہ وہ ان کی شرمگاہ دیکھ سکتی ہے۔ (احکام النساء : ص ۲۰، ۲۱)

اس سے زیادہ خطرناک چیز یہ ہے کہ بعض عورتیں شادی کی رات یا اہم تقریبات کے لیے نہانے دھونے میں غیر عورتوں سے مدد لیتی ہیں بلکہ اپنی شرمگاہ اور بغلوں کے بال بھی ان سے منڈواتی ہیں۔ اس حالت میں شرمگاہ پر صرف نظر ہی نہیں پڑتی بلکہ اسے چھوا بھی جاتا ہے۔ جاہلیت کی ایسی گندی عادات سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

یہی وہ دروازہ ہے جس کے ذریعے عورتیں عورتوں سے لذت حاصل کرتی ہیں جس طرح قوم لوط کے مرد مردوں کے پیچھے پڑے تھے اسی طرح یہ عورتیں عورتوں سے جنسی تعلق قائم کر لیتی ہیں' بلکہ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلے عورتوں کے عورتوں سے جنسی تعلقات قائم ہوئے تھے جس کے نتیجے میں مردوں نے بھی مردوں سے یہ تعلقات قائم کر لیے' یہ کتنی بڑی مصیبت اور کتنا بڑا جرم ہے۔[1]

مشترکہ حماموں میں عورتوں کا اپنے جسم یا اس کا کچھ حصہ ننگا کرنا

بعض عورتیں مالش کی دکانوں اور بھاپ والے حماموں میں لوگوں کے سامنے اپنا بدن ننگا کر دیتی ہیں۔ ان حماموں اور دکانوں میں کتنی عورتیں لوٹی گئی ہیں اور ایک

[1] (اس بات کی کوئی اصل میرے علم میں نہیں ہے۔)

دوسرے سے گہری واقفیت کے بعد کتنے ہی ناجائز تعلقات قائم ہوئے ہیں۔

اے مردو! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی عورتوں کو ان دکانوں اور حماموں سے روک لو ورنہ تم سے بڑا کوئی مجرم نہیں ہوگا۔

اور اے مسلمانوں کی عورتو! کیا تم نے اللہ کی یہ بات نہیں سنی کہ

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَاتَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾ (الاحزاب: ۳۳)

''اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جاہلیت کے بناؤ سنگھار اختیار نہ کرو۔''

ان بے پردہ حماموں میں جانے کی ممانعت کے بارے میں ایک صحیح حدیث بھی آئی ہے۔ ابوالملیح بن اسامہ کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شام کی کچھ عورتیں آئیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ''تم کون ہو؟''

وہ کہنے لگیں ''ہم سب شام کی عورتیں ہیں۔''

فرمایا: ''کیا تمہارا اس گروہ سے تعلق ہے جو حماموں میں جاتی ہیں؟''

عورتوں نے کہا ''جی ہاں!''

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

((مَامِنْ امْرَأَةٍ تَخْلَعُ ثِيَابَهَا فِيْ غَيْرِبَيْتِهَا اِلَّا هَتَكَتْ مَابَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى))[1]

''جو عورت اپنے گھر کے علاوہ (بغیر شرعی عذر کے) دوسری جگہ کپڑے اتارتی ہے تو وہ اپنے اور اللہ کے درمیان تعلق کو کاٹ دیتی ہے۔''

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَايُدْخِلَنَّ حَلِيْلَتَهُ الْحَمَّامَ))[2]

---

[1] حسن: ابوداؤد: کتاب الحمام: باب النهی عن دخول الحمام (۴۰۱۰) وقال الترمذی: حسن!

[2] اخرجه احمد ۳/ ۳۳۹ بأطول من هٰذا اللفظ، والنسائی ۱/ ۱۹۸، بسند صحیح!

''جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنی بیوی کو حمام میں داخل نہ ہونے دے۔''

یہ تسلیم ہے کہ بعض عفت مآب پاک دامن عورتیں شدید مجبوری کی وجہ سے ان حمامات میں جاتی ہیں لیکن ان کے لیے چھ شرطیں ہیں:۔

① یہ جانا انتہائی ضروری ہو' اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو۔
② ایسا مکان ہو جہاں اس کی عفت وعصمت کے لیے مکمل امان ہو۔
③ اس حمام کو چلانے والی عورتیں ہوں' جو پاک دامن ہوں' کسی کے راز کو پھیلانے والی نہ ہوں اور نہ ہی لوگوں کے سامنے عورتوں کی صفات بیان کرنے والی ہوں۔
④ کسی عورت کے سامنے بھی وہ اپنی شرمگاہ نہ کھولے۔
⑤ وہ بذات خود بھی کسی کی شرمگاہ کو نہ دیکھے۔
⑥ سوائے شرعی ضرورت کے' کسی عورت کو بھی اپنے نازک جسم پر ہاتھ نہ لگانے دے۔

چونکہ آج کل یہ شرائط عام طور پر مفقود ہیں لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مسلمان عورت اپنے گھر میں ہی رہے اور کوشش کرے کہ اسے ایسی دوا مل جائے جو حمام میں جانے کے بغیر ہی اس کا کام کردے۔ جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے کشادگی پیدا کردے گا اور اسے بغیر حساب کے وہاں سے رزق دے گا جہاں اس کا گمان تک نہ ہوگا۔

امام نووی نے کہا:

''آج کل یہ بات عام ہوگئی ہے کہ لوگ حماموں میں جمع ہوتے ہیں اور اس میں غفلت بھی بہت زیادہ ہوتی جارہی ہے' لہٰذا ان لوگوں پر یہ واجب ہے کہ اپنی نظر اور ہاتھ کی حفاظت کریں' نہ دوسرے کی شرمگاہ دیکھیں اور نہ ہی کسی اور کو اپنی شرمگاہ دیکھنے دیں۔''

غسل میت میں کتاب وسنت کی مخالفتیں

بہت سے مرد فوت شدہ عورتوں کو نہلاتے ہیں یا جب عورتیں نہلا رہی ہوتی ہیں تو اور وہاں پہنچ جاتے ہیں۔

یہ عمل شرعاً ناجائز ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس کے مرنے کے بعد نہلائے' خاص طور پر جب کہ نہلانے والی عورتیں بھی موجود ہوں۔

جو علماء اسے جائز سمجھتے ہیں ان کی دلیل مسند احمد (۶/ ۲۲۸) کی وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا:

((مَاضُرُّكِ لَوْمِتِّ قَبْلِي فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ' ثُمَّ صَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ))[1]

''تجھے کیا نقصان ہے؟ اگر تو مجھ سے پہلے مرگئی تو میں تجھے نہلاؤں گا اور کفن پہناؤں گا پھر تیری نماز جنازہ پڑھ کر تجھے دفن کروں گا۔''

یہ روایت ناقابل استدلال ہے کیونکہ اس کا راوی محمد بن اسحاق بن یسار ((فَغَسَّلْتُكِ)) یعنی تجھے نہلاؤں گا' کے الفاظ کے ساتھ منفرد ہے۔ یہی حدیث دوسری سند کے ساتھ صحیح بخاری میں موجود ہے لیکن اس میں نہلانے کے الفاظ نہیں' یہ الفاظ صرف ابن اسحاق نے ہی بیان کیے ہیں۔ اگرچہ ابن اسحاق صدوق (سچا یعنی حسن الحدیث) تھا لیکن اس کی ایسی زیادت ناقابل قبول ہے جس سے شرعی حکم ثابت ہوتا ہو۔

اس سند کے ضعیف ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف بھی ہے۔ یہ تسلیم ہے کہ بعض سلف صالحین سے یہ ثابت ہے کہ خاوند کا اپنی مردہ بیوی کو غسل دینا

---

[1] [حسن' ابن ماجه' كتاب الجنائز' باب ماجاء في غسل الرجل وغسل المرأة زوجها (۱۴۶۵) ابن اسحاق صرح بالسماع وللحديث شواهد۔ صاحب کتاب کی اس حدیث پر جرح صحیح نہیں ہے۔ زبیر علی زئی]

جائز ہے اور اس کے برعکس (کہ یہ جائز نہیں ہے) بھی سلف صالحین سے ثابت ہے۔
اس مسئلہ میں سفیان ثوری کا قول سب سے زیادہ محققانہ ہے:

''ہم کہتے ہیں کہ کوئی خاوند اپنی بیوی کو غسل نہیں دے گا کیونکہ وہ اس کے مرنے کے فوراً بعد اگر مرنے والی کی بہن سے شادی کرلے تو جائز ہے۔ دوسری طرف ہم یہ کہتے ہیں کہ بیوی اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ وہ ایام عدت میں ہے۔''[1]

(مصنف عبدالرزاق: ۳/ ۴۰۹)

میں کہتا ہوں کہ یہ بہت اعلیٰ تحقیق اور باریک بینی ہے۔ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا صالح، عبداللہ اور اثرم کی روایات میں یہی مسلک ہے۔

(الروایتین والو جهین للقاضی ابی یعلیٰ: ۱/ ۲۰۱)

کتب احادیث میں ایسے آثار موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت اپنے خاوند کو اس کے مرنے کے بعد غسل دے سکتی ہے۔ مثلاً

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف آپ کی بیویاں ہی غسل دیتیں۔''[2]

ابو ملیکہ سے روایت ہے کہ'' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی نے غسل دیا، انہوں نے اس کی وصیت کی تھی۔''[3]

یاد رہے کہ اگر شرعی ضرورت ہو تو مرد کے لیے اپنی بیوی کو غسل دینا جائز ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کا لباس نہ اتارے بلکہ لباس کے اوپر سے ہی پانی بہادے اور اسے ننگا

[1] [ابن اسحاق کے بارے میں راجح یہی ہے کہ احکام ہوں یا عقائد یا فضائل، اگر وہ سماع کی تصریح کرے تو حسن الحدیث ہے۔]

[2] [حسن، ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عند غسله (۳۱۴۱) وصححه ابن حبان والحاکم والذهبی وغیرهم]

[3] [حسن، مصنف عبدالرزاق (۳/ ۴۰۸) یہ سند مرسل ہے لیکن طبقات ابن سعد (۳/ ۲۰۳، ۲۰۴) وغیرہ میں اس کے بہت سے شواہد ہیں اور یہی بات مشہور ہے]

کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ

''ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ سفر کر رہا ہوتا ہے کہ وہ مر جاتی ہے' وہاں کوئی عورت نہیں ہے تو کیا اسے اس کا خاوند غسل دے سکتا ہے؟''

فرمایا: ''جی ہاں!'' پوچھا گیا ''وہ کیسے غسل دے گا؟''

فرمایا: ''کپڑے کے اوپر سے پانی بہائے گا' اس کا لباس نہیں اتارے گا۔''

(مسائل اسحاق النیسابوری :۹۱٦)

اور اگر کوئی عورت مردوں کی جماعت میں فوت ہو جائے' وہاں نہ اس کا خاوند ہو اور نہ کوئی عورت (تو کیا کیا جائے)؟

احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''اسے تیمم کرا دیا جائے۔''

(مسائل اسحاق الینسابوری:۹۱۸)



تیمّم

تیمّم کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

تیمّم کا صحیح طریقہ

عبدالرحمٰن بن ابزی کہتے ہیں کہ ایک آدمی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا ''میں ایک جگہ جنبی ہوگیا تھا وہاں پانی نہیں تھا؟'' (یہ سن کر) عمار بن یاسر نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا'' آپ کو یاد نہیں ہے ہم ایک دفعہ سفر میں تھے' اتفاق سے دونوں احتلام کی وجہ سے جنبی ہوگئے تھے' وہاں پانی نہیں تھا تو آپ نے غسل نہ کرنے کی وجہ سے نماز نہ پڑھی جبکہ میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ کر نماز پڑھ لی تھی اور یہ بات جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''(اے عمار!) تیرے لیے (صرف) یہی کافی تھا۔'' یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر مار کر ان میں پھونک دی پھر ان کے ساتھ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کرلیا۔''[1]

تیمّم کے لیے یہی طریقہ مسنون ہے کہ ایک ہی دفعہ دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مار کر ان میں پھونکا جائے پھر ان کو چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیا جائے'

تیمّم کے لیے زمین پر دو دفعہ ہاتھ مارنا

اس مسئلہ کی حدیث شاذ اور ناقابل حجت ہے جسے ابوداؤد (۳۱۸) نے عمار بن یاسر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (پانی نہ ملنے کی وجہ سے) صبح کی نماز کے لیے مٹی سے تیمّم کیا تھا۔ اپنی ہتھیلیاں مٹی پر مار کر انہوں نے اپنے چہروں کا

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب التیمم' باب هل ینفخ(۳۳۸)صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب التیمم(۳۶۸)]

تیمّم کے لیے زمین پر دو دفعہ ہاتھ مارنا

ایک بار مسح یعنی تیمّم کیا تھا اور دوسری بار ضرب لگا کر اپنے کندھوں اور بغلوں تک ہاتھوں کا تیمّم کیا تھا۔[1]

میرے خیال میں یہ روایت شاذ ہے کیونکہ ایک جماعت نے جس میں امام مالک بھی ہیں اسے امام زہری سے دو دفعہ ہاتھ مارنے کے ذکر کے بغیر بیان کیا ہے۔ دیکھئے سنن نسائی (۱/ ۱۶۷) وغیرہ۔ لہٰذا درج بالا روایت معلول ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''ابن عبدالبر نے کہا' عمار بن یاسر سے (بہت) زیادہ روایات ایک ضرب کے بارے میں آئی ہیں اور دوضربوں والی تمام روایات مضطرب ہیں۔''

(التلخيص الحبير ۱/ ۱۵۳)

اس کی تائید و تصدیق عبدالرحمٰن بن ابزی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ (زمین پر) ہتھیلیاں مار کر چہرے اور ہتھیلیوں کا تیمّم کر لیتے تھے' آپ سے نہ تو تیمّم کی دوضربیں ثابت ہیں اور نہ کہنیوں تک تیمّم کرنا۔

امام احمد نے کہا' جس نے کہنیوں تک تیمّم کرنے کا قول اختیار کیا ہے اس نے اپنی طرف سے (دین میں) زیادتی کر دی ہے۔'' (زادالمعاد :۱/ ۱۹۹)

ہر نماز کے لیے تیمّم

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

---

[1] [اس روایت کی سند صحیح ہے' نیل المقصود (۱/ ۱۱۴) مؤلفِ کتاب کا اسے معلول کہنا صحیح نہیں' رہا مسئلہ تو لوگوں کے عمل پر مرفوع حدیث کو ہی ترجیح حاصل ہے' لہٰذا مٹی کا مسح (تیمّم) صرف چہرے اور ہتھیلیوں کا ہی کرنا چاہیے]

''نبی ﷺ سے ہر نماز کے لیے تیمم یا اس کا حکم ثابت نہیں ہے بلکہ تیمم کو مطلق طور پر وضو کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تیمم کا حکم وضو کا حکم ہے' سوائے اس کے کہ کوئی دلیل اس کے خلاف ثابت ہو جائے۔''

(زاد المعاد: ۱/ ۲۰۰)

میری تحقیق میں سلف صالحین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر نماز کے لیے تیمم کرے اور بعض اسے وضو کی طرح مطلق سمجھتے ہیں یعنی ان کے نزدیک تیمم سے کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ مجھے اس مسئلہ میں صحابہ کرام سے کوئی صحیح روایت نہیں ملی۔ تمام روایات بلحاظ سند ضعیف ہیں۔ عبداللہ بن احمد (۱۴۰) اور اسحاق النیسا بوری (۲۹) کی روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کی یہ تحقیق ہے کہ ہر نماز کے لیے تیمم کرے۔

میرے خیال میں ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق اچھی ہے اور اسی پر دل کا اطمینان اور جھکاؤ ہے کیونکہ یہ تحقیق عام دلائل کے موافق ہے۔ واللہ اعلم!

پٹیوں پر مسح

بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ زخمی عضو جس پر پٹی بندھی ہوئی ہو' اس کا حکم کٹے ہوئے عضو کا ہے' لہٰذا اس پر مسح نہیں کیا جائے گا۔

اسی مسلک کو حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے ''المحلی (۲/۷۴' ۷۵)'' میں قوی اور شیخ البانی نے ''تمام المنۃ (۱۳۵)'' میں راجح قرار دیا ہے۔

اس بارے میں جتنی مرفوع احادیث آئی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ''اس باب میں کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے۔''

(السنن الکبریٰ: ۱/ ۲۲۸)

اس باب میں بہترین روایت وہی ہے جسے ابوداؤد (۳۳۶) نے جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ

ہم ایک سفر پر جا رہے تھے کہ ہمارے ایک ساتھی کو سر میں پتھر لگا' بعد میں اسے احتلام ہو گیا تو اس نے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا میں تیمم کرسکتا ہوں؟ تو انہوں نے کہا

کہ ہمارے خیال میں تجھے تیمّم کی اجازت نہیں ہے کیونکہ تیرے پاس پانی موجود ہے۔ چنانچہ اس نے غسل کرلیا تو مرگیا۔ جب ہم نبی ﷺ کے پاس واپس آئے تو سارا ماجرا آپ کو بیان کیا' آپ نے یہ سن کرفرمایا:

((قَتَلُوهُ وَقَتَلَهُمُ اللّٰهُ' لَوإذْ لَمْ يَعْلَمُوا' فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ' اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ اَنْ يَّتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ' اَوْ يَعْصِبَ عَلٰى جُرْحِهِ خِرْقَةً' ثُمَّ يَمْسَحُ عَلَيْهَا وَيَغْسِلُ سَائِرَ جَسَدِه))

''اللہ انہیں ہلاک کرے انہوں نے اس (زخمی) کو قتل کیا ہے۔ اگر انہیں پتہ نہیں تھا تو پوچھ کیوں نہ لیا؟ حالانکہ اندھے کا علاج پوچھنا ہے۔ اس کے لیے یہ کافی تھا کہ تیمّم کرلیتا اور زخم پر کپڑے کی پٹی باندھ کر اس پر مسح کرلیتا اور باقی جسم کو دھو ڈالتا۔''

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر ''بلوغ المرام (۱۱۶)'' میں فرماتے ہیں کہ اس میں ضعف ہے اور راویوں کا اختلاف بھی ہے۔

میرے نزدیک بھی یہی بات ہے کیونکہ زبیر بن خریق ضعیف ہے' اس کے بارے میں ابوداؤد اور دارقطنی نے کہا' کہ قوی نہیں ہے' اور رہا راویوں کا اختلاف تو اس کی تفصیل میں نے ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ''الداء والدواء'' کی تخریج میں کی ہے' لہٰذا اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

میں نے یہ حدیث یہاں اس لیے ذکر کی ہے کہ استاد محمد عبدالسلام خضر الشقیری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''السنن والمبتدعات (ص۲۸)'' میں پٹیوں پر مسح کے جواز پر اس ضعیف روایت سے یہ کہتے ہوئے استدلال کیا ہے کہ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن پٹیوں پر مسح کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں اگر آثار صحابہ کو چھوڑ کر ضعیف احادیث سے استدلال کیا جائے تو اسی طرح بدعات کو پروان چڑھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ پٹیوں پر مسح جائز ہے تو یہ بالکل صحیح ہے اور علماء کے دو متضاد اقوال

میں سے راجح بھی یہی ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے نافع سے بیان کیا کہ ''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے وضو کیا' آپ کی ہتھیلی پر پٹی بندھی ہوئی تھی' آپ نے پٹیوں پر مسح کیا اور باقی حصہ دھوڈالا۔'' (السنن الکبریٰ: ۱/ ۲۲۸)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ

''یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح و ثابت ہے۔''

مساجد

مساجد کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

یہ بہت وسیع باب ہے' اس میں ایسی ایسی بدعات ہیں جو کبیرہ گناہوں بلکہ شرک تک پہنچ جاتی ہیں۔ والعیاذ باللہ! اس کی شکایت ہم اللہ ہی سے کرتے ہیں۔

لوگوں کے نزدیک بدعت سنت بن گئی اور سنت بدعت' حقیقی علم دن بدن کم ہو رہا ہے اور اللہ کے دوست اور فرمانبردار اپنے اپنے معاشروں میں اجنبی بن گئے ہیں۔ اللہ کے دشمن اور جھگڑالو لوگ بڑی کثرت اور طاقت کے مالک ہیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور اللہ کا فیصلہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ اس باب میں توحید کو ختم کرنے والی طاقتور اور مطلق طور پر شدید ترین بدعت انبیاء وصالحین کی مساجد میں قبریں بنانا ہے۔

انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنانا

ان لوگوں کے بارے میں ابلیس کا پرانا گمان سچ ثابت ہوا' اس نے ان لوگوں کو اسی پرانی چال سے گمراہ کیا جس کے ساتھ وہ قوم نوح کو گمراہ کر چکا تھا۔

اس قوم نوح کے سامنے نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ اس بہانے بنایا تھا کہ اس طرح ان کی یاد دلوں میں تروتازہ رہے گی اور لوگوں کی ہمتیں بھی بلند رہیں گی۔ زمانہ گزرتا رہا' علم کم ہوتا رہا اور جہالت پھیلتی رہی' پھر اس نے اپنے چیلوں کو حکم دیا کہ اب ان قبروں کی عبادت کرو' تو وہ اس عبادت میں لگ گئے۔ اس ابلیسی چال اور دھوکے سے ڈراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

﴿وَقَالُوْا لَاتَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَاتَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَايَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾ (نوح:۲۳)

''اور انہوں (یعنی مشرکوں) نے کہا کہ اپنے خداؤں کو نہ چھوڑو نہ ود کو چھوڑو

نہ سواع کو اور نہ یغوث' یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔''

اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((اَسۡمَاءُ الرِّجَالِ صَالِحِيْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ' فَلَمَّا هَلَكُوْا أَوْحَى الشَّيْطٰنُ اِلٰى قَوْمِهِمْ اَنِ انْصِبُوْا اِلٰى مَجَالِسِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا يَجْلِسُوْنَ اَنْصَابًا وَسَمُّوْهَا بِاَسْمَائِهِمْ' فَفَعَلُوْا حَتّٰى اِذَا هَلَكَ اُولٰئِكَ وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ' عُبِدَتْ)) [1]

''یہ پانچوں نام' نوح کی قوم کے نیک لوگوں کے ہیں جب یہ (اچانک) مر گئے تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ جن مجالس میں یہ نیک لوگ بیٹھتے تھے وہاں نشانی کے طور پر پتھر نصب کر کے ان پتھروں کے نام ان لوگوں کے نام پر رکھ لو' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا' پھر جب یہ نسل ختم ہوگئی اور علم ختم ہوگیا تو لوگوں نے ان (پتھروں) کی عبادت شروع کر دی۔''

اور اسی طریقے سے یہ شرکیہ بدعت یہودیوں اور نصرانیوں میں شروع ہوئی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کنیسا (عیسائی عبادت خانے) کا ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا اور جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ ام سلمہ نے کہا کہ اس میں تصویریں بھی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُولٰئِكَ قَوْمٌ اِذَامَاتَ فِيْهِمُ الْعَبْدُالصَّالِحُ اَوِالرَّجُلُ الصَّالِحُ' بَنَوْاعَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا' وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ' اُولٰئِكَ شِرَارُالْخَلْقِ عِنْدَاللّٰهِ)) [2]

''ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد بنادیتے تھے اور وہاں یہ تصویریں بنا کر رکھ دیتے تھے' یہ لوگ اللہ کے نزدیک اس کی

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب التفسیر' باب سورۃ نوح : ۴۹۲۰]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الصلوٰۃ' باب الصلوٰۃ فی البیعۃ (۴۲۷' ۴۳۴)صحیح مسلم' المساجد' باب النھی عن بناء المسجد علی القبور(۵۲۸)]

مخلوق میں سب سے زیادہ برے ہیں۔''

اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر اندھا دھند چلے گی' حتیٰ کہ اگر وہ سوسمار (گوہ) کے سوراخ میں داخل ہوئے تھے تو یہ لوگ بھی داخل ہوں گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔[1]

آپ نے پوری توجہ اور سختی کے ساتھ اس مشرکانہ اور کافرانہ بدعت یعنی قبر پرستی سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ اَنبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ))[2]

''اللہ تعالیٰ یہودیوں کو تباہ کرے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں (اور سجدہ گاہ) بنالیا تھا۔''

آپ نے درج ذیل الفاظ میں بھی اپنی قبر کو مسجد' مزار اور عید (میلہ گاہ) بنانے سے منع فرمایا:

((لَاتَجْعَلُوا قَبْرِیْ عِيْدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَيْثُ كُنْتُمْ))[3]

''میری قبر پر میلے نہ لگانا اور تم مجھ پر درود پڑھنا کیونکہ تم جہاں بھی ہو تمہارا درود (یعنی ثواب) مجھے پہنچے گا۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ کی قبر زمین پر سب سے افضل قبر ہے' آپ ﷺ نے اسے

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب ماذکر عن بنی اسرائیل (۳۴۵۶) صحیح مسلم' کتاب العلم' باب اتباع سنن الیهود والنصاری (۲۶۶۹)]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الصلاة' باب (۴۳۷) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب النهی عن بناء المسجد علی القبور (۵۳۰)]

[3] [حسن' ابوداؤد' کتاب المناسک' باب زیارة القبور (۲۰۴۲) ابن نافع حسن الحدیث کما فی نیل المقصود (۳۳۸) وللحدیث شواهد]

بھی میلہ گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے تو دوسری قبروں پر میلے اور عرس وغیرہ بالاولیٰ ناجائز ہیں۔'' (اغاثة اللهفان لابن القیم: ۱/ ۲۱۱)

آپ ﷺ اپنی مبارک زندگی کے آخری لمحوں تک قبر پرستی سے ڈراتے رہے حتیٰ کہ جان کنی کے عالم میں بھی آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ)) [1]

''اللہ کی یہودیوں اور نصرانیوں پر لعنت ہو انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔''

اس وقت بھی آپ اہل کتاب کے اس طرز عمل سے ڈرا رہے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''گویا آپ کو اس کا علم ہوگیا تھا کہ آپ اس بیماری میں دنیا سے رحلت فرمانے والے ہیں تو آپ کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں لوگ آپ کی قبر کی اس طرح تعظیم شروع نہ کردیں جیسی یہود و نصاریٰ نے کی تھی۔ آپ نے یہود و نصاریٰ کو ملعون قرار دیا' اس میں اس کا اشارہ ہے کہ قبر پرستی مذموم (حرام اور ملعون لوگوں کا کام) ہے۔'' (فتح الباری: ۱/ ۴۲۳)

ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَاتَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَاتُصَلُّوْا اِلَيْهَا)) [2]

''نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو۔''

امام نووی نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے کہ

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الصلوٰۃ' باب: (۴۳۵' ۴۳۶)صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب النهی عن بناء المسجد علی القبور (۵۳۱)]

[2] [صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب النهی عن الجلوس علی القبر والصلوٰۃ علیه (۹۷۲)]

''میں اس بات کو مکروہ یعنی حرام سمجھتا ہوں کہ کسی مخلوق کی قبر کی اتنی تعظیم کی جائے کہ اسے سجدہ گاہ بنالیا جائے۔ اس سے فتنہ (شرک) کا خوف ہے اور بعد والے لوگ بھی فتنہ یعنی شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔''

(شرح صحیح مسلم: ۲/ ۲۳۲)

علاء الدین ابن العطار نے کہا:

''نبی ﷺ نے قبرستان میں اور قبروں کی طرف نماز پڑھنے سے منع کیا ہے تاکہ لوگ انہیں اللہ کے سوا اوثان (یعنی عبادت خانے) نہ بنالیں۔''

(فضل زیارۃ القبور: ص۴۸)

یہ مصیبت چاروں طرف چھا گئی ہے' قبروں پر مسجدیں بھی بن رہی ہیں اور مسجدوں میں قبریں بھی بنائی جارہی ہیں۔ اس کی وجہ لوگوں کا یہ انتہائی غلط عقیدہ ہے کہ ان مقامات پر نماز ادا کرنا افضل ہے۔ اس لیے وہ انتہائی سرتوڑ کوشش کر کے دور دراز سے سفر کر کے ان قبروں پر پہنچ کر نمازیں پڑھتے ہیں بلکہ اپنی پیشانیاں قبروں کی منڈیروں پر ٹیک دیتے ہیں' مکمل رکوع و قیام اور عاجزی' خوف و رجاء کے ساتھ وہاں داخل ہوتے ہیں اور اسی حالت میں الٹے پاؤں باہر تشریف لاتے ہیں۔ اگر یہ شرک نہیں ہے تو پھر ساری دنیا میں شرک کا کہیں وجود نہیں ہے۔

مسلمانو! کس نے ان جاہلوں کو اس حرام تبرک' ناجائز سفر اور غلط عبادت پر مجبور کیا ہے؟

کیا ان کے پاس قرآن وحدیث کی دلیل ہے؟ ہرگز نہیں ہمیں تو قرآن وحدیث میں توحید اور اتباع سنت کا حکم اور شرک و بدعت سے واضح طور پر منع کیا گیا ہے۔ تو جو آنسو بہاتا ہے وہ اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار پر آنسو بہائے۔

اے شخص! اگر تیرے پاس عقل ہے تو فوراً توبہ کر' اپنی گزشتہ زندگی پر ندامت کا اظہار کر' اس سے ڈر کہ تو کہاں پہنچ چکا ہے؟ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ' اللہ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا قائل و فاعل بن جا۔ اللہ تعالیٰ صحیح

العقیدہ مسلمانوں کو ہر بیماری اور شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین!)

مساجد کے ساتھ برکت کے حصول کی فضیلت

پر کوئی صحیح حدیث نہیں ہے سوائے تین مساجد کے

اے میرے پیارے مسلمان بھائی!

یاد رکھ کہ مسجد حرام (مکہ)' مسجد نبوی (مدینہ) اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) ان تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کی طرف تعظیم' تبرک اور فضیلت حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ اس کی دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث میں ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُشَدُّ الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ' مَسْجِدِیْ هٰذَا' وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی))[1]

''(ثواب کے لیے) سفر کرنا جائز نہیں سوائے تین مسجدوں کے' میری یہ مسجد' مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔''

ایک دوسری روایت میں ہے:

((اِنَّمَا یُسَافَرُ اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ' مَسْجِدِ الْکَعْبَةِ وَمَسْجِدِیْ وَمَسْجِدِ اِلْیَاءَ))[2]

''(ثواب کے لیے) سفر صرف تین مساجد کے لیے کیا جاتا ہے' خانہ کعبہ کی مسجد' میری مسجد اور الیاس (نبی) کی مسجد یعنی مسجد اقصیٰ۔''

عام لوگ مال خرچ کر کے' خوب تکلیف برداشت کر کے خاص مسجدوں کی طرف فضیلت' ثواب اور عبادت کے لیے پہنچتے ہیں۔ حالانکہ ان کی فضیلت پر کوئی دلیل نہیں ہوتی بلکہ ایسی کئی مسجدیں قبروں پر بنی ہوتی ہیں جن سے قبر والوں کی تعظیم اور عبادت

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب فضل الصلوٰة فی مسجد مکة والمدینة' باب (۱۱۸۹) مسلم' کتاب الحج' باب فضل المساجد الثلاثة (۱۳۹۷)]

[2] [مسلم' کتاب الحج (ایضاً)]

مراد ہوتی ہے۔ یہ ساری باتیں ناجائز ہیں بلکہ ایسی بری بدعتیں ہیں جن سے ثابت شدہ سنتیں ختم ہو جاتی ہیں اور دین حنیف میں ان بدعات پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے' ہاں ان کا رد موجود ہے۔

جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان بدعات کے رد اور قلع قمع کے لیے سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں آپ کی سیرت مطہرہ سے ملتا ہے۔

معرور بن سوید نے کہا کہ ہم عمر بن خطاب کے ساتھ حج کے لیے جا رہے تھے' راستے میں ایک مسجد آ گئی' لوگ اس میں نماز پڑھنے کے لیے دوڑ پڑے' جناب عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا' انہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہا گیا کہ یہ وہ مسجد ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی' یہ سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِإِتْبَاعِهِمْ مِثْلَ هٰذَا، حَتّٰى أَحْدَثُوْهَا بِيَعًا، فَمَنْ عُرِضَتْ لَهُ فِيْهِ صَلَاةٌ فَلْيُصَلِّ وَمَنْ لَمْ تَعْرِضْ لَهُ صَلَاةٌ فَلْيَمْضِ))[1]

''اے لوگو! تم سے پہلی قوموں کو انہی حرکتوں نے تباہ و برباد کر دیا تھا حتیٰ کہ انہوں نے ان مقامات کو عبادت گاہیں بنا لیا تھا' جو آدمی یہاں سے گزرے اور نماز کا وقت ہو تو (فرض) نماز پڑھ لے اور اگر نماز کا وقت نہ ہو تو (چپ چاپ) گزر جائے۔''

یہ حکم اس مسجد کے لیے ہے جہاں قبر نہ ہو۔ اس کا حکم عام مساجد کا حکم ہے بغیر کسی دلیل کے اسے عبادت کے لیے خاص کرنا جائز نہیں ہے۔ اپنے آپ کو خواہ مخواہ کے تکلفات میں نہ ڈالو۔

جلیل القدر ائمہ دین کا یہی طرز عمل رہا ہے۔ محمد بن وضاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''امام مالک بن انس اور دیگر علمائے مدینہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ان مساجد و آثار کے پاس جانے کو مکروہ یعنی حرام سمجھتے تھے' سوائے'' احد پہاڑ اور مسجد

---

[1] [البدع والنھی عنھا لابن وضاح (۱۰۵، ۱۰۴) یہ روایت صحیح ہے۔]

قباء کے۔'' میں نے علماء سے سنا ہے کہ سفیان ثوری بیت المقدس کی مسجد میں داخل ہوئے' وہاں انہوں نے نماز پڑھی لیکن انبیاء و صالحین سے منسوب دیگر آثار پر تشریف نہ لے گئے اور نہ کسی دوسرے مقام پر نماز پڑھی۔ یہی فعل دیگر جلیل القدر علماء سے ثابت ہے۔ وکیع بن الجراح جب بیت المقدس میں گئے تو سفیان ثوری کے طرز عمل کی تردید نہیں کی بلکہ تائید کی۔ تمہارے اوپر یہ لازم ہے کہ ان مشہور علمائے حق کے طرز عمل کو اختیار کرو کیونکہ یہ طرز عمل قرآن و حدیث کے بالکل مطابق ہے۔ بعض علماء کا کتنا بہترین قول ہے:
''آج کتنے ہی ایسے کام ہیں جن پر لوگوں کی اکثریت نیکی سمجھ کر عمل پیرا ہے حالانکہ اگلے زمانے میں انہی کاموں کو منکر اور ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ لوگ ایسے طریقے اختیار کر رہے ہیں جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں اور صراط مستقیم سے لوگوں کو یہ طریقے دور لے جا رہے ہیں۔ یاد رکھو' ہر بدعت کو خوبصورت اور شاندار بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔'' (البدع والنھی عنھا: ص ۴۳)

لوگوں کا بعض مقامات' درختوں اور کنوؤں سے اس عقیدہ کے ساتھ تبرک پکڑنا کہ یہاں کوئی نبی یا نیک بندہ آیا تھا

رافض حضرات کربلا کی مٹی سے اندھا دھند تبرک حاصل کرتے ہوئے اس کے ایسے ٹکڑے بنا لیتے ہیں جن پر ثواب کے لیے سجدے کرتے ہیں' اسی طرح اپنے آپ کو پکا ''اہل سنت'' سمجھنے والے بعض لوگ انبیاء یا نیک لوگوں سے منسوب قدموں کے آثار اور درختوں وغیرہ سے پورا تبرک حاصل کرتے ہیں' ان کے فاسد خیال میں یہاں عبادت کرنے میں بڑا اجر اور فضیلت ہے۔ حالانکہ جن لوگوں نے مشرکین کی مشابہت میں ذات انواط کے درخت کو بطور تبرک مقرر کرنے کی درخواست کی تھی ان پر نبی ﷺ نے سختی سے رد و انکار فرمایا تھا۔

ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ جب خیبر کی طرف جا رہے تھے تو ایک درخت کے پاس

سے گزرے جسے ذات انواط کہا جاتا تھا' اس پر مشرکین اپنے ہتھیار' تبرک کے لیے لٹکاتے تھے۔ بعض لوگوں نے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے لیے بھی ان لوگوں جیسا ذات انواط یعنی درخت مقرر کردیں تاکہ ہم وہاں برکت کے لیے اسلحہ لٹکائیں تو دشمن پر فتح حاصل ہو۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا:

((سُبْحَانَ اللّٰهِ هٰذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسٰى :اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَالَهُمْ آلِهَةٌ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ))[1]

''سبحان اللہ! یہ تو وہی بات ہے جو موسیٰ کی قوم نے کہی تھی کہ جس طرح ان (مشرکوں) کے خدا ہیں ہمارا بھی ایک خدا بنادے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم (یعنی بعض امت محمدیہ) اگلے لوگوں (یہود و نصاریٰ) کے نقش قدم پر ضرور چلو گے۔''

اس کی شرح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''کفار جس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے اور اس کا اعتکاف کرتے تھے نبی ﷺ نے اس درخت کی مشابہت تک کی بھی مخالفت کی۔ آپ سوچیں کہ جو لوگ مشرکین کی پوری پوری مشابہت کر رہے ہیں کیا یہ بعینہ شرک نہیں ہے؟'' (اقتضاء الصراط المستقیم :ص۲۴۸)

جناب عمر بن خطاب سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے بیعت رضوان والے درخت کو جس کے نیچے لوگوں نے نمازیں پڑھنا شروع کردی تھیں فتنہ کے ڈر سے کٹوا دیا۔[2]

جناب عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ جب انہوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو کہا:

---

[1] [صحیح' سنن ترمذی' کتاب الفتن' باب ماجاء لترکبن سنن من کان قبلکم (۲۱۸۰) وصححہ الترمذی وابن حبان]

[2] [ضعیف' البدع والنھی عنھا لابن وضاح (۱۰۷) اس کی سند منقطع ہے۔]

"اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھتا تو تجھے کبھی نہ چومتا۔"[1]

یہ اس لیے کہ فضیلت' تبرک اور ثواب کی بنیاد دین حق کی اتباع میں ہے' بدعات کے ذریعے تو شرک اور گمراہی کے چور دروازے کھل جاتے ہیں۔

غصب شدہ زمینوں پر مسجدیں بنا کر یہ سمجھنا کہ اب گناہ دھل چکا ہے

اللہ کی قسم یہ وہ حیلہ ہے جس کے ذریعے اللہ اور اس کے بندوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی جاتی ہے' اس لیے کہ غصب شدہ زمین جب تک اس کے مالک کو واپس نہ لوٹا دی جائے پاک نہیں ہوتی' اس پر مسجدیں بنانے یا وقف کرنے سے اس کا گناہ کم نہیں ہوتا۔

فخر و تکبر کی بنا پر مسجدیں تعمیر کرنا اور ان کی نقش و نگاری

یہ بھی بدعت ہے کہ بعض لوگ یہود و نصاریٰ کی تقلید میں اپنی مسجدوں کی نقش و نگاری اور زیب و زینت میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں ان کنیساؤں (عیسائی عبادت خانوں) کا ذکر ہے جنہیں انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور جن میں تصویریں تھیں' ان لوگوں پر رسول اللہ ﷺ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

> "ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے تھے اور وہاں یہ تصویریں بنا کر رکھ دیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک' اس کی مخلوق میں' سب سے زیادہ برے ہیں۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جو شخص ان مشرکین کے راستے پر گامزن' ان کے مذہب پر راضی اور ان کے طرز عمل کا دیوانہ ہے وہ انہی جیسا مشرک ہے اور ان کی جماعت سے ہی اس کا تعلق ہے۔ آدمی اپنے دوستوں کے ساتھ پہچانا جاتا ہے جو جس سے سچی محبت کرے گا اس کا حشر

[1] [صحیح بخاری' کتاب الحج' باب تقبیل الحجر (۱۶۱۰) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب استحباب تقبیل الحجر الاسود فی الطواف (۱۲۷۰)]

بھی اس کے ساتھ ہوگا' کسی قوم سے مشابہت کرنے والا انہی میں سے ہوتا ہے۔

آج کل لوگ مسجدوں کی کثرت اور نقش و نگاری میں از حد مبالغہ کر رہے ہیں' ہر گلی کوچہ میں ایک مسجد کھڑی ہے حتیٰ کہ بعض ایسے علاقے بھی ہیں جہاں ہر دس میٹر کے بعد ایک بلند و بالا مسجد موجود ہے' اس طرز عمل نے مسلمانوں کو فرقہ پرستی اور گروہ بندی میں مبتلا کر دیا ہے' ایسی مسجدیں بنانے والے اکثر لوگ دنیاوی مقاصد پیش نظر رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں اس عمل سے ان پر عوام الناس میں صالحین کا ٹھپہ لگ جائے گا یا نیک کار اور مصلح کے نام سے چار سو مشہور ہو جائیں گے۔ بعض لوگ انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لیے یہ عظیم الشان مسجدیں تعمیر کرتے ہیں' مقصد صرف دنیا کی عزت اور شہرت ہے اور بس!

جو شخص صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے مسجد بنائے گا تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ

((مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا يَبْتَغِي بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ مِثْلَهٗ فِي الْجَنَّةِ))[1]

''جس شخص نے صرف اللہ کی رضا کے لیے کوئی مسجد بنائی تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایسا ہی گھر بنا دے گا۔''

اور جس شخص نے ریا' دکھاوے اور سستی عوامی شہرت کے لیے مسجد بنائی تو اس کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

((مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ' وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللّٰهُ بِهٖ))[2]

''جو شخص لوگوں کو اپنی (بزرگی اور پارسائی) سنائے گا اللہ تعالیٰ اس (کی

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الصلوٰۃ' باب من بنی مسجدا (۴۵۰)صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب فضل بناء المساجدوالحث علیها(۵۳۳)]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الرقاق' باب الریاء والسمعة(۶۴۹۹)صحیح مسلم' الزهد' باب من اشراط فی عمله غیرالله (۲۹۸۷)]

برائیاں لوگوں) کو سنادے گا اور جو دکھاوا کرے گا اللہ (بھی) اسے ذلت و رسوائی اور عذاب دکھادے گا۔"

سلف صالحین نے مساجد کی نقش نگاری سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جس طرح یہود و نصاریٰ نے (اپنی مساجد کی) نقش و نگاری کی تھی تم بھی ایسی ہی نقش و نگاری کرو گے۔"[1]

ابوسعید القمری نے کہا: "جب تم اپنی مسجدوں کی نقش و نگاری کرو گے۔ قرآن مجید کے نسخوں پر زیور چڑھاؤ گے تو تمہارا اختتام آجائے گا۔"[2]

مسلم البطین نے ایک مزین مسجد کو دیکھ کر کہا: "یہ فلاں قبیلے کا بیعۃ (یعنی یہود کا عبادت خانہ) ہے۔"[3]

یعنی یہ یہود اور عیسائیوں کے عبادت خانوں کے مشابہ ہے۔ مسلم البطین اس طرز عمل سے ڈرا رہے تھے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مساجد تو اللہ کی پسندیدہ جگہیں ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ کا تقرب اور رضا مندی چاہتا ہے تو کیوں نہ انہیں خوبصورت ترین بنانے کے لیے نقش و نگاری کرے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقرب وہی مقبول ہے جس پر شریعت میں دلیل ہو۔ مساجد کی تزئین اور نقش و نگاری کے مبالغہ پر شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس بات پر عبداللہ بن عباسؓ کا سابق قول بھی دلیل ہے جو کہ حکماً مرفوع ہے (یعنی ظن غالب یہی ہے کہ انہوں نے یہ بات نبی ﷺ سے ہی سنی ہے۔ واللہ اعلم)

---

[1] [حسن، ابوداؤد، الصلوۃ: باب فی بناء المساجد ح ۴۴۸ وعلقه البخاری فی صحیحه (ح ۴۴۶)]

[2] [ضعیف، مصنف ابن ابی شیبه، نسخه مرقمه ج ۱ ص ۲۷۴ ح ۳۱۴۸ باب فی ازینة المساجد و ما جاء فیها، محمد بن عجلان مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے۔]

[3] [ضعیف، ابن ابی شیبه ایضاً ح ۳۱۴۹ سفیان ثوری مدلس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں۔]

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسجد بنانے کا حکم دیا اور فرمایا: ''لوگوں کے لیے بارش سے بچاؤ کا بندوبست کرلو۔ خبردار! اسے سرخ یا زرد رنگ نہ لگانا ورنہ لوگ فتنے میں پڑ جائیں گے۔''[1]

تعمیر اور تزئین میں یہ مبالغہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین سے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد (نبوی) اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ اس کے ستون کھجور کے تنوں اور چھت کھجور کی ٹہنیوں پر مشتمل تھی۔ اس مسجد میں ابوبکر صدیق نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ (نمازیوں کی زیادتی کی وجہ سے) عمر رضی اللہ عنہ نے انہی خطوط پر مسجد نبوی میں اضافہ کیا۔ بعد میں جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے بدلا کر اس میں کئی اضافے کیئے۔ اس کی دیوار اور ستونوں کو پتھروں اور چونے کے ساتھ تعمیر کر کے اس پر نقش ونگاری کی۔ اس کی چھت بہترین لکڑی سے بنادی۔''[2]

اللہ آپ کو (اور ہمیں) سنت پر ثابت قدم رکھے، اس پر غور کریں کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں عظیم الشان فتوحات اور مال کی فراوانی کے باوجود خلفائے راشدین نے مساجد کی تعمیر اور زینت میں مبالغہ نہیں کیا۔ خاص طور پر بے شمار فضیلتوں والی مسجد نبوی میں بھی یہ کام نہیں کیا گیا۔

رہا جناب عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل تو اس کا مقصد صرف مضبوطی تھی تاکہ کافی عرصہ تک مسجد کی اصلاح کی ضرورت نہ رہے۔

ہاں یہ بات مستحب اور باعث ثواب ہے کہ مساجد کو پاک وصاف رکھا جائے۔ ان کے اندر جھاڑو دیا جائے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ:

---

[1] [صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ: باب بنیان المسجد ح ۴۴٦]

[2] [صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ: باب بنیان المسجد ح ۴۴٦]

''ایک عورت مسجد سے کپڑوں کے ٹکڑے اور چھوٹی موٹی لکڑیاں اٹھاتی تھی۔''[1]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قبلہ کی طرف، تھوک دیکھا۔ ناراضگی کی وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ ایک عورت نے اسے پونچھ کر صاف کر دیا اور تھوک کی جگہ خوشبو لگا دی۔ (یہ دیکھ کر) آپ نے فرمایا: ''ما احسن ھذا'' یہ کتنا خوبصورت ہے!''[2]

ام المؤمنین عائشہ (صدیقہ) رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں تعمیر کرنے اور انہیں صاف ستھرا اور خوشبو دار رکھنے کا حکم دیا ہے۔[3]

اس قسم کے دلائل کی وجہ سے علماء، مسجدوں کی صفائی کو مستحب بلکہ واجب سمجھتے ہیں۔

مسجد میں تھوکنا اور اسے صاف کرنے اور مٹانے کے بغیر چھوڑ دینا

مسجد کا مقصد عبادت اور اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے۔ لہٰذا مسجد کی صفائی اور دیکھ بھال واجب ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس میں گندگی پھیلانا اس کی توہین ہے جو کہ عبادت کی توہین پر مستلزم ہے۔ اس طرح سے بعض لوگوں کے دلوں میں سے مسجد اور اسلامی شعائر کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ اس سے اللہ ہم سب کو بچائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام (یعنی مسجد میں تھوکنے) سے سختی کے ساتھ ڈرایا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں، قبلہ کی طرف تھوک دیکھا تو لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا:

((ما بال احدکم یقوم مستقبل ربه فیتنخع امامه؟ ایحب

---

[1] [صحیح ابن خزیمہ' ج ا ص ۲۷۲، ح ۱۳۰۰]

[2] [ضعیف' سنن ابن ماجه، المساجد: باب کراهیة النخامة فی المسجد ح ۷۶۲، حمید الطویل مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے۔]

[3] [صحیح، ابوداؤد، الصلوة : باب اتخاذ المساجد فی الدور ح ۴۵۵،۴۵۲]

احدكم ان يستقبل فيتنخع فى وجهه؟ فاذا تنخع احدكم فليتنخع عن يساره اَوْ تحت قدمه، فان لم يجد فليسقل هكذا'' فتفل فى ثوبه، ثم مسح بعضه على بعض))[1]

''تمہیں کیا ہو گیا ہے اپنے رب کے سامنے (کھڑے ہو کر عبادت کے وقت) قبلہ کی طرف تھوک رہے ہو؟ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے چہرے پر تھوکا جائے؟ جب کسی کو (نماز میں) تھوک آ جائے تو (اگر مسجد کچی ہو تو) بائیں طرف اپنے (بائیں) قدم کے نیچے تھوک لے۔ یا پھر (اگر مسجد کچی نہ ہو) تو اس طرح اپنے کپڑے (مثلاً چادر رومال) پر تھوک کر لپیٹ لے۔ آپ نے یہ بات عملاً بھی سمجھائی۔''

اس سے زیادہ شدید یہ فعل ہے کہ تھوک کے بعد اسے دفن (یا پونچھ کر صاف) نہ کیا جائے چاہے تھوکنے والا خود ہو یا دوسرا آدمی اسے دیکھ لے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((البزاق فى المسجد خطيئة و كفارتها دفنها))[2]

''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے دفن (یا صاف) کرنا ہے۔''

ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عرضت على اعمال امتى، حسنها و سيئها فوجدت فى محاسن اعمالها الأذى يماط عن الطريق، ووجدت فى مساوئ اعمالها النخاعة تكون فى المسجد ولا تدفن))[3]

''(ایک دفعہ) مجھے امتوں کے اچھے اور برے اعمال دکھائے گئے میں نے

---

[1] [صحيح مسلم، المساجد : باب النهى عن البصاق فى المسجد ح ۵۵۰]

[2] [صحيح مسلم، ايضاً ح ۵۵۲ و صحيح بخارى، كتاب الصلوة : باب كفارة البزاق فى المسجد ح ۴۱۵]

[3] [صحيح مسلم، المساجد : باب النهى عن البصاق فى المسجد ح ۵۵۳]

اچھے اعمال میں سے دیکھا کہ تکلیف دینے والی چیز (مثلاً پتھر، کانٹے وغیرہ) کو راستے سے ہٹایا جا رہا ہے۔ اور امتوں کے برے اعمال میں اس تھوک کو دیکھا جو مسجد میں بغیر دفن (یا صفائی) کے پڑا ہوا ہے۔''

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں تھوکنا حرام ہے اور اس کا کفارہ (اور تلافی) اسے مٹا کر ہی ہو سکتی ہے۔ تھوکنے والا اگر اسے مٹائے نہیں تو گنہگار ہے۔

دوسری حدیث اپنے عموم کے لحاظ سے ہر اس شخص کو شامل ہے جو مسجد میں، تھوک کا مشاہدہ کر لیتا ہے مگر اسے مٹانے کی کوشش نہیں کرتا۔

امام نووی نے لکھا ہے کہ:

''اس کے ظاہر (یعنی عموم) سے معلوم ہوتا ہے کہ گنہگار صرف تھوکنے والا نہیں۔ بلکہ ہر وہ شخص ہے جو اسے دیکھ لے مگر اسے صاف کرنے اور مٹانے کی کوشش نہ کرے۔'' (شرح صحیح مسلم ۵/ ۴۲)

امام نووی کی تائید عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف والی دیوار پر تھوک دیکھا تو اسے خود مٹا دیا۔[1]

اگرچہ یہ فعل ہے جو وجوب پر دلیل نہیں تاہم اس سے سابق حدیث کے مفہوم کی تائید ضرور ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

لہسن، پیاز، وغیرہ بدبودار چیزیں کھا کر مسجد پہنچنا

بدبودار چیزیں مثلاً لہسن، پیاز وغیرہ کھا کر مسجد جانے کی ممانعت صحیح احادیث میں موجود ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من اکل ثوما او بصلا فلیعتزلنا۔ او فلیعتزل مسجدنا۔ او لیقعد فی بیتہ))[2]

---

[1] [صحیح بخاری کتاب الصلوۃ : باب حك البزاق بالید من المسجد ح ۴۰۶ و صحیح مسلم المساجد : باب النهی عن البصاق فی المسجد ح ۵۴۷]

[2] [صحیح بخاری، الاذان : باب ما جاء فی الثوم النئ والبصل والکراث ۸۵۵ و صحیح مسلم المساجد : باب نهی من اکل ثوما أو بصلاً ح ۵۶۴]

''جوشخص کچا لہسن یا پیاز کھالے تو ہماری مسجد یا مجلس میں نہ آئے بلکہ اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

((من اكل البصل و الثوم والكراث فلا يقربن مسجد نا فان الملائكة تتاذى مما يتاذى منه بنو آدم))

''جوشخص تھوم، پیاز یا گندنا[1] کھائے تو ہماری مسجد میں نہ آئے۔ جن چیزوں سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے ان سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔''[2]

اس کی تشریح میں امام نووی نے کہا:

''یہ حدیث اس بات کی صریح دلیل ہے کہ تھوم یا اس جیسی (بدبودار) چیزیں کھا کر مسجد جانا ممنوع ہے تمام علماء اس بات کے قائل ہیں۔ تاہم (یاد رہے کہ) یہ دلیل مسجد جانے سے ممانعت پر مبنی ہے لہسن پیاز نہ کھانے پر نہیں کیونکہ ان سبزیوں کے حلال ہونے پر قرآن و حدیث کے ساتھ اجماع (بھی) ہے۔ (یہاں یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ) لہسن، پیاز اور گندنا کے ساتھ وہ تمام چیزیں کھا کر مسجد آنا بھی ممنوع ہے جن کی بدبو ہوتی ہے۔''

(شرح صحیح مسلم ۵/ ۴۶، ۴۷)

یاد رہے کہ ان احادیث میں ممانعت کا تعلق کچی اشیاء سے ہے۔ اگر پکا کر ان کی بو ختم کر دی جائے تو یہ چیزیں کھا کر مسجد جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے لوگو! تم میرے خیال میں، دو خبیث پودوں، لہسن اور پیاز سے کھا کر مسجد آئے ہو۔ حالانکہ میں دیکھتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے تھے تو ایسے شخص کو مسجد سے نکال کر بقیع (کے دور مقام) تک پہنچا دیا جاتا تھا جس سے بدبو آتی

---

[1] لہسن کی قسم کی ایک تیز بدبودار سبزی ہے۔

[2] صحیح مسلم۔ حوالہ سابقہ نمبر ۲

تھی۔ پس جو شخص ایسی چیزیں کھانا چاہے تو پہلے انہیں خوب پکا کر ان کی بدبو ختم کر دے۔''[1]

اسی طرح شریعت میں اس بات کی سہولت ہے کہ بیماری کے علاج کے لیے یہ اشیاء کھا کر مجلس میں جانا جائز ہے۔ اس کی دلیل مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ:

میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ نے لہسن کی بدبو محسوس کی تو پوچھا ''کس نے لہسن کھایا ہے'' میں نے آپ کا ہاتھ لے کر اپنے سینے پر رکھا جہاں پٹیاں بندھی ہوئی تھیں تو آپ نے فرمایا:

((ان لك عذرا))

''تو معذور ہے۔''[2]

یہ چند منکرات ہیں جن کا تعلق مسجد کی صفائی اور پاکیزگی سے ہے۔ اب چند اور منکرات کا تعارف سن لیں۔

مسجد میں گم شدہ جانور تلاش کرنا

مسجدیں تو عبادت، نماز اور ذکر کے لیے بنائی گئی ہیں۔ نہ کہ گم شدہ جانوروں کی تلاش کے لیے آوازیں لگانا اور شور مچانا!،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ:

((من سمع رجلا ينشد ضآلة[1] في المسجد فليقل: لا ردها

---

[1] [صحیح مسلم۔ المساجد باب النهی من اكل ثوما او بصلا' ح ۵۶۷ المساجد]

[2] [وا سناده صحيح، ابوداؤد، الاطعمة : باب في اكل الثوم ح ۳۸۲۶]

[1] جو حیوان (مثلاً اونٹ، گائے وغیرھا) گم ہو جائے اسے ضالۃ کہتے ہیں، المصباح المنیر بحوالہ عون المعبود ج ۱ص ۱۷۷ غیر حیوان کو (ضالہ نہیں بلکہ) ضائع اور لقیط کہتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں حیوان تلاش کرنا منع ہے۔

الله عليك، فان المساجد لم تبن لهذا))[1]

''جو شخص کسی آدمی کو جانور تلاش کرتے ہوئے دیکھے تو اسے یہ کہہ دے کہ:
اللہ کرے تجھے تیرا جانور واپس نہ ملے کیونکہ مسجدیں (تیرے) اس کام کے
لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔''

پس بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
ایک شخص مسجد میں جانور تلاش کر رہا تھا کہہ رہا تھا کہ ''کسی نے سرخ اونٹ
دیکھا ہے؟'' تو (پیارے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((لا وجدت، انما بنيت المساجد لما بنيت له))[2]

''تجھے تیرا جانور واپس نہ ملے، (کیا تجھے معلوم نہیں کہ) مسجدیں جس کام
کے لیے بنائی گئی ہیں، یہاں وہی کام ہونا چاہیے۔''

مسجد میں خرید وفروخت اور اشعار پڑھنا

عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید و
فروخت کرنے اور اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔[3]

اس ممانعت کا تعلق غلط اور فضول اشعار کے ساتھ ہے جنہیں بعض لوگ زیب
داستان اور غیر شرعی مقاصد کے لیے پڑھتے رہتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد میں اشعار پڑھ رہے
تھے کہ اتنے میں جناب عمر رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ناراضگی سے
فرمایا کہ آپ اشعار پڑھ رہے ہیں؟

حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: میں اس وقت مسجد نبوی میں اشعار پڑھتا تھا۔
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود موجود ہوتے تھے۔

---

[1] [صحيح مسلم، المساجد : باب النهي عن نشد الضالة في المسجد ح ٥٦٨]

[2] [صحيح مسلم، ايضاً ح ٥٦٩]

[3] [حسن، ابو داؤد، الصلوٰة : باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلوٰة ح ١٠٧٩]

پھر میری طرف رخ کر کے کہا: اے ابو ہریرہ آپ کو اللہ کی قسم، کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا تھا کہ:

((اجب عنی، اللهم ایده بروح القدس))

''میری طرف سے (مشرکین کو) جواب دو اے اللہ حسان کی جبریل کے ساتھ مدد کر۔''

میں نے کہا: جی ہاں[1]

ابن المنذر نے ''الاوسط'' (۵/ ۱۲۷) میں کہا:

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: جس میں نبی ﷺ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مسجد میں مشرکین کی ہجو کہنے کی اجازت دی ہے، اس کی دلیل ہے کہ مسجد میں اچھے اشعار پڑھنے جائز ہیں اور برے اشعار پڑھنے منع ہیں۔ اشعار اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ حسان چونکہ مشرکین کی ہجو (اور رسول اللہ ﷺ کی حمایت) میں اشعار کہتے تھے لہٰذا آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حسان کی جبریل امین کے ساتھ مدد فرمائے۔''

یہاں ایک مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے کہ (اگر پوچھا جائے) بعض لوگ، مسجدوں میں نغموں اور ترنم کے ساتھ، اشعار اور نعتیں وغیرہ پڑھتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان نعتوں، ترانوں وغیرہ کو اچھے اشعار میں شامل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان کا مقصد ہی نغمہ اور ترنم ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں ''التغبیر'' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

''میں، عراق میں، اپنے پیچھے ''التغبیر'' نامی چیز چھوڑ کر آیا ہوں جسے زندیقوں (یعنی دین اسلام کے دشمنوں) نے، لوگوں کو قرآن مجید سے

---

[1] [صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق : باب ذکر الملائکۃ ح ۳۲۱۲ و صحیح مسلم کتاب الفضائل : باب فضائل حسان بن ثابت ح ۲۴۸۵]

ہٹانے کے لیے کھڑا ہے۔“

(مناقب الشافعی لابن ابی حاتم ص ۳۰۹، ۳۱۰، اس کی سند صحیح ہے)

اسے امام احمد بن حنبل نے بھی ناپسند فرمایا ہے

(مسائل احمد بروایت ابن نبت منیع ۴۴)

(بدعتی) لوگوں کے اس عمل میں کئی باتیں قابل اِعتراض ہوتی ہیں۔

ا۔ مسجد میں آوازیں بلند کرنا

ب۔ دوسرے نمازیوں کو تکلیف دینا

ج۔ ایسا وسیلہ پکڑنا جو شریعت میں ممنوع ہے

د۔ شرک صریح کا ارتکاب/مثلاً غیر اللہ سے مافوق الاسباب مدد مانگنا، وغیرہ

عورتوں کا دعوت یا طلبِ علم کے بہانے، مردوں کو مسجدوں سے روک دینا

آج کل ایک انتہائی بری بدعت ”اسلام کی دعوت“ ”اللہ کی طرف دعوت“ یا طلبِ علم کے (حسین) نام پر مروج ہو رہی ہے۔ بعض عورتیں ایک ایسی مسجد کو جاتی ہیں جہاں مرد نمازیں پڑھتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی واضح رکاوٹ بھی نہیں ہوتی۔ یا انتہائی معمولی پردہ ہوتا ہے۔ وہاں یہ عورتیں دعوت یا طلبِ علم کے لیے بیٹھ جاتی ہیں اور مردوں پر مسجد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے!

کافی عرصہ پہلے، میں نے اپنی کتاب ”الأداب الشرعية في طلب العلم للنساء“ (ص ۳۸) میں اس بدعت کا رد لکھا تھا جس کے جواب میں بعض جاہلوں نے کذب و افتراء کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ ہم عورتوں کے لیے طلبِ علم کے خلاف ہیں۔ حالانکہ ہم اس افتراء سے بالکل بری ہیں۔ بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر مسجد میں عورتوں کے لیے علیحدہ مقام ہے تو ذوق وشوق سے درس و تدریس قائم کریں۔ اور اگر علیحدہ مقام نہیں ہے تو پھر مردوں کو مسجد سے روکنے کا باعث

نہ بنیں،

اس تحقیق کے بعد، مجھے شیخ جمال الدین قاسمی کا یہ کلام ملا کہ:

''عورتوں کو کسی خاص مسجد میں وعظ کرنا چاہیے۔ اگلے زمانے میں غیرت مند اور متقی لوگ عورتوں کو خاص مقامات پر وعظ و نصیحت اور درس و تدریس کرتے تھے۔'' (اصلاح المساجد من البدع والعوائد ص ۲۲۴)

شام کے علامہ (اور مشہور محدث) الشیخ محمد ناصرالدین الالبانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الصحیحہ جلد ششم پر اس سلسلہ میں سیر حاصل بحث کر کے ہمارے موقف کی تائید کی ہے۔ والحمدللہ

مسجد میں آوازیں بلند کرنا

بعض لوگ ذکر بالخیر و لا الہ الا اللہ، وغیرہ، اونچی دعائیں، آہ و بکاء کی صدائیں، بلند و بانگ تقریریں، اونچا قرآن پڑھنے وغیرہ کے ساتھ دوسرے نمازیوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں (حالانکہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے) مسجدوں کی بنیاد کا مقصد نماز اور اللہ کا ذکر ہے۔ دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچانا نہیں۔ مگر (وائے افسوس کہ) یہ بدعت بھی، ہر طرف دین کے نام پر پھیل چکی ہے۔ جمعہ کے دن خاص طور پر ایسی (مصنوعی) پرسوز اور (فن تجوید کا مظاہرہ کرنے والے ''قراء'' حضرات کی) قرأت قرآن کی آوازیں لاؤڈ سپیکروں پر بلند ہوتی ہیں کہ الامان والحفیظ، (نمازیوں اور اردگرد کے پڑوسیوں کا ناک میں دم ہوتا ہے۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن) حالانکہ یہ طرزِ عمل نہ نبی ﷺ سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی سے۔ نہ فعلاً نہ استحباباً، بلکہ جواز تک ثابت نہیں۔ اس کے سراسر برعکس عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس کی مخالفت ثابت ہے۔

السائب بن زید فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ اتنے میں جناب عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ: ''ان دو آدمیوں کو لے آؤ'' میں (مسجد میں سے) دونوں آدمیوں کو لے آیا (جو کہ اونچی اونچی باتیں کر رہے تھے) جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے

پوچھا: ''کہاں کے رہنے والے ہو؟''

وہ کہنے لگے: ''طائف کے۔''

فرمایا: اگر تم اسی شہر (یعنی مدینہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں (خوب) مارتا۔ تم مسجد نبوی میں اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو۔[1]

حافظ ابن حجر نے حدیث کے الفاظ ''لاوجعتکما'' میں تمہیں (بہت زیادہ مارتا۔ سے یہ استدلال کیا ہے کہ حدیث حکماً مرفوع ہے اس لیے کہ کوڑے مارنا اسی فعل پر مشروع ہے جس کی ممانعت شریعتِ مطہرہ میں ثابت ہے۔ (فتح الباری ۱/ ۴۴۴)

مساجد میں بعض خاص راتوں میں، حد سے زیادہ خوبصورتی کا اہتمام اور چراغاں کرنا

مثلاً رجب کی ستائیسویں، پندرہ شعبان کی رات، پندرہ رمضان کی رات، عاشوراء کی راتوں وغیرہ میں (ثواب) ومستحب سمجھتے ہوئے یہ کام کیے جاتے ہیں حالانکہ ان دنوں کی فضیلت میں سوائے عاشوراء کے دن کے، کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ اس پر تفصیلی بحث عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ

اس طرح غیر ثابت امور میں مال بھی ضائع ہوتا ہے اور ناجائز اسراف بھی ہوتا ہے۔ بلکہ بعض لوگ اس ذریعے تکبر اور اپنی دولت کا ناجائز مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ اگر یہ اموال زکوٰۃ اور صدقات کے صحیح مصارف میں خرچ ہوتے تو ان سے غریبوں کو بڑا فائدہ پہنچ سکتا تھا جو کہ شریعت کا مطلوب ومقصود ہے۔

قبروں اور قبروں پر مساجد میں چراغ جلانے اور چادریں چڑھانے کی نذریں

یہ شرک کا چور دروازہ ہے جس پر تفصیلی بحث ''ابواب الایمان والنذور'' میں ہو

---

[1] [صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ : باب رفع الصوت فی المساجد ح ۴۷۰]

گی۔ان شاء اللہ

شیخ محقق علاء الدین بن العطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((لا يجوز ان ينذر لقبر ولا لميت و لا يحيٰى ، فان نذر ، فان اعتقد))

''کسی قبر یا میت یا زندہ کے لیے نذر ماننا جائز نہیں ہے۔ اگر نذر ماننے والا (ان کے لیے) اسے حلال سمجھے گا تو یہ کفر ہے۔اسے توبہ کرائی جائے گی ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ اور اگر اس کا عقیدہ (غیر اللہ کے لیے نذر کی حلت کا) نہیں ہے تو بھی ایسا شخص فاسق ہے۔اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔''

(زيارة القبور ص ٦٢)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قبروں پر جو زیارت گاہیں ہیں ان پر کسی قسم کی نذر جائز نہیں، نہ تیل نہ موم بتیاں، نہ پیسے وغیرہ اور قبروں کے مجاورین اور خدمت گاروں کو بھی کچھ نہ دیا جائے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے قبروں کے مجاوروں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔جس نے ایسی نذر مان لی تو ان کی نذر گناہ والی نذر ہے (جسے پورا نہ کرنا لازم ہے)۔''

(مجموع الفتاوٰی ۲۴/ ۳۱۹)

میں کہتا ہوں کہ آج لوگوں نے ان نذروں کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے اور مصیبتیں ٹالنے کے لیے قبر والوں کے ''دربار'' میں واسطہ بنا رکھا ہے۔ خاص طور پر عورتیں اپنے پیارے (خاوند، بھائی وغیرہ) کی ملاقات اور گم شدہ بچے کی بازیابی سے بھی زیادہ محبوب سمجھتی ہیں۔ شیطان نے انہیں شرک کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا رکھا ہے اور یہ سمجھتی ہیں کہ ''ان کے کام پورے ہو رہے ہیں!''

خانہ کعبہ کے پتھروں، غلاف اور مسجد نبوی کے ٹکڑوں سے تبرک

اس پر قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ تو (نرے) پتھر ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور

نہ نقصان، نہ ان کے لیے برکت مانگی جا سکتی ہے اور نہ انہیں چھو کر یا چوم کر برکت حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ کام نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ سے (بالکل) ثابت نہیں ہے۔ صرف حجر اسود کو چومنا ثابت ہے اور ص ۹۲ پر گزر چکا ہے کہ (امیر المؤمنین) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومنے کے بعد فرمایا تھا کہ: ''اگر میں، رسول اللہ ﷺ کو، تجھے چومتے نہ دیکھتا تو تجھے کبھی نہ چومتا۔''

اور ایک (دوسری) روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

''اور میں یہ جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان۔''[1]

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو، نبی ﷺ کی سنت کے اتباع پر چوما تھا نہ کہ تبرک یا نفع حاصل کرنے کے لیے، جیسا کہ آپ کے کلام سے واضح ہے۔

بعض گمراہ اور خبیث رافضیوں کی ایک بڑی جماعت نے مسجد نبوی میں توسیع کے دوران پتھر کے ٹکڑوں سے تبرک حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ انہیں اپنے چہرہ پر رکھتے تھے۔ خیر، یہ کوئی عجیب بات نہیں یہ لوگ تو کربلا کی مٹی کو بھی (بڑا) متبرک سمجھتے ہیں۔ وہ (عام طور پر) اس کے (یا دوسری مٹی کے) ٹکڑے پر ہی سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ انہیں رسوا کرے ان لوگوں کے دل کتنے گمراہ ہیں اور دماغ کتنے چھوٹے ہیں!

جمعہ، عید اور خاص دنوں وغیرہ میں، مسجد میں بھکاریوں کا خیرات مانگنا

عرب کے علاقے اور دیگر ممالک میں یہ بدعت بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ چھوٹی مسجد ہو یا بڑی، ''ضرورت مند'' اور سوالی قسم کے حضرات وہاں پہنچ کر یہ حرکتیں کرتے ہیں۔ رہی نماز تو یہ لوگ نہ مسجد کے اندر پڑھتے ہیں اور نہ باہر۔ اگر آپ انہیں نماز کی دعوت دیں تو طرح طرح کے عذر تراش لیتے ہیں۔

---

[1] [صحیح بخاری، کتاب الحج: باب ما ذکر فی الحجر الأسود، ح ۱۵۹۷ و صحیح مسلم، دیکھئے ص ۹۲]

اس سے بھی زیادہ خطرناک وہ بات ہے کہ نماز کے بعد ایک نمازی کھڑا ہوکر انتہائی فصیح و بلیغ (اور رٹا رٹایا) خطبہ ارشاد فرماتا ہے۔ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ بھائی چارے، نیکی کی ترغیب اور برائی سے نفرت کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ لوگوں سے (اپنی عاجزی اور غربت ظاہر کرکے) روپے پیسے مانگتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے (مصنوعی) آنسو جاری ہوتے ہیں اس طریقے سے یہ ٹھگ، لوگوں کے اموال بٹور کر نو دو گیارہ ہو جاتا ہے۔ مصنوعی سوالیوں کا یہ انتہائی خطرناک طریقہ ہے۔ (واللہ المستعان)

یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿للفقرآء الذین احصروا فی سبیل الله لایستطیعون ضربا فی الارض یحسبهم الجاهل اغنیآء من التعفف تعرفهم بسیمهم لا یسئلون الناس الحافا﴾ [البقرہ: ۲۷۳]

''(صدقات) ان فقیروں کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوتے ہیں۔ زمین میں چلنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ خود داری سے یہ سوال نہیں کرتے جس کی وجہ سے ناواقف یہ سمجھتا ہے کہ یہ امیر لوگ ہیں۔ آپ انہیں ان کی علامتوں سے پہچان سکتے ہیں۔ یہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔''

اور یہ سوال وہ بھی نہیں ہیں جن کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ:

((من لیستعفف یعفه الله ومن یستغنی یغنه الله))[1]

''جو شخص سوال سے بچے گا اللہ اسے بچالے گا۔ اور جو بے نیاز بنے اللہ اسے بے نیاز کر دے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے (یہ بھی) فرمایا کہ:

---

[1] [صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ: باب الاستعفاف عن المسألة ح ۱۴۶۹، صحیح مسلم، الزکاۃ، باب فضل التعفف والصبر والقناعة ح ۱۰۵۳]

((قد فلح من اسلم و رزق کفافا و قنعه الله بما آتاه))[1]

''جس شخص نے اسلام قبول کیا، ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور اللہ نے اسے اس پر صبر و قناعت عطاء فرمائی تو وہ کامیاب ہو گیا۔''

نیز فرمایا:

((ما یزال الرجل یسأل الناس حتی یأتی یوم القیامة ولیس فی وجهه مزعة لحم))

(بھکاری) آدمی لوگوں سے (آخری وقت تک) سوال کرتا رہے گا حتی کہ وہ (اللہ کے دربار میں) قیامت کے دن (اس حالت میں) آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا تک نہیں ہو گا۔[2]

ایسے لوگوں کی اکثریت رزق کمانے اور کام کرنے پر قدرت رکھتی ہے۔ لیکن یہ لوگ مال کمانے کے لیے (یہ) آسان ترین راستہ اختیار کرتے ہیں۔ انہیں حلال و حرام کی پرواہ نہیں ہوتی (صرف مال جمع کرنا ہی مقصود ہوتا ہے) حالانکہ (مسئلہ یہ ہے کہ) سوال کرنا صرف اس شخص کے لیے جائز ہے۔ جو کمانے پر قادر نہ ہو۔ اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے اور نہ سوال کرنے میں، چمٹ کر تنگ کرے۔

امام نووی فرماتے ہیں:

''ہمارے علماء کا، کمانے والے شخص کے سوال کرنے کے بارے میں اختلاف ہے کہ جائز ہے یا ناجائز، صحیح ترین قول یہ ہے کہ احادیث کے عموم کی وجہ سے یہ حرام ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ حلال (اور) مکروہ ہے۔

۱۔ اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے

---

[1] [صحیح مسلم، الزکاۃ : باب فی الکفاف والقناعۃ ح ۱۰۵۴]

[2] [صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ : باب من سال الناس تکثراً ح ۱۴۷۴ صحیح مسلم، الزکاۃ : باب کراھة المسألة للناس، ح ۱۰۴۰]

۲۔ مانگنے میں منت سماجت نہ کرے
۳۔ مانگنے والے کو تنگ نہ کرے۔

اگر ان شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوئی تو یہ مانگنا بالا جماع حرام ہے۔''

(شرح صحیح مسلم ۳/ ۷۶)

امیر لوگوں پر یہ لازم ہے کہ وہ ایسے مستحق اشخاص کو تلاش کر کے صدقات وغیرہ ان تک پہنچائیں۔ جو نہ سوال کرتے ہیں اور نہ اس کا اظہار کرتے ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

((لیس المسکین بھذا الطواف الذی یطوف علی الناس، فتردہ اللقمة واللقمتان، والتمرة والتمرتان))

''مسکین وہ شخص نہیں جو ایک دو لقموں یا ایک دو کھجوروں کے لیے در بدر پھرتا رہتا ہے۔''

پوچھا گیا کہ پھر مسکین کون ہے، اے اللہ کے رسول؟

فرمایا:

((الذی لایجد غنی یغنیه ولا یفطن له فیتصدق علیه، ولایسأل الناس شیئًا))

''جس کے پاس اتنا مال نہیں ہوتا کہ اسے غنی کر دے۔ اور نہ لوگوں کو پتہ چلتا ہے تا کہ اسے صدقہ دیا جائے۔ وہ لوگوں سے کچھ مانگتا ہی نہیں۔''[۱]

رہے آج کل کے بھکاری، تو ان کی اکثریت باطل پرست لوگ ہوتے ہیں۔ نہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور نہ انہیں اقامت دین کا کوئی خیال ہے۔ بلکہ بہت سے ایسے لوگ پیسے مانگ کر نشہ آور اشیاء (مثلاً ہیروئین وغیرہ) پیتے ہیں۔ ان میں سے بعض چھوٹے چھوٹے نابالغ بچوں کو ٹریننگ دے کر یہ پیشہ کراتے ہیں اور پھر ان سے

---

[۱] [صحیح بخاری کتاب الزکاة : باب قول اللہ لا یسألون الناس الحافا ح ۱۴۷۹، ۱۴۷۶، صحیح مسلم، الزکاة باب المسکین الذی لایجد غنی (واللفظ له) ح ۱۰۳۹]

جانوروں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ جمع شدہ مال سے انہیں کھلاتے تک نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے۔[1]

مسجد میں ایک خاص مقام مقرر کرنے کی کراہت کا عقیدہ

بعض لوگ ایک حدیث کی بنیاد پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں جس میں یہ آیا ہے کہ: نبی ﷺ نے مسجد میں ایک خاص مقام مقرر کرنے سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ ایک اونٹ اپنے (بیٹھنے کے) لیے ایک مکان مقرر کر لیتا ہے۔[2]

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ میں نے ''صون الشرع الحنیف بیان الموضوع والضعیف'' (۱۹۷) میں تحقیق کی ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال ساقط ہے۔ لیکن (قابل تعجب بات یہ ہے کہ) شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے اسے دو سندوں کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے (السلسلة الصحيحه ۱۱۶۸) ایک میں شدید ضعیف راوی ہے اور دوسری سند میں مجہول نا معلوم شخص ہے۔ بعض متأخرین کا یہ مسلک ہے کہ کم ضعف والی روایتیں اپنی مختلف اسانید سے مل کر حسن لغیرہ ہو جاتی ہیں نہ کہ شدید ضعف والی روایتیں (ان کا وجود اور عدم وجود برابر ہے)

ابن المنذر النیسابوری نے ''الاوسط'' (۵/ ۱۳۰) میں لکھا ہے کہ:

''جو شخص سب سے پہلے جس مقام پر (مسجد میں) پہنچ جائے تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے جب تک وہاں ٹھہرا رہے گا۔ جب وہ چلا جائے گا تو اس کا اس پر حق بھی باقی نہیں رہے گا۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں ...... اور مساجد وہی لوگ آباد کرتے ہیں۔

---

[1] [کئی لوگ آج کل جہاد، جماعت، مدرسہ اور پارٹی کے نام پر مسلمانوں سے چندہ بٹور کر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ]

[2] [یہ روایت حسن ہے۔ تمیم بن محمود جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہے دیکھئے نیل المقصود (۸۶۲) مؤلف کا اسے ضعیف کہنا غلط ہے۔]

جو اللہ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔''

یہاں یہ بات یاد رہے کہ بعض لوگ، مسجد حرام یا مسجد نبوی یا روضہ شریفہ کے پاس، اگلی صفوں کی بعض جگہیں اپنے لیے مقرر کر لیتے ہیں۔ یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس طریقے سے مسجد نمازیوں پر بند کر دی جاتی ہے۔

یہ صرف اس حال میں جائز ہے کہ بیٹھا ہوا آدمی کسی شرعی عذر مثلاً قضائے حاجت، تجدید وضوء، کسی کو راستہ بتانا وغیرہ کے لیے جا سکتا ہے۔ اس کا حکم اعتکاف کرنے والے کا حکم ہے جو کہ ضروری حاجت کے لیے جا سکتا ہے، جس سے اس کا اعتکاف خراب نہیں ہوتا۔ اس طرح شرعی عذر والے کا مقام بھی اس کا ہی رہتا ہے۔ (واللہ اعلم)

بچوں کو مسجدوں سے روکنا

اگرچہ (شیخ) جمال الدین القاسمی وغیرہ بعض علماء اس کے قائل ہیں کہ بچوں کو مسجدوں سے روکنا چاہیے (دیکھئے اصلاح المساجد ص ۱۸۴) ان کا استدلال درج ذیل حدیث پر ہے۔

((وجنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم))
''اور اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ۔'' [1]

قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''بچے کا کام ہی کھیلنا کودنا ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے کھیل کود سے نمازیوں کو تکلیف دے گا۔ یا مسجد کو کھیل کا میدان بنا لے گا۔ لہٰذا بچوں کو مسجد سے روکنا چاہیے۔''

حالانکہ اوپر ذکر کردہ حدیث سخت ضعیف ہے جیسا کہ میں نے صون الشرع

[1] [موضوع، ابن ماجہ : المساجد باب ما یکرہ فی المساجد ح ۷۵۰، اس کا راوی ابو سعید المصلوب مشہور کذاب اور زندیق تھا۔ اسے وضع حدیث کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا۔]

الشریف (۲۰۲) میں تفصیلاً لکھا ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال جائز نہیں۔ بلکہ نبی ﷺ سے اس کے سراسر خلاف ثابت ہے آپ حسن وحسین کو مسجد میں لے جاتے تھے۔

اذان، نماز اور جمعہ

اذان، نماز اور جمعہ کی بدعات اور ان کا سنت سے رد

اذان کے درمیان حی علی خیر العمل کا اضافہ

رافضیوں کی یہ مشہور بدعت ہے۔ جس طریقے سے یہ لوگ تمام نمازوں کی ہر اذان میں یہ الفاظ کہتے ہیں۔ دین اسلام میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عام اذانوں میں حی علی خیر العمل کے الفاظ (ثابت) نہیں ہیں۔ بعض صحابہ نے (کبھی کبھار) کسی عذر کی وجہ سے یہ الفاظ کہے یا کہلائے ہیں۔''

(مجموع الفتاوٰی ۲۳/ ۱۰۳)

امام ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کا اضافہ کیا۔ (۱/۱۹۶)

لیکن انہوں نے اس پر مداومت نہیں کی۔ بلکہ ظاہر ہے کہ یہ فعل (اضافہ) انہوں نے (کبھی کبھار) صبح کی اذان میں کیا ہے۔ جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی دوسری روایت میں ہے کہ: عبداللہ بن عمرؓ اذان میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' کہتے اور کبھی کبھار ''حی علی خیر العمل'' بھی کہہ دیتے تھے (اس کی سند حسن ہے)

یہ روایت اس کی دلیل ہے کہ یہ اضافہ وہ کبھی کبھار کرتے تھے۔

---

[1] [رافضیوں نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ''اشھد ان علیا ولی اللہ خلیفتہ بلافصل'' کے من گھڑت الفاظ کا بھی اذان میں اضافہ کر دیا ہے۔ جو ابن بابویہ القمی الرافضی کے نزدیک ملعونوں کا کام ہے۔]

ابن ابی شیبہ نے (امام) زین العابدین علی بن الحسین سے نقل کیا کہ وہ (صبح کی) پہلی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد یہ اضافہ کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سلف صالین کا یہ (شاذ و نادر) عمل صبح کی پہلی اذان (یعنی صبح حقیقی والی اذان جو اقامت سے پہلے کہی جاتی ہے) میں ہوتا تھا (جسے رافضیوں نے مخالفت کرتے ہوئے تمام اذانوں میں مقرر کر دیا ہے)

کلمہ شہادت میں ''سیدنا'' کا اضافہ

گویا کہ مؤذن یہ کہے ''اشهد ان سيدنا محمداً رسول الله''

یہ صوفیوں اور گمراہ سلسلے والوں کی بدعت ہے۔ بہانہ یہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت، تعظیم اور سرداری ماننا واجب ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ کی محبت اور تعظیم واجب ہے، لیکن یہ محبت اور تعظیم آپ ﷺ کی سنت کی اتباع میں ہی ہوگی نہ کہ مخالفت سے۔ لہٰذا ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کی سنت پر نہ زیادتی کی جائے اور نہ بڑھنے کی کوشش کی جائے۔

رہا ''سیدنا'' کا استعمال، تو یہ جائز نہیں ہے۔

عبد اللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بنی عامر کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ ہم نے کہا:

((انت سيدنا))

''آپ ہمارے ''سید'' (سردار) ہیں۔''

تو آپ نے فرمایا: السید تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہے

ہم نے کہا: آپ ہم میں سے سب سے افضل اور بلند مرتبے والے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

((قولوا بقولكم او بعض قولكم ولا ليستجرينكم الشيطان))

''وہی کہو جو پہلے کہتے تھے (یعنی رسول اللہ، نبی اللہ وغیرہ) یا اس کے مشابہ

کہو، اور (یادرکھو) کہیں تمہیں شیطان پھسلا (کر اپنا نمائندہ بنا) نہ دے۔''[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو منہ پر سید کہنا یا رسول اللہ ﷺ کو نبی کے بجائے صرف ''سید'' یعنی دنیا کا عام سردار سمجھنا غلط ہے۔ رہا آپ ﷺ کا سید ولد آدم ہونا تو یہ اظہر من الشمس ہے۔ جب آپ سید الناس ہیں آپ کا نواسہ حسن بھی سید ہے رضی اللہ عنہ، تو آپ ﷺ کو سید سمجھنا اور کہنا بالکل صحیح ہے البتہ درود یا کلمہ شہادت میں یہ اضافہ ''سیدنا'' ثابت نہیں ہے۔

نبی ﷺ نے ان لوگوں پر مطلقاً طور پر سید کے استعمال پر انکار کیا کیونکہ یہ لفظ علی الاطلاق کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہے حتیٰ کہ آپ کے لئے بھی نہیں، باوجود اس کے کہ آپ مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ کیونکہ یہ ''السید'' اللہ کے ناموں میں سے ہے۔

اذان کے (فوراً) بعد (خودساختہ) درود وسلام کا اضافہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعض مقامات پر، جمعہ کے خطبہ سے پہلے، بعض اذان دینے والے درود وسلام کا جو (بآواز بلند) اضافہ کرتے ہیں وہ آئمہ کے اتفاق سے مکروہ یا حرام ہے۔ بعض علماء یہ (ضرور) کہتے ہیں کہ (مسنون) درود دل میں پڑھے یا خاموش رہے۔

(مجموع الفتاوی ۲۲/ ۴۷۰)

میرے خیال میں بھی خاموشی ہی لازم ہے کیونکہ اس کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ کا یہ کلام (صرف) جمعے کے دن کے بارے میں ہے۔ لہٰذا جو لوگ ساری نمازوں (کی اذانوں) میں یہ حرکت کرتے ہیں سنت نبوی اور عمل صحابہ کی کتنی بڑی مخالفت کے مرتکب ہیں۔!

بے شمار (بلکہ متواتر) سندوں سے یہی ثابت ہے کہ بلال اور ابومحذورہ (وغیرہما

---

[1] [اسنادہٗ صحیح، ابوداؤد: الأدب باب فی کراھیۃ التمادح، ح ۴۸۰۶]

صحابہ) کی اذان "لا الہ الا اللہ" پر ختم ہو جاتی تھی۔ اس بارے میں کوئی حدیث مروی نہیں کہ اذان کے ساتھ ملا کر (بلند آواز سے) درود پڑھنا مستحب ہے۔

بعد میں مجھے شیخ علی محفوظ رحمہ اللہ کا کلام ملا کہ (بلند) درود سلام کے اذان میں ملانے کی بدعت کی ایجاد محتسب مصر صلاح الدین البرسی نے جمعہ کی رات میں کی تھی۔ پھر نجم الدین ارطنبذی، جو گندا آدمی اور رشوت خور تھا، نے اسے تمام نمازوں پر پھیلا دیا۔ یہ بات (مورخ) المقریزی نے کہی ہے۔

شیخ علی محفوظ نے علامہ ابن حجر (بدعتی) کی کتاب "الفتاوٰی الکبریٰ" سے نقل کیا کہ: "ہمارے استادوں سے مروجہ درود و سلام کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ: اصل و مسنون درود، اذان سے جدا، جہر کے بغیر سنت ہے اور یہ مروجہ کیفیت بدعت ہے۔"

شیخ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

"خلاصہ یہ کہ اذان، مسلمانوں کا شعار ہے جو کتب حدیث اور کتب فقہ میں تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ اسی پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ رہا مروجہ درود و سلام تو یہ بہت بعد والے بدعتی مؤذنین کا اضافہ (اور بدعت) ہے۔"

یہاں پر یاد رہے کہ علماء کا یہ قول کہ "اصل سنت ہے اور کیفیت بدعت ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے بعد (مسنون) درود پڑھنا تو سنت ہے۔ لیکن اسے اونچی آواز (بلکہ خود ساختہ الفاظ کے اضافے) کے ساتھ پڑھنا بری بدعت ہے۔

اذان سے پہلے دعا کرنا یا قرآن کی کوئی آیت (یا آیتیں) پڑھنا

بعض لوگ اذان سے پہلے "وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا" پڑھتے ہیں اور بعض "یا کریم یا رب" کے نعرے لگاتے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"مؤذن کا اذان سے قبل "وقل الحمد اللہ الذی لم یتخذ ولدا" پڑھنا بدعت ہے۔"

(البدع و المحدثات وفالا آحل له ص ۲۰۲)



نماز کی زبانی نیت

بے شمار نمازیوں کی یہ بڑی مشہور بدعت ہے کہ وہ نماز سے پہلے مختلف الفاظ کے ساتھ زبانی نیتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں مثلاً

((نویت ان اصلی کذا رکعة فرضاً للظھراؤ ...... ونحوہ))

''میں نیت کرتا ہوں کہ اتنی رکعات نماز پڑھوں گا۔ظہر کی یا ......اس جیسے الفاظ ہوتے ہیں۔''

یہ پرانی بدعت ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کی کوئی دلیل نہیں حتی کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اس کی مؤید نہیں ہے۔

بلکہ نیت کا مقام دل ہے جیسا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے اور اسی پر عقل والوں کا اجماع ہے۔ زبان کے ساتھ نماز یا دوسری عبادات میں نیت کرنا نہ تو نبی ﷺ سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی سے، نہ کسی تابعی سے اور نہ کسی معتبر امام سے۔

اس مسئلہ پر نہ کوئی صحیح سند ہے اور نہ ضعیف' آپ ﷺ کا افتتاح نماز میں صرف یہی طریقہ ہوتا تھا کہ ''اللہ اکبر'' کہتے تھے۔امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

''رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، اس (تکبیر) سے پہلے آپ کچھ بھی نہ کہتے اور نہ زبانی نیت کرتے۔ نہ یہ فرماتے کہ: میں ایسے، چار رکعتیں، قبلہ رُخ ہو کر پڑھتا ہوں، امام یا مقتدی کی حیثیت سے، اور نہ یہ فرماتے کہ: اداء ہے یا قضاء ہے یا (میری یہ نماز) فرض وقت (میں) ہے۔ یہ سب بدعات ہیں۔ آپ سے ان کا ثبوت نہ صحیح سند سے ہے اور نہ ضعیف سند سے۔ ان میں سے ایک لفظ بھی با سند (متصل) یا مرسل (یعنی منقطع) مروی نہیں ہے۔ اور نہ کسی صحابی سے یہ (عمل) منقول ہے۔ تابعین کرامؒ اور آئمہ اربعہؒ میں سے بھی کسی نے اسے (مستحب و مستحسن قرار نہیں دیا۔[1]

---

[1] [زاد المعاد ج اص ۲۰۱ فصل فی ھدیہ ﷺ فی الصلاۃ]

میں کہتا ہوں کہ یہ ایسا کام ہے کہ زبانی نیت کرنے والا وہی شخص، دوسرے نمازیوں کو تشویش (اور اذیت) میں مبتلا کرتا ہے۔ (حالانکہ) ایسا کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔

ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا

یہ عمل (یعنی رکوع سے پہلے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا) نبی کریم ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لوگوں کو (نبی ﷺ کی طرف سے) یہ حکم دیا جاتا تھا کہ (ہر) آدمی اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں کلائی (ذراع: ہاتھ کی انگلیوں سے لے کر کہنی تک) پر نماز میں رکھے۔

اس حدیث کے راوی۔ ابو حازم (تابعی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ:

مجھے یہی علم ہے کہ سہل رضی اللہ عنہ اس حدیث کو نبی ﷺ تک پہنچاتے تھے۔[1]

(یعنی یہ حدیث مرفوع ہے) امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس پر یہ باب باندھا ہے کہ باب وضع الیمنیٰ علی الیسری، باب (نماز میں) دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا۔[2]

جو شخص (نماز میں) ناف سے نیچے ہاتھ باندھے، اس پر انکار کرنا

اس (مسئلہ) میں علماء کا اختلاف ہے کہ حالتِ قیام میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں (ناف سے اوپر، یا نیچے یا ناف پر؟)

بعض (مثلاً امام شافعیؒ وغیرہ) یہ کہتے ہیں کہ سینہ پر ہاتھ باندھے جائیں جیسا کہ

---

[1] [صحیح البخاری، کتاب الاذان: باب وضع الیمنیٰ علی الیسری فی الصلوٰۃ، ح ۷۴۰، مؤطا امام مالک ا/ ۱۵۹]

[2] [اس مسئلہ میں مؤلف کا موقف صحیح نہیں ہے بلکہ حق یہی ہے کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے ثابت ہیں۔ جبکہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے ثابت نہیں، چاہے مرد ہوں یا عورتیں۔]

صحیح ابن خزیمہ (ج ۱ص ۲۴۳ ح ۴۷۹) میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ، پر سینہ پر رکھا ہوا تھا۔[1]

اس روایت میں ''علیٰ صدرہ'' سینہ پر، کے الفاظ منکر (یعنی ضعیف) ہیں۔[2]
سفیان (الثوریؒ) سے یہ الفاظ صرف مؤمل بن اسماعیل نے روایت کیے ہیں۔ اس کے علاوہ، سفیان (ثوری) کے شاگردوں میں سے کسی ثقہ (قابل اعتماد) یا ضعیف (شاگرد) نے یہ الفاظ بیان نہیں کیے۔ اور مؤمل (مذکور) خراب حافظے والا شخص تھا۔ روایت میں زیادہ الفاظ صرف اسی راوی کے مقبول ہوتے ہیں جو ثقہ، حافظ اور اپنی روایات کو یاد رکھنے والا ہو۔

اس حدیث کا ایک شاہد (یعنی وہ روایت جو اس متن کی تائید کرتی ہے) ھلب الکائی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نماز میں (سلام کے بعد) دائیں طرف (اپنے رخ مبارک کے ساتھ) پھرتے تھے اور بائیں طرف (بھی) اور میں نے آپ کو (نماز میں) دیکھا۔ آپ یہ (ہاتھ) اپنے سینہ پر رکھتے تھے۔

(راوی حدیث یحییٰ بن سعید (العطارؒ) نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر، جوڑ پر رکھ کر دکھایا۔

اسے امام احمد (ج ۵ ص ۲۲۶) نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس میں قبیصہ بن ھلب (راوی) مجہول ہے۔

امام ابوداؤد[3] نے طاؤس (تابعی) سے نقل کیا کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (قیام کے وقت) اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ

---

[1] [یہ روایت اپنے شاہد کے ساتھ حسن ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔]

[2] [یہ الفاظ منکر یا ضعیف نہیں ہیں بلکہ اپنے آنے والے شاہد کے ساتھ حسن ہیں۔]

[3] (کتاب الصلوۃ باب وضع الیمنیٰ علی الیسری فی الصلاۃ ح ۷۵۹]

پر رکھ کران کو سینہ پر مضبوطی سے باندھتے تھے۔''

اس کی سند مرسل ہے' مرسل ضعیف ہوتی ہے جس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔[1]

رہا علامہ البانی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ ''اگر چہ (طاؤس کی) یہ روایت مرسل ہے لیکن وہ تمام علماء کے نزدیک (جو مرسل کی حجیت میں باہم مختلف ہیں) حجت ہے کیونکہ اس کے مرسل (تابعی) تک سند صحیح ہے۔اس کی تائید کئی متصل سندوں سے ہو رہی ہے جیسا کہ ہم نے ابھی اشارہ کر دیا ہے۔لہٰذا یہ سب کے نزدیک حجت ہے'' (ارواء الغلیل: ۲/ ۷۱) صحیح نہیں ہے۔صحیح السند مرسل کی حجیت پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔[2]

حافظ ذہبی (احول حدیث کی کتاب) الموقظة (ص ۳۹) میں فرماتے ہیں کہ

''اگر درمیانے درجہ کے تابعین مثلاً مجاہد' ابراہیم النخعی اور شعبی تک سند صحیح ہو تو یہ مرسل بھی صحیح ہے اس سے دلیل پکڑنے میں کوئی حرج نہیں۔اسے ایک قوم نے قبول کیا ہے اور ایک قوم نے رد کیا ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں کچھ شرطوں کے ساتھ بڑے تابعین کی مرسل روایات سے حجیت کی علی الاطلاق صراحت کی ہے۔جبکہ یہ طاؤس کی مرسل روایت ہے اور طاؤس درمیانے درجے کے تابعی تھے' لہٰذا یہ روایت امام شافعی کی شرط پر نہیں ہے۔ پھر اس کے برعکس امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ (۱/۳۰) میں یہ کہہ کر مرسل کے ضعیف اور حجت نہ ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے کہ

''ہمارے نزدیک اور علماء کے نزدیک مرسل روایات حجت نہیں ہیں۔''

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ حجیت میں صحیح السند مرسل پر صحابی کے ثابت شدہ قول کو مقدم کرتے ہیں جیسا کہ ان کے شاگرد اسحاق بن ہانیء نے اپنی کتاب ''المسائل''

---

[1] [یہ اس صورت میں ہے جب اس کا صحیح یا حسن شاہد نہ ہو' اگر صحیح یا حسن شاہد مل جائے تو مرسل بھی صحیح ہو جاتی ہے۔]

[2] [محدث العصر' امام المحدثین شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر مرسل کا معتبر شاہد ہو تو وہ صحیح ہوتی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مؤلف اس کلام کو سمجھ نہیں سکے' واللہ اعلم!]

(۲/ ۱۶۵) میں ان سے نقل کیا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ نماز میں دونوں ہاتھ رکھنے کا تعین ثابت نہیں ہے اور بعض علماء کا پرانا قول یہی ہے۔

امام ابن المنذر رالنیسابوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الاوسط'' میں لکھتے ہیں:

''اور کہنے والا یہ کہتا ہے کہ ہاتھ رکھنے کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں۔'' (الاوسط: ۳/ ۹۴)

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح اس باب میں کسی ایک صحابی سے بھی کچھ ثابت نہیں ہے۔ غالبًا اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہہ کر دونوں طریقے جائز قرار دیے ہیں:

''ناف سے تھوڑا اوپر ہاتھ باندھیں اور اگر ناف سے نیچے بھی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔'' (المسائل لابی داؤد: ۳۱۔ و الاوسط لابن المنذر: ۳/ ۹۳)

رہا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا عمل تو وہ ناف سے اوپر ہاتھ باندھتے تھے جیسا کہ ان کے بیٹے عبداللہ نے اپنی کتاب ''المسائل (۲۶۰)'' میں نقل کیا ہے، لہٰذا ان لوگوں پر انکار نہ کرنا ضروری ہے جو ناف سے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں، اس مسئلے میں دونوں طرح وسعت ہے۔[1]

حرکات نماز میں امام سے پہل یا برابری کرنا

سنت یہ ہے کہ مقتدی امام سے نہ مسابقت (پہل) کرے اور نہ برابری اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم نماز پڑھو تو اپنی صفوں کو قائم کرو اور تم میں سے ایک امام بن جائے، جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ **غیر المغضوب علیهم**

---

[1] [پچھلے صفحات پر یہ عرض کر دیا گیا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا صحیح حدیث سے ثابت ہیں، جبکہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی صحیح حدیث ثابت نہیں، لہٰذا انکار کرنا صحیح ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ کسی صحیح یا حسن حدیث میں یہ فرق قطعاً ثابت نہیں ہے کہ مرد تو ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں اور عورتیں سینے پر ہاتھ رکھیں۔]

ولاالضالین کہے تو تم سب کہو آمین۔ اللہ تمہاری دعا قبول کرے گا' پھر جب وہ اللہ اکبر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرو۔ بے شک امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے اٹھتا ہے۔"[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم میں سے ہر شخص اس سے نہیں ڈرتا کہ اگر وہ امام سے پہلے سر اٹھائے تو اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنادے یا اس کی صورت گدھے کی صورت میں تبدیل کردے"۔[2]

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو ہم میں سے کوئی شخص (سجدے کے لیے) اپنی پیٹھ نہ جھکاتا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں چلے جاتے' پھر ہم آپ کے بعد سجدہ کرنے کے لیے جھکتے تھے۔"[3]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز پڑھائی' جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک کر کے فرمایا:

"اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں' لہٰذا مجھ سے پہلے نہ رکوع کرو اور نہ سجدہ (مجھ سے پہلے) نہ (رکوع اور سجدہ سے) اٹھو اور نہ (نماز سے) فارغ ہو جاؤ۔ بے شک میں تمہیں سامنے سے بھی دیکھتا ہوں (اور نماز میں بطور معجزہ) تم مجھے پیٹھ پیچھے بھی نظر آتے ہو۔"[4]

---

[1] [صحیح مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب التشھد فی الصلوٰۃ (۴۰۴)]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الأذان' باب اثم من رفع رأسه قبل الامام (٦٩١) صحیح مسلم' کتا ب الصلوٰۃ' باب تحریم سبق الامام برکوع أو سجود ونحو هما (٤٢٧)]

[3] [صحیح بخاری' کتا ب الصلوٰۃ' باب متیٰ یسجد من خلف الامام (٦٩٠)صحیح مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب متابعة الامام والعمل بعده (٤٧٤)]

[4] [صحیح مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب تحریم سبق الامام برکوع آوسجود ونحوهما(٤٢٦)]

سستی کی وجہ سے نماز جمعہ کا ترک کر دینا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نماز جمعہ کی ادائیگی سنت مؤکدہ ہے' فرض یا واجب نہیں' حالانکہ یہ گمان غلط ہے' اس کا باعث شریعت اسلامیہ کے بارے میں جہالت ہے۔ اس کی تردید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لیے نداء (یعنی اذان) دی جائے تو اللہ کے ذکر (نماز وخطبہ) کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔''

(سورۃ الجمعہ : ۹)

امام موفق الدین (ابن قدامہ) المقدسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس آیت کریمہ میں دوڑنے کا حکم اس کے وجوب کی دلیل ہے کیونکہ دوڑنا صرف اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب وہ (نماز جمعہ بذات خود) واجب ہو۔''[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں کو نماز جمعہ ترک کرنے سے باز آ جانا چاہیے ورنہ اللہ ان کی دلوں پر (نفاق کی) مہر لگا دے گا' پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔''[2]

اس حدیث کی تشریح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ نماز جمعہ فرض عین ہے۔''

(شرح صحیح مسلم: ۲/۱۵۲)

نماز جمعہ نہ پڑھنے کا کفارہ

اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ضعیف روایت مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص بغیر کسی عذر کے جمعہ نہ پڑھے تو ایک دینار صدقہ کرے۔ اگر اس

---

[1] [بحوالہ فتح الباری : ۲/ ۲۸۲]

[2] [صحیح مسلم' کتاب الجمعۃ' باب التغلیظ فی ترک الجمعہ (۸۶۵)]

کے پاس ایک دینار نہ ہوتو آدھا دینار (ہی) صدقہ کردے۔''[۱]

یہ روایت بلحاظ سند منکر یعنی مردود روایت ہے' اس سے دلیل قائم نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا جس نے سستی وغیرہ سے نماز جمعہ ترک کی تو وہ شخص اللہ کے غضب کا مستحق ہے۔ نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے:

''جو شخص بغیر کسی (شرعی) عذر کے سستی سے تین جمعے ترک کردے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر (نفاق کی) مہر لگا دیتا ہے۔''[۲]

دین سمجھ کر' جمعہ کے دن سفر نہ کرنا

اس باب میں دو مسئلے ہیں' موضوعات اور منکر روایات کے سوا کوئی حدیث مروی نہیں۔ جمعہ کے دن جب تک اذان نہ ہو سفر کرنا جائز ہے جب اذان ہو جائے تو اس کا جواب دینا ضروری ہے۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس سامان سفر تھا' اس آدمی نے کہا' آج اگر جمعہ کا دن نہ ہوتا تو میں سفر کے لیے نکلتا۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جمعہ کا دن مسافر کو (سفر کرنے سے) نہیں روکتا' دن ڈھلنے سے پہلے تم سفر کرلو۔''[۳]

---

[۱] [ضعیف' سنن ابی داؤد' الجمعة' باب کفارة من ترکھا (۱۰۵۳) اس کی سند قتادہ راوی کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دوسرے راوی قدامہ بن وبرہ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔ لہٰذا یہ سند منقطع بھی ہے۔]

[۲] [اسنادہ حسن' سنن الترمذی' کتاب الجمعة' باب ماجاء فی ترك الجمعة من غیر عذر (۵۰۰) وقال :حسن' ابو داؤد (۱۰۵۲) ابن ماجه (۱۱۲۵) نسائی (۱۳۶۸) اسے ابن خزیمہ (۱۸۵۷) ابن حبان (۶۵) حاکم (۱/ ۲۸۰) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔]

[۳] [حسن' مصنف عبدالرزاق (۳/ ۲۵۰' ح۵۵۳۷) مصنف ابن ابی شیبه (۵۱۰۲) البیهقی (۳/ ۱۸۷) اسے سفیان ثوری' سفیان بن عیینہ اور شریک القاضی نے اُسود بن قیس عن ابیہ کی سند سے روایت کیا ہے' یہ اسانید اگرچہ ضعیف ہیں مگر اپنے شواہد کی بنا پر حسن لغیرہ کے درجہ پر ہیں۔]

جمعہ کی رات، مغرب یا عشاء میں خاص اور مقررہ قرأت کرنا

اس سلسلے میں بھی ایک سخت ضعیف روایت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''رسول اللہ ﷺ جمعہ کی رات مغرب کی نماز میں ﴿قل یا ایھا الکافرون﴾ اور ﴿قل ھو اللہ احد﴾ پڑھتے تھے اور اسی رات کو عشاء کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھتے تھے۔''[۱]

اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اس روایت میں (راوی) سعید بن سماک بن حرب متروک الحدیث ہے۔

جمعہ کے فرضوں سے پہلے سنتیں

اس باب کی ساری مرفوع احادیث موضوع یا منکر ہیں، ان میں سے کوئی حدیث بھی صحیح نہیں۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث ہم نے اپنی کتاب ''الثمر الدانی المستطاب فی فقہ السنۃ والکتاب'' میں لکھی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔[۲]

جمعہ کی تیسری اذان (یعنی اذان عثمانی) پر بدعت کا حکم لگانا

یہ وہ اذان ہے جس کا حکم امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، صحابہ کے زمانے سے لے کر آج تک اس پر مسلمانوں کے اتفاق سے عمل جاری ہے، شدید شرعی

---

۱ [ضعیف، صحیح ابن حبان، موارد الظمان (۵۵۲) اس کے راوی سعید بن سماک بن حرب کی ابن حبان نے توثیق کی مگر ابو حاتم رازی نے کہا کہ یہ متروک الحدیث ہے لہٰذا جرح ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم!]

۲ [مصنف کی مذکورہ کتاب عام اردو دان طبقہ کے پاس موجود نہیں ہے، لہٰذا عرض ہے کہ اس سلسلہ کی مشہور روایت سنن ابن ماجہ (۱۱۲۹) میں مروی ہے، جس میں مبشر بن عبید راوی کذاب ہے، اس کی سند میں اور بھی بہت سے نقائص ہیں۔ بعض لوگوں نے ان رکعات کے جواز پر بعض آثار صحابہ بھی پیش کیے ہیں اور بہتر یہی ہے کہ خطبہ جمعہ سے پہلے بغیر تعین جو مقدر میں ہو پڑھ لے، خطبہ کے دوران صرف دو رکعات ہی پڑھے۔]

ضرورت بھی اس اذان کے جواز کا تقاضا کرتی ہے۔

السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

''جمعہ کے دن پہلی اذان یعنی اذان خطبہ اس وقت ہوتی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں امام منبر پر بیٹھتا تھا۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور نماز پڑھنے والے لوگوں کی کثرت ہوگئی تو انہوں نے تیسری اذان (یعنی خطبہ سے پہلے اذان عثمانی) کا اضافہ مدینہ کے بازار زوراء میں کر دیا۔''[1]

بعض علماء کا خیال ہے کہ آج کل اس اذان کا ترک کر دینا بہتر ہے کیونکہ جس وجہ سے اس کا اضافہ کیا گیا تھا وہ وجہ اب ختم ہو چکی ہے۔ اور آج کل مسجدیں بھی بہت زیادہ ہیں اور لاؤڈ سپیکر بھی کثرت سے استعمال ہو رہے ہیں۔[2]

لیکن بعض نو آموز لوگوں نے یہ جراءت کی کہ اس اذان کو بدعت قرار دیا ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول بذات خود بدعت ہے' کسی عالم سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے اذان عثمانی کو بدعت کہا ہو۔[3]

خاص طور پر اس حالت میں کہ جمہور علماء نے آثار صحابہ سے دلائل پکڑنے کا مسلک اختیار کیا ہے' بلکہ امام زہری رحمہ اللہ' امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک یہ سنت ہے۔

اگر اس مسئلہ (حجیت آثار صحابہ) میں عام صحابہ کے بارے میں اختلاف ہو بھی تو خلفائے راشدین کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ان کے آثار حجت ہیں۔[4]

---

1. [صحیح البخاری' کتاب الجمعة' باب الاذان یوم الجمعة (۹۱۲)]
2. [یہی قول راجح ہے۔ واللہ اعلم]
3. [عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے باسند صحیح یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اذان عثمان کو ''بدعت'' کہا ہے' دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۱۴۰) لیکن ہمارے لیے اس مسئلہ میں سکوت کرنا ہی لازم ہے۔]
4. [بشرطیکہ یہ آثار ہر لحاظ سے مرفوع حدیث کے مخالف نہ ہوں اور تطبیق ممکن ہو ورنہ مرفوع حدیث پر عمل میں ہی نجات ہے۔]

اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا قول مبارک ہے:

''میری سنت پر عمل کرو اور میرے خلفائے راشدین المہدیین کی سنت پر عمل کرو' اسے مضبوطی سے پکڑ لینا۔''[1]

جمعہ کے دن' مسجد کے دروازے پر خطبہ جمعہ کی اذان دینا

اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الاجوبہ النافعہ (ص ۲۸)'' میں ترجیح دی ہے' دلیل اس روایت سے پکڑی ہے جسے محمد بن اسحاق نے عن الزہری عن السائب بن یزید کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

''نبی ﷺ جب منبر پر (خطبہ کے لیے) بیٹھتے تو آپ ﷺ کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی تھی' ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔''[2]

محمد بن اسحاق بن یسار صدوق (یعنی حسن الحدیث) اور مدلس تھے' انہوں نے یہ روایت ''عن'' سے یعنی سماع کی تصریح کے بغیر روایت کی ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ وہ امام زہری کے شاگردوں میں طبقہ اولیٰ کے بھی نہیں ہیں اسی لیے ان کا تفرد روایت کو منکر بنا دیتا ہے اور اس روایت میں ان کی مخالفت بھی کی گئی ہے۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ''المعجم الکبیر (۷/ ۱۷۴)'' میں المعتمر بن سلیمان التیمی حدثنی ابی عن الزہری عن السائب بن یزید کی سند سے روایت کیا ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ' ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں (خطبہ کی) اذان منبر کے قریب ہوتی تھی۔ (خطبہ سے پہلے) تیسری اذان کا اضافہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ

---

[1] [صحیح' سنن الترمذی' کتاب العلم' باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ (۲۶۷۶) وقال: ''حسن صحیح'' ابو داؤد (۴۶۰۷) ابن ماجہ (۴۲) اسے ابن حبان' حاکم اور ذہبی وغیرہم نے صحیح کہا ہے۔]

[2] [اس کی سند ضعیف ہے' جیسا کہ مؤلف نے بادلیل واضح کردیا ہے۔ (سنن ابی داؤد' الصلوٰۃ' باب النداء یوم الجمعۃ: (۱۰۸۸' ۱۰۸۹) المعجم الکبیر للطبرانی (۷/ ۱۷۳)]

نے کیا تھا۔"

اس کی سند صحیح ہے۔

طویل خطبہ اور مختصر نماز

جیسا کہ خطبہ سننے والا شخص اکتا دینے والی تکرار کی کثرت سے زچ اور پریشان ہو جاتا ہے۔ چھوٹی اور تیز پڑھی جانے والی نماز کی وجہ سے نمازی کے دل میں خشوع پیدا نہیں ہوتا۔ یہ عمل نبی ﷺ کی اس حدیث کے مخالف ہے، جس میں آیا ہے کہ

"آدمی (یعنی امام وخطیب) کا لمبی نماز پڑھانا اور مختصر خطبہ دینا اس کے فقہ (یعنی فقیہ ہونے) کی علامت ہے، لہٰذا اپنی نمازیں لمبی کرو اور خطبے چھوٹے (اور مختصر) کرو، بے شک بعض بیان (خطبے اور تقریریں) جادو (کی طرح اثر کرتے) ہیں۔"[1]

عید کے دن اگر جمعہ ہو تو جمعہ کی نماز ترک کر دینا

یہ مشہور بدعتوں میں سے ہے۔ حالانکہ صرف مسافروں، نواحی بستی والوں اور ان جیسے لوگوں کے لیے یہ جائز ہے کہ جمعہ کے دن اگر عید ہو تو عید پڑھنے کے بعد اپنے ڈیروں میں جا کر ظہر کی چار فرض رکعتیں پڑھ لیں۔ رہے شہری لوگ تو ان سے جمعہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی بلکہ ان پر نماز جمعہ واجب یعنی فرض ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "ھدی النبی ﷺ فی العیدین" میں لکھی ہے۔[2]

---

[1] [صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلوٰة والخطبة (۸۶۹)]

[2] [اس مسئلہ میں مؤلف کی تحقیق صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہی ہے کہ شہری ہو یا دیہاتی، اگر عید کے دن جمعہ ہو تو عید کی نماز کے پڑھنے کے بعد عام لوگوں کے لیے جمعہ کی رخصت ہے، لہٰذا اس دن جمعہ کے بدلے ظہر پڑھنا جائز ہے۔ دیکھئے سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰة، باب اذا وافق الجمعة یوم عید (۱۰۷۰تا۱۰۷۳) ونیل المقصود لراقم الحروف (۱/ :۳۲۵)]

نماز جمعہ کے بعد (بغیر سلام و کلام کے) سنتیں اور نوافل پڑھنا

یہ جائز نہیں ہے بلکہ بری اور منکر بدعت ہے' اس بدعت کا وجود نہ نبی ﷺ کے زمانے میں تھا اور نہ صحابہ کرام کے دور میں بلکہ آپ ﷺ سے اس کی مخالفت ثابت ہے۔ عمر بن عطاء بن ابی الخوار سے روایت ہے کہ نافع بن جبیر نے اسے السائب (بن یزید) ابن اخت النمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس چیز کے بارے میں پوچھنے کے لیے بھیجا جو انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو نماز میں کرتے دیکھا تھا تو انہوں (السائب رضی اللہ عنہ) نے کہا' جی ہاں! میں نے المقصورۃ (مسجد سے متصل حجرہ) میں نماز پڑھی ہے' جب امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا' پھر (نفل یا سنت) نماز پڑھی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر اپنی جائے نشست میں داخل ہوئے تو مجھے بلایا اور کہا ایسا کام دوبارہ نہ کرنا' جب جمعہ پڑھو تو کلام یا خروج (از مقام جماعت و مسجد) کے بغیر کوئی نماز نہ پڑھو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم فرض نماز کو نفل یا سنت نماز کے ساتھ نہ ملائیں حتیٰ کہ ہم باتیں کریں یا نکل جائیں۔[1]

جمعہ کے دن قبولیت دعا والی گھڑی کا تعین کہ وہ (خطبہ کے لیے) امام کے بیٹھنے سے لے کر نماز کے اختتام تک کا وقت ہے

اس وقت میں (دنیاوی) کلام کرنا ناجائز ہے' اس میں صرف خطبہ سننے کے لیے خاموش رہنا واجب ہے نہ کہ آدمی دعا میں تندہی سے مشغول ہو جائے۔[2]

صحیح مسلم میں مخرمۃ بن بکیر عن ابیہ عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ کی سند سے ہے:

''یہ وقت امام کے (خطبہ کے لیے) جلوس سے لے کر نماز کے خاتمہ تک

---

[1] [صحیح مسلم' کتاب الجمعة' باب الصلاة بعدالجمعة (۸۸۳)]

[2] [یاد رہے کہ دل میں دعا کرنا نہ تو سکوت کے منافی ہے اور نہ ہی خطبہ سننے کے' لہٰذا دل میں دعا کرنا جائز ہے خاص طور پر رکوع و سجود میں جس دعا کو اختیار کرے جائز ہے بشرطیکہ الفاظ صرف مسنون اور عربی کے ہوں۔]

ہے۔“[1]

اس حدیث میں بعض اہل علم نے اور ناقدین حدیث نے کلام کیا ہے جو کہ مردود ہے۔ انہوں نے اسے انقطاع کے ساتھ معلول قرار دیا ہے کیونکہ مخرمہ بن بکیر نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔[2]

اس روایت میں اس کی مخالفت بھی کی گئی ہے' ایک جماعت نے اسے ابو بردة سے موقوفاً بیان کیا ہے' پھر یہ کہ یہ ان صحیح احادیث کی مخالف بھی ہے جن میں آیا ہے کہ قبولیت دعا کا یہ وقت جمعہ کے دن عصر کے بعد غروب آفتاب تک ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''هدی النبی ﷺ فی یوم الجمعه'' دیکھیں۔[3]

جمعہ کی رات کو خاص طور پر قیام کرنا

یہ بھی بہت سے لوگوں کے درمیان مشہور بدعت ہے' اس کے ناجائز ہونے پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث دلیل ہے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جمعہ کی رات کو قیام کے ساتھ مخصوص نہ کرو۔''[4]

جمعہ کے دن احتباء کی ممانعت

(احتباء پیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی کپڑے سے باندھ لینے کو کہتے ہیں) صحیح یہ ہے کہ جمعہ ہو یا کوئی دوسرا دن احتباء کرنا جائز ہے اس کے جواز کی دلیل وہ روایت ہے جسے

---

1. [مسلم' کتاب الجمعه' باب فی الساعة التی فی یوم الجمعه (۸۵۳)]
2. [مخرمہ بن بکیر جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہے۔ اس نے اپنے والد سے کچھ احادیث سنیں' باقی وجادہ یا اجازہ ہیں۔ اصول حدیث میں یہ ہے کہ وجادہ یا اجازہ والی روایت صحیح ہوتی ہے۔ لہٰذا مخرمہ بن بکیر پر جرح یا تدلیس کا الزام مردود ہے۔]
3. [تطبیق یہ ہے کہ خطبہ سے اختتام نماز اور عصر سے مغرب تک' دونوں حصوں میں قبولیت دعا کی گھڑی ہے۔]
4. [صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب کراهة افراد یوم الجمعة بصوم لایوافق عادته (۱۱۴۴)]

ابن ابی شیبہ (مصنف: ۱/ ۴۵۳، ح ۵۲۳۸) نے حسن سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ جمعہ کے دن احتباء کرتے تھے جبکہ امام خطبہ دے رہا ہوتا تھا۔[1]

جس شخص نے احتباء سے منع کیا ہے اس نے اس ضعیف روایت سے دلیل پکڑی ہے جسے ابوداؤد (۱۱۱۰) ترمذی (۵۱۴) بیہقی (۳/ ۲۳۵) اور ابن المنذر نے ''الاوسط (۴/ ۸۴)'' میں سعید بن ابی ایوب حدثنی ابومرحوم عن سھل بن معاذ عن ابیہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ ''نبی ﷺ نے جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو احتباء کرنے سے منع کیا ہے۔''[2]

ابن المنذر رالنیسابوری کہتے ہیں:

''اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے اور میں اسے ثابت نہیں سمجھتا کیونکہ اس کی سند مجہول ہے۔''

مجھے اس سند میں کوئی مجہول راوی معلوم نہیں ہے الّا یہ کہ ابومرحوم عبدالرحیم بن میمون اور سہل بن معاذ دونوں ضعیف ہیں، لہٰذا ایسی سند کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔[3]

جمعہ کے دن پہلے خطبہ کے بعد دو رکعتیں پڑھنا

میں نے بہت سے لوگوں کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے، خاص طور پر ہندوستان کے متعصب حنفی (دیوبندی و بریلوی) حضرات یہ عمل بغیر کسی شرم و جھجک کے کرتے ہیں،

[1] [ضعیف، اس کی سند محمد بن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[2] [اس کی سند حسن ہے، اسے ترمذی و بغوی نے حسن اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔ سہل بن معاذ اور ابومرحوم دونوں جمہور محدثین کے نزدیک موثق یعنی ''حسن الحدیث'' ہیں۔ مؤلف کتاب کا علی الاطلاق انہیں ضعیف کہنا صحیح نہیں ہے]

[3] [راقم الحروف نے نیل المقصود (۱/ ۳۴۳) میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس کی سند حسن لذاتہ ہے والحمدللہ۔ لہٰذا اس سے حجت پکڑنا صحیح ہے، رہا ابن عمر سے منسوب اثر تو اوپر عرض کیا گیا ہے کہ بلحاظ سند ضعیف و ناقابل حجت ہے۔]

یہ ایسی منکر بدعت ہے کہ اس کے مستحب ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے' کجا یہ کہ یہ سنت ثابت ہو؟ بلکہ دونوں خطبوں کے درمیان اتنا تھوڑا جلسہ (بیٹھنا) ہوتا ہے کہ خطیب صرف سانس لیتا ہے۔

اور یہ وقفہ ان دو رکعتوں کے پڑھنے کے لیے کافی نہیں اور اس میں خطبہ میں خاموشی کی مخالفت بھی ہے اور لوگوں کو اس کام میں لگا دینا ہے جو واجب نہیں ہے بلکہ جائز بھی نہیں۔

دونوں خطبوں کے دوران اذان دینے والوں کا گمشدہ چیزوں کا اعلان یا بلند آواز سے دعا کرنا

سابقہ بدعات کی طرح اس بدعت کا بھی عملی ثبوت یا استحباب یا جواز سلف صالحین میں سے کسی سے ثابت نہیں اور نہ کسی قابل اعتماد امام نے اس کی اجازت دی ہے۔ بلکہ یہ صوفیاء' ان کے سلسلہ وطریقت پرست پیروکاروں اور نام نہاد غلط کار زاہدوں کی بہت بری بدعت ہے۔

نماز جمعہ کے بعد غیر شرعی اذکار

یہ بھی طریقت پرست اور جاہل صوفیاء کا طریقہ کار ہے' اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ نماز کے بعد نمازی دو گروہ بنا کر آمنے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں' ان میں سے بعض آگے پیچھے اس طرح کھڑے ہوتے ہیں کہ جانوروں کے قدموں کی سی آوازیں آتی ہیں' یہ لوگ سریانی ناموں ''ھوھو'' اور اللہ تعالیٰ کے صرف نام ''اللہ'' کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

مطلق طور پر یہ بہت بری بدعت ہے' اس کا طریقہ' اس کے لیے جمع ہونا اور یہ درج بالا اذکار سب بدعت ہیں' کیونکہ صرف ''اللہ'' کا نام ''ھوھو'' اور ان سریانی ناموں جن کا مطلب بھی معلوم نہیں' کے ساتھ ذکر کرنا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ بعض لوگ مصنوعی حال اور وجد کی شدت سے رقص کرنے اور تالیاں بجانے کا مظاہرہ کرتے

ہیں' اسے وہ وجد اور حضور قلب کہتے ہیں' حالانکہ یہ ابلیس اور اس کے ساتھیوں کا حاضر ہونا ہوتا ہے۔

رقص کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو فاسق' مخنث (ہیجڑے) اور زنخا (زنانہ) قسم کے لوگ ہیں۔

سورۂ کہف پڑھنے کے لیے جمعہ کے دن اکٹھا ہونا

ابن الحاج نے "المدخل (۲/ ۲۸۱)" میں لکھا ہے:

"لوگوں نے جمعہ کے دن سورۂ کہف کی قراءت کی جو بدعت نکالی ہے اس سے انہیں منع کرنا چاہیے' وہ مسجد میں اکٹھے ہوں یا باہر معاملہ برابر ہے۔ اگرچہ اکیلے آدمی کے لیے پوری سورۂ کہف' خاص طور پر جمعہ کے دن پڑھنا احادیث میں وارد ہے مگر اس کا طریقہ وہی ہوگا جو سلف صالحین سے ثابت ہے نہ کہ آج کل کا طریقہ۔ اسے اکیلا آدمی' مسجد میں آہستہ آہستہ اور مسجد سے باہر اونچی آواز سے پڑھ سکتا ہے اور اس مسجد میں اونچی آواز سے بھی پڑھ سکتا ہے جہاں نمازی موجود نہ ہوں تاکہ اونچی قراءت سے لوگوں اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور جبکہ افضل یہی ہے کہ اسے آہستہ آواز سے پڑھا جائے۔ رہا لوگوں کا اجتماعی طور پر یہ سورت پڑھنا تو یہ بدعت ہے۔"

نماز سے فراغت کے بعد ذکر اور دعا پر اجتماع کرنا

اس مسئلہ پر تفصیلی کلام (ان شاء اللہ) "دعا اور ذکر" کی بحث میں آئے گا۔

ابن الحاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"تمام لوگوں کو اونچی آواز سے ذکر و دعا اور نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھانے سے ڈرنا اور باز آنا چاہیے' کیونکہ یہ بدعت ہے۔"

بھکاریوں کا مسجدوں کے دروازوں پر بیٹھ جانا

اس سلسلہ میں بھکاریوں نے بڑے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں' بعض تو ایسے ہیں

جو سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں اور بعض نمازیوں کے انتظار میں اپنی نمازیں ضائع کر دیتے ہیں۔

بعض عام نمازیوں کے ساتھ فرض نماز پڑھ کر ذکر واذکار سے پہلے ہی فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں اور مختلف انداز سے بھیک مانگتے ہیں۔ ان لوگوں کی اکثریت بے کار' کام چور اور پریشان کرنے والے اشخاص پر مشتمل ہوتی ہے۔ حالانکہ مسجدیں ان لوگوں کی ان حرکات کے لیے نہیں بنائی گئیں بلکہ ذکر' نماز' علم اور دعا کے لیے بنائی گئی ہیں۔ بلکہ مساجد کے بعض ذمہ دار حضرات تو دوسرے خطبہ کے بعد لوگوں کا اکٹھ دیکھ کر نماز سے پہلے ہی لاؤڈ سپیکر پر مسجد و مدرسہ کے لیے نان ونفقہ یعنی چندہ مانگنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ ترغیب دیتے ہیں کہ مسجد کے صندوق میں رقم ڈالتے جائیں یعنی اسے بھرتے جائیں' یہ سب کام بدعت ہیں جس کی سنت مطہرہ سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔



عیدیں

عیدین کی بدعات اور سنت نبوی سے ان کا رد

عیدین کا شمار ان اہم نشانیوں میں سے ہے جن سے ادیان عالم میں حد امتیاز قائم ہے۔ ہر دین و مذہب والوں میں بعض دن عید کے ہوتے ہیں جن میں وہ اکٹھا ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ان دنوں کو انتہائی بابرکت اور عبادت کا دن سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہندو' بدھ مت جیسے بہت سے باطل مذاہب جنہیں شیطان کے پیروکاروں نے گھڑ لیا ہے' بھی دوسرے لوگوں سے ان بعض تہواروں (عیدوں) میں امتیاز رکھتے ہیں' جنہیں وہ بابرکت' قابل احترام اور قابل عبادت سمجھتے ہیں۔

اسلام اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین ہے جو قیامت تک باقی رہے گا' پہلے تمام ادیان و مذاہب کو اس نے منسوخ کر دیا ہے۔ اس دین حنیف میں صرف دو عیدوں' عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا ثبوت ہے' تیسری کسی عید کا کوئی ثبوت' بلکہ تصور تک بھی نہیں ہے۔ اسلام نے ان دو عیدوں کے سوا باقی تمام تہواروں کو باطل قرار دیا ہے۔ جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لائے' مدینہ والے دو مخصوص دنوں میں کھیل کود اور خوشیوں کا مظاہرہ کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ

> ''یہ کون سے دو دن ہیں؟'' انہوں نے کہا' ہم زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیلتے کودتے اور خوشیاں منایا کرتے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے تمہیں دو بہترین دن دے دیے ہیں' ایک عیدالاضحیٰ اور دوسرا عیدالفطر کا دن۔''[1]

---

[1] [صحیح' سنن ابی داؤد' کتاب الصلوٰۃ' باب صلاۃ العیدین (۱۱۳۴) سنن نسائی ←

پس نبی ﷺ نے انہیں زمانہ جاہلیت کے تمام تہواروں سے کلیتاً منع کر دیا اور یہ ایسی ممانعت ہے کہ اس کے بعد ان تہواروں میں شامل ہونے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ آپ ﷺ نے انہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں اسلامی عیدوں کو منانے کی تلقین کی اور سمجھایا کہ یہ دو عیدیں تمام سابقہ تہواروں پر فضیلت رکھتی ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ حدیث سابق سے آپ اس شرعی قاعدے کا اشارہ سمجھ لیں جس کے تحت بہت سے احکام شریعت درج ہیں اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ

عیدیں اور تہوار مذاہب و ادیان کی خاص نشانیاں ہوتی ہیں' اور ان کا ثبوت صرف کتاب و سنت سے ہی لیا جاسکتا ہے' لہٰذا بغیر شرعی دلیل کے کسی دن یا رات کو تہوار والا اجتماع اور نماز یا روزہ کے استحباب کے عقیدہ سے خاص عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس بات کو جب آپ نے سمجھ لیا تو آپ پر درج ذیل عیدوں اور تہواروں کا بدعت ہونا خود بخود واضح ہو جائے گا۔

معراج کی عید یعنی شب برأت

یہ بدعت وسیع پیمانے پر پھیل چکی ہے' لوگ اسے ستائیس رجب کی رات کو دھوم دھام سے مناتے ہیں اور لوگ اسے پرسوز تقریروں' تلاوت قران اور گڑگڑا کر دعاؤں میں گزارتے ہیں۔ بعض لوگ عبداللہ بن عباس ؓ سے منسوب من گھڑت قصہ معراج عزت و احترام سے پڑھتے ہیں۔ ابو ہارون العبدی کذاب متروک کی طویل من گھڑت حدیث پڑھتے ہیں جس میں واقعہ معراج افسانوی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ نہ معراج کی رات کا تعین ثابت ہے اور نہ صحیح تاریخ کا ثبوت ہے' کسی صحابی سے یہ رات منانا ثابت نہیں اور نہ اس میں کوئی خاص عبادت ہوتی ہے۔ سلف صالحین میں سے بھی نہ کسی نے معراج کی رات کا تعین کیا ہے اور نہ دن یا مہینے کا' نہ کسی نے اس مخصوص رات میں قیام یا مخصوص دن میں روزہ کی ترغیب دی ہے' بلکہ یہ

← (۱۵۵۷) اس کی سند صحیح ہے۔ حمید الطویل نے مسند احمد (۲۵۰/۳) میں سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ اسے حاکم اور ذہبی (۲۹۴/۱) نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔]

تمام چیزیں بعد والے لوگوں کی ایجاد ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے

''اس رات کے تعین، تاریخ یا مہینہ پر کوئی دلیل نہیں ہے، اس سلسلہ کی روایات بے سند اور من گھڑت ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں۔''

انہوں نے مزید فرمایا:

''صحابہ کرام اور تابعین عظام معراج کی رات میں عبادت کے خاص کام نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لیے یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ کون سی رات تھی۔ اگرچہ یہ مسلّم ہے کہ معراج کی رات آپ ﷺ کے خاص اور عظیم الشان فضائل اور معجزوں میں سے ہے، اس کے باوجود اس کے لیے شرعی عبادت کی تخصیص ثابت نہیں۔'' (زادالمعاد :۱/ ۵۷)

شب معراج اور کسی خاص جگہ یا وقت میں عبادت کرنے کے بطلان پر وہ دلیل بھی ہے جس میں آیا ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو دیکھا جو اس مسجد میں نماز پڑھنے کی (سرتوڑ) کوشش کررہے تھے جہاں نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی، تو آپ نے انہیں فرمایا کہ

''اے لوگو! تم سے پہلی قوموں کو انہی حرکتوں نے تباہ و برباد کردیا تھا حتیٰ کہ انہوں نے ان مقامات کو عبادت گاہیں بنالیا تھا۔ جو آدمی یہاں سے گزرے اور نماز کا وقت ہو تو نماز پڑھ لے اور اگر (فرض) نماز کا وقت نہ ہو تو خاموشی سے گزر جائے۔''

پندرہ شعبان کی رات

یہ رات آج کل بہت سے لوگوں کے لیے بڑی آزمائش بن چکی ہے۔ اس کی فضیلت میں بہت سی روایات مروی ہیں جن میں سے راجح قول کے مطابق کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابوالخطاب بن دحیہ نے کہا ہے کہ

''جرح و تعدیل کے علماء کے نزدیک پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت کے

بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔[1]

ابن دحیہ سے پہلے یہ بات امام عقیلی رحمہ اللہ نے کہی ہے:

''پندرہ شعبان کو نزول باری تعالیٰ میں تمام روایات کمزور ہیں۔''

(الضعفاء : ۳/ ۲۹)

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت میں دوسری کئی احادیث بھی ہیں جن کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے اور اکثریت نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ ان میں سے بعض کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دے کر اپنی کتاب ''الصحیح'' میں روایت کیا ہے۔'' (لطائف المعارف : ص ۱۴۳)

راویوں کی توثیق اور احادیث کی تصحیح میں ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔ بعض متقدین نے اس رات کی ہر مخصوص فضیلت کا انکار کیا ہے۔

ابن وضاح نے ''البدع والنهي عنها(۱۱۲)'' میں صحیح سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم[2] سے نقل کیا ہے کہ

''میں نے اپنے استادوں اور فقہائے کرام میں سے کسی شخص کو بھی پندرہ شعبان کی رات کا اہتمام کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ کسی کو مکحول رحمہ اللہ کی حدیث ذکر کرتے ہوئے سنا ہے اور نہ انہیں دوسری راتوں پر اس کی کوئی فضیلت بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔ فقہاء ایسے کام نہیں کرتے تھے۔''

اور ابن وضاح ہی نے صحیح سند (البدع والنهي عنها: ص ۱۱۳) کے ساتھ ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ انہیں کہا گیا زیاد النمیری[3] کہتا ہے کہ پندرہ شعبان کی رات کی اجر و ثواب لیلۃ القدر جیسا ہے تو ابن ملیکہ نے فرمایا کہ

''اگر یہ بات میں خود اس (زیاد النمیری) سے سن لیتا اور میرے پاس لاٹھی ہوتی

---

[1] [الباعث علی انکار البدع والحوادث: ص ۵۲ لابی شامۃ المقدسی]

[2] [جمہور علماء کے نزدیک یہ شخص خود ضعیف ہے۔]

[3] [اسماء الرجال کے جمہور علماء کے نزدیک یہ شخص بذاتِ خود ضعیف ہے۔]

تو اسے لاٹھی سے مارتا'۔[1]

زیاد مذکور قاضی (یا قاص یعنی قصہ گو) تھا۔

لوگوں میں اس رات کی تعظیم و احترام بعض شامی تابعین مثلاً مکحول' لقمان بن عامر اور خالد بن معدان رحمہم اللہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ انہی سے بعض زاہد قسم کے لوگوں نے یہ مسئلہ لے لیا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان تابعین وغیرہم کو اس سلسلے میں بنی اسرائیل کی بعض روایات پہنچی تھیں۔ ابن رجب کہتے ہیں کہ

''علمائے حجاز عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ اور ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ نے اس پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت کا انکار کیا ہے۔ عبدالرحمان بن زید بن اسلم نے اس انکار کو مدینہ کے فقہاء سے نقل کیا ہے' امام مالک کے شاگردوں کا یہی موقف ہے۔ اور یہ تمام علماء اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔ (لطائف المعارف: ص ۱۴۴)

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے میلاد رسول والے دن میں کوئی خاص اجتماع کیا ہو یا روزوں' نماز' کھانا کھلانا وغیرہ سے اس دن کی کوئی تخصیص کی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ''عید'' کی ایجاد کا ''سہرہ'' رافضیوں اور گمراہ اسماعیلی فاطمیوں کے سر پر ہے جنہوں نے میلاد والی عیدیں گھڑ لیں۔ ان میں وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے' مال و دولت خرچ کرتے اور جلسے جلوس کرتے تھے۔

مشہور صوفی السخاوی کہتے ہیں کہ

''خیر القرون میں کسی ایک سے بھی یہ عید منقول و ثابت نہیں' یہ بعد میں گھڑی گئی ہے۔ اس کے بعد اہل اسلام (یعنی اسلام کے نام نہاد دعویداروں) نے اسے (سخاوی کے علم کے مطابق) تمام شہروں اور علاقوں میں عزت و احترام

---

[1] [اس کی سند حسن لذاتہ ہے' نعیم بن حماد کو جمہور علماء نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔ لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں۔ نعیم پر جرح مردود ہے۔]

سے جلسے جلوس کر کے منانا شروع کر دیا ہے۔ اس عید پر وہ بڑی عظیم الشان دعوتیں اڑاتے ہیں' طرح طرح کے صدقے کرتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں' خوشحالی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور میلاد رسول ﷺ کے واقعات پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔" (الاجوبہ المرضیۃ: ۳/ ۱۱۱۶)

پھر انہوں نے اس میلاد کی فضیلتیں بیان کرنا شروع کر دیں اور ابن الجزری سے اپنی تائید نقل کی اور یہاں تک لکھا کہ

"بلکہ ہمارے استاذ' استاذ الاساتذہ' عظیم الشان اماموں کے خاتم (یعنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) نے اس کی دلیل بخاری ومسلم کی اس حدیث سے لی ہے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں' آپ ﷺ نے ان یہودیوں سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ اس دن اللہ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ کو نجات دی تھی' پس ہم (موسیٰ کے زمانے سے) یہ روزہ اللہ کے شکر کے لیے رکھتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میں تم سے زیادہ موسیٰ کے قریب ہوں' پھر آپ ﷺ نے روزہ رکھا اور اس روزے کا حکم بھی دیا اور فرمایا' اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو۔۔۔الی آخر الحدیث۔"[1]

ہمارے استاذ (یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس فعل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی خاص دن میں کوئی نعمت عطا فرمائی ہو یا کسی مصیبت کو دور کیا ہو تو اس کا شکر ہر سال اسی دن منانا صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر کئی عبادات مثلاً نماز' روزہ اور تلاوت قرآن سے منایا جاتا ہے اور ثواب حاصل ہوتا ہے' اس دن نبی ﷺ کی پیدائش سے بڑی کون سی نعمت ہو سکتی ہے؟" (الاجوبہ المرضیۃ: ۳/ ۱۱۱۷) سخاوی کا کلام ختم ہوا۔

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الصوم' باب صوم یوم عاشوراء وصحیح مسلم' کتاب الصیام' باب صوم یوم عاشوراء]

اس کلام اور طریقۂ استدلال میں نظر ہے کیونکہ اگر یہ حدیث اس بات کی دلیل ہوتی جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عید میلاد منانے سے نہ رکتے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ دن منانے سے پیچھے رہتے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عید میلاد نہ منانا اس کی دلیل قاطع ہے کہ یہ فعل یعنی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں وہ غلو ہے جس سے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زبان سے منع کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''جس طرح عیسائیوں نے (عیسیٰ) ابن مریم کو حد سے بڑھایا تم مجھے حد سے نہ بڑھانا' میں اللہ کا بندہ ہوں لہٰذا مجھ کو اللہ کا بندہ اور رسول کہو۔''[1]

اور اگر یہ دلیل آپ کا میلاد منانے کی اصل دلیل ہے تو پھر دیگر انبیاء کی میلادیں منانے کی بھی اکمل دلیل یہی ہے' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ آپ نے کسی نبی کا میلاد منایا ہو اور نہ کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ یا تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات ثابت ہے' بلکہ علماء کا غیر مسلموں کے تہواروں کے بارے میں شدید کلام ہے جو عنقریب آئے گا (ان شاء اللہ) اور یہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جائز ہے تو مسیح کے حق میں بھی جائز ہے حالانکہ یہ عیسائیوں کا مخصوص تہوار ہے اور کسی عالم نے بھی عید میلاد المسیح کو جائز نہیں کہا' لہٰذا یہ استدلال سرے سے ہی مردود ہے۔

پھر یہ کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ یہ دلیل ایک خاص حادثہ اور واقعہ کے بارے میں ہے' اسے عام دلیل بنا کر پیش کرنا صحیح نہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وہی عبادت کرتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ ''یہ صرف وحی ہے جو آپ پر وحی کی جا رہی ہے۔''

پس ہر'' عبادت جو نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے تو صحیح یہی

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب قول الله تعالیٰ' واذکر فی الکتاب مریم (۳۴۴۵)]

ہے کہ وہ عبادت ناجائز وحرام ہے' الا یہ کہ اس کے جواز پر کوئی دلیل قائم ہو اور مروجہ میلاد النبی ﷺ منانے پر کوئی دلیل نہیں لہذا اس کا حکم ناجائز اور حرمت والا ہی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو سختی سے منع کیا تھا جو اکٹھے ہو کر ذکر تسبیح حمد باری تعالیٰ اور تکبیرات کہہ رہے تھے' انہوں نے اس پر سخت انکار کیا حالانکہ ذکر کرنا فی نفسہ اچھی بات ہے اور عمومی دلائل اس کے مؤید بھی ہیں لیکن ان لوگوں کی خاص ہیئت سنت نبوی یا آثار صحابہ سے ثابت نہیں' لہذا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان ذاکرین پر انکار کیا تھا۔ اسی طرح خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے منع کیا تھا جو قرآن کی تلاوت کرتے اور اس پر روتے (رلاتے) تھے' حالانکہ قرآن کا سننا سنانا فی نفسہ اچھی بات ہے لیکن اس خاص حالت میں سماع قرآن بدعت ہے۔

(البدع والنہی عنہا: ص۳۶)

تو وہ چیز کیوں نہ ممنوع ہوگی جس کی فضیلت یا خصوصیت پر کوئی دلیل نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ

''جو شخص ہر سال میلاد نبی ﷺ والی رات قران کو ختم کرتا ہے' کیا یہ مستحب ہے یا نہیں؟'' تو انہوں نے جواب دیا کہ

''الحمد للہ' عیدین اور ایام تشریق (عیدالاضحیٰ کے بعد تین دن) میں لوگوں کو کھانے پینے کے لیے جمع کرنا سنت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے لیے مسنون قرار دیا ہے۔ رمضان کے مہینے میں فقیروں اور مساکین کو کھانا کھلانا بھی دین اسلام کے عظیم الشان طریقوں میں سے ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِهِ))[1]

''جس نے کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرایا تو اسے اس روزہ دار جیسا ثواب

---

[1] [صحیح' سنن الترمذی' کتاب الصوم' باب ماجاء فی فضل من فطر صائما (۸۰۷)باختلاف یسیر' وقال :حسن صحیح]

ملے گا۔''

فقیر ومحتاج حافظوں کو صدقہ وخیرات دینا ہر وقت جائز ہے' جو ان کی مدد کرے گا تو ان کے ثواب میں شریک ہو جائے گا۔

رہا بغیر کسی شرعی دلیل کے بعض اوقات کو جمع ہونے کے لیے مقرر کر لینا مثلاً ربیع الاول کے مہینے کی بعض راتیں یا دن میلاد کے لیے مقرر کرنا' رجب کی چند راتیں' اٹھارویں ذوالحجہ' رجب کا پہلا جمعہ یا آٹھویں شوال جسے جاہل لوگ ''عیدالابرار'' (نیک لوگوں کی عید) کہتے ہیں' یہ سب بدعات ہیں جنہیں سلف صالحین نے پسند نہیں کیا اور ان کا منانا سلف صالحین میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں ہے۔''

(مجموع الفتاوی: ۲۵/ ۲۹۸)

عید میلاد کے جلوس' اہل کتاب کی اہم خصوصیت ہے۔ وہ اپنے انبیاء اور پادریوں کی عید میلادیں مناتے ہیں اور ہمیں ان لوگوں کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں (عیسائیوں) کے طرز عمل کی موافقت کرنا' بظاہر دلی طور پر ان کی حمایت کے مترادف ہے' اسے ہی عقیدہ (کی برابری) کہا جاتا ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ))[1]

''مشرکوں کی مخالفت کرو۔''

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

((خَالِفُوا الْمَجُوْسَ))[2]

''مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

مسند احمد میں ہے کہ

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب اللباس' باب تقلیم الاظفار (۵۸۹۲)صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب خصال الفطرۃ (۲۵۹)]

[2] [صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب خصال الفطرۃ: ۲۶۰]

((خَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ))[1]

''اہل کتاب کی مخالفت کرو۔''

نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اہل کتاب اور مشرکین کے خاص اعمال کی علانیہ مخالفت کرتے تھے' چاہے لباس کا معاملہ ہو یا جماع کا حتیٰ کہ دس محرم کے روزہ میں بھی آپ ﷺ نے اہل کتاب کی مخالفت کر کے نو محرم کے روزے کا حکم دیا بشرطیکہ وہ آئندہ سال زندہ ہوں لیکن اس سے پہلے ہی آپ کی وفات ہو گئی' لہٰذا (یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کی) مخالفت والا حکم اپنے وجوب (یعنی لازمی عمل) پر باقی رہا' نہ کہ استحباب پر اور اس سے مذکورہ تہوار کا بدعت ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

''عیدوں اور تہواروں کا شریعت' منہج (نصب العین) اور عبادات سے تعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾

''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے شریعت اور نصب العین بنایا ہے۔''

اور فرمایا کہ

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ﴾

''ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کا ایک طریقہ بتایا ہے جس پر وہ عمل پیرا ہیں۔''

(جیسے قبلہ' نماز' روزہ لہٰذا ان لوگوں کے تہواروں میں شمولیت ہو یا عبادات میں' ں میں کوئی فرق نہیں ہے' پورے تہوار و عید میں موافقت پورے کفر میں موافقت ہے' ر بعض میں موافقت بعض کفر میں موافقت ہے۔ بلکہ عیدیں اور تہوار قوموں کا خاص لخاص امتیازی نشان ہوتے ہیں' ان عیدوں سے ان لوگوں کی عبادات اور مذاہب کا

---

[1] [صحیح' مسند احمد (۵/ ۶۴)]

اظہار ہوتا ہے تو جو شخص ان عیدوں میں جس قوم کی حمایت کرے گا اس نے گویا کفر میں ا ن کی حمایت کی۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ حمایت و موافقت کفر و ارتداد کا باعث بھی بن سکتی ہے۔'' (اقتضاء الصراط المستقیم: ص۱۸۶)

اس کی تائید قول باری تعالیٰ سے ہوتی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَايَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ (الفرقان۔ ۷۲)

''اور وہ لوگ جو جھوٹ میں حاضر نہیں ہوتے۔''

سلف صالحین میں سے ایک جماعت مثلاً ابن سیرین' طاؤس' ابوالعالیہ وغیرہم نے اس آیت میں ''الزور'' سے مراد مشرکوں کی عیدیں اور تہوار لیے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۴۱)

نبی ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ

''اے ابوبکر! بے شک ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔''[۲۰]

نبی ﷺ نے ہر قوم کی خصوصیت اس کی عید بتائی ہے کیونکہ اس کا تعلق اس کے خاص شعار و نشان سے ہوتا ہے' اس لیے غیر مسلموں کے ساتھ ان کے تہواروں میں کسی قسم کی شرکت جائز نہیں ہے حتیٰ کہ انہیں مبارک باد بھی نہیں کہنا چاہیے' کیونکہ اس طرح ان کی مدافعت و حمایت ہوتی ہے اور ان کی شریعت جو کہ محرف و منسوخ ہے اس کا اقرار ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ کے دین اسلام کے علاوہ کسی دین پر عمل جائز نہیں ہے۔

سلف صالحین سے ایسے اقوال بھی مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کی عیدوں اور تہواروں کی سختی سے مخالفت و حرمت کے قائل تھے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

''جو شخص بلاد عجم میں (کافروں کے ساتھ) رہے' ان کے (تہواروں) نیروز اور

---

۲۰ [صحیح البخاری' کتاب العیدین' باب سنة العیدین لاهل الاسلام (۹۵۲) صحیح مسلم' کتاب العیدین' باب الرخصة فی اللعب الذی لامعصیة فیه (۸۹۲)]

مہرجان میں شرکت اور مشابہت کرے اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو جائے تو اس شخص کا حشر انہی (کافروں) کا سا ہوگا۔''[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) نے اس شخص کو کافروں کی مکمل حمایت کی وجہ سے کافر قرار دیا ہے یا اسے ایسا کبیرہ گناہ قرار دیا ہے جس کی وجہ سے آدمی دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے' اگرچہ اول الذکر مفہوم زیادہ ظاہر (اور واضح) ہے۔ لہٰذا ان تہواروں وغیرہ میں جزوی مشارکت بھی گناہ ہے کیونکہ اگر وہ عذاب کا مستحق نہیں تو تب بھی اس کے لیے یہ کام مباح نہیں ہے اور مباح پر ملامت نہیں کی جاتی' جبکہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کی سخت مذمت کر رکھی ہے اور یہ مذمت کسی خاص تہوار یا شخص کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے جس میں تمام لوگ شامل ہیں۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ ''جو کافروں کے علاقے میں رہے'' تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ کے زمانے میں دارالاسلام میں کافروں کو ان (تہواروں) سے روک دیا گیا تھا' مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان تہواروں میں کافروں کی مشابہت نہیں کرتا تھا۔ ایسا کرنا صرف کافروں کے کے علاقے میں ہی ممکن تھا۔''

(اقتضاء الصراط المستقیم : ص۱۷۹)

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس نیروز کا تحفہ لایا گیا تو آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا' اے امیر المومنین! یہ نیروز کا دن ہے' (علی رضی اللہ عنہ نے) فرمایا ''ہر روز ضیر وز کرو۔'' یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے نیروز کا لفظ تک استعمال کرنا ناپسند کیا۔[2]

---

[1] [حسن' السنن الکبریٰ بیہقی (۹/ ۲۳۴)

[2] [ضعیف' البیہقی (۹/ ۲۳۵) اس کی سند ابن سیرین تک صحیح نہیں ہے اور نہ ابن سیرین کی علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت ہے۔]

اس روایت سے استدلال کی یہ وجہ ہے کہ جب انہوں نے نیروز کا نام تک ناپسند کیا ہے تو نیروز کے عمل اور جلسہ میں کس طرح شرکت کر سکتے تھے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے مشرکین کی تحقیر اور اہانت کے لیے نیروز کا نام تک بدل دیا ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے کاموں کے انکار میں مبالغہ اور سختی کرنا چاہیے۔

عطاء بن دینار سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ

''عجمیوں کی بولیاں نہ سیکھو اور نہ ان کے کنیساؤں (عبادت گاہوں) میں داخل ہو کیونکہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔''[1]

امام الخلال رحمہ اللہ نے کتاب ''احکام اهل الملل'' میں مھنا بن یحییٰ سے نقل کیا ہے کہ میں نے احمد ابن حنبل سے پوچھا: ''ہمارے ہاں شام میں جو عیدیں ہوتی ہیں جن میں عام مسلمان حاضر ہوتے ہیں' بازاروں کو جاتے ہیں' ان میں وہ گائیں بکریاں وغیرہ لے کر جاتے ہیں' یہ لوگ بازاروں میں خرید وفروخت کرتے ہیں مگر کافروں کی عبادت گاہوں میں داخل نہیں ہوتے۔'' تو امام احمد نے کہا کہ

''اگر یہ ان کی عبادت گاہوں میں داخل نہ ہوں اور صرف بازاروں میں خرید وفروخت میں حاضر ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔''

(الرسائل والمسائل: ۲/ ۳۳۶)

امام احمد نے عبادت گاہوں کے بجائے بازاروں میں حاضری کو اس لیے جائز رکھا ہے کہ یہ ان لوگوں کے تہواروں میں شرکت سے علیحدہ ہے حالانکہ اس میں بھی ان غلط باتوں پر ان لوگوں کی ضمنی موافقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاقے میں نہ اہل کتاب کی عیدیں منائی جائیں اور نہ ان کا اظہار کیا جائے اور مسلمانوں کو بھی ان کی ذرہ برابر پروا نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان تہواروں کو ختم کر دینا چاہیے۔

---

[1] [صحیح' مصنف ابن ابی شیبہ (۵/ ۳۰۰: ح۲۶۲۷۲) عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہے۔ ابن ابی رباح کا زبانوں کے بارے میں یہ قول مرجوح ہے اور حق یہی ہے کہ سب زبانیں سیکھنا جائز ہے۔]

امام احمد رحمہ اللہ کے درج بالا قول کی تائید سنت نبوی سے بھی ہوتی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''الحجر''[1] والوں کے علاقے کے بارے میں فرمایا تھا: ''ان لوگوں کے علاقے میں جن پر عذاب نازل ہوا ہے صرف رونے والی حالت میں داخل ہو کر گزرو اور اگر رونا نہیں تو پھر اس علاقے میں داخل نہ ہونا' کہیں تمہارے اوپر بھی عذاب نہ آجائے۔''[2]

ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ نے منع کر دیا اور اس علاقے سے بہت جلدی گزر کر اسے اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔[3]

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے قوم ثمود کی زمین ''الحجر'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑاؤ کیا' وہاں کے کنوؤں سے پانی بھر لیا اور آٹا گوندھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پانی بہانے اور آٹا مویشیوں کو کھلانے کا حکم دے دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی حکم دیا کہ اس کنویں سے پانی بھریں جہاں (صالح کی) اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔[4]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

> ''اس حدیث میں ظالموں کے علاقے اور عذاب کی سرزمین کی طرف خاص توجہ دینا مقصود ہے اور یہ کہ ایسے علاقے سے جلدی نکل جائے۔ اسی طرح وادی محسر' جہاں ہاتھی والے ہلاک ہوئے تھے اس سے بھی جلدی گزرنا چاہیے اور ایسے علاقوں میں سے سفر کرنے والے کو پوری دیکھ بھال' خوف' گریہ وزاری کا مظاہرہ کرنا چاہیے کہ وہ اس منظر سے عبرت حاصل کرے اور اللہ کی پناہ مانگے۔''(شرح صحیح مسلم :۱۸/ ۳۱۱)

---

[1] [قوم ثمود کا علاقہ' جن کی طرف صالح بھیجے گئے]

[2] [صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب الصلاۃ فی مواضع الخسف والعذاب (۴۳۳) صحیح مسلم' کتاب الزھد' باب النھی عن الدخول علی اھل الحجر الامن یدخل باکیا (۲۹۸۰)]

[3] [ایضاً' مسلم(۲۹۸۰)]

[4] [صحیح البخاری' احادیث الانبیاء (۳۳۷۸'۳۳۷۹)مسلم (۲۹۸۱)]

بالکل اسی طرح کفار ومشرکین کے یہ تہوار ہیں' یہ بھی اللہ کے عذاب کے مستحق ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول' جس کی سابقہ انبیاء نے بشارت دی ہے' پر ایمان نہ لا کر ان ظالم لوگوں نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ ان بعض بشارتوں کا ذکر ان لوگوں کی تحریف شدہ کتابوں میں بھی موجود ہے' اس کے باوجود انہوں نے رب کے حکم کی مخالفت کر کے دین میں من مانی کی ہے اور ان لوگوں نے اللہ پر افتراء باندھا ہے۔ اور جس شخص نے ان کے بعض قوانین و رسوم میں موافقت کی تو اسے کفر وظلم سے اتنا ہی حصہ ملے گا اور جس نے ان کے تہواروں پر خوشی منائی تو گویا وہ اس کفر' سرکشی اور انکار پر راضی ہے اور جس نے انہیں تحفے تحائف دیے یا ان لوگوں کے لیے خوب کھانے پکائے تو ایسے آدمی کے بارے میں علماء نے سخت کلام کیا ہے' بلکہ بعض نے تو ایسا کرنے والے کے لیے کفر کا فتویٰ دیا ہے اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے قول کا ظاہری مفہوم بھی یہی ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''حنفیوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جو شخص ان (کافروں) کی عید کے دن بطور تعظیم ایک خربوزہ انہیں تحفہ دے تو اس نے یقیناً کفر کیا۔'' (احکام اهل الذمه : ۲/ ۷۲۵)

اور نیز یہ بھی کہا ہے کہ

''عبدالملک بن حبیب کہتا ہے' ابن القاسم (شاگرد امام مالک رحمہ اللہ) سے ان کشتیوں میں سواری کے بارے میں پوچھا گیا' جن میں عیسائی اپنے خاص تہواروں میں سفر کرتے ہیں؟ تو انہوں نے اسے مکروہ یعنی حرام قرار دیا کہ کہیں اس اجتماع وشراکت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل نہ ہو جائے۔ راوی کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن القاسم نے اسے بھی مکروہ یعنی حرام سمجھا ہے کہ کوئی مسلمان کسی نصرانی کی عید والے دن اس کی دلجوئی کے لیے کوئی تحفہ پیش کرے اور انہوں نے اسے اس تہوار کی تعظیم اور اس کے کفر کی حمایت قرار دیا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسلمانوں کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ عیسائیوں کی عید کے لیے انہیں گوشت' سالن یا کپڑا بیچیں اور نہ انہیں عاریتاً کوئی

جانور (سواری کے لیے) دیں اور ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کریں' کیونکہ اس میں ان کے شرک کی تعظیم اور کفر پر تعاون ہے' لہٰذا مسلمان حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ ایسے کاموں سے منع کر دیں۔ یہی قول امام مالک وغیرہ کا ہے اور اس میں مسلمان علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

(احکام اھل الذمۃ: ۲/ ۷۲۴' ۷۲۵)

یہ حکم جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تمام ایجاد کردہ غیر شرعی عیدوں اور تہواروں پر عائد ہوتا ہے جنہیں کفار اور مشرکین مناتے ہیں مثلاً عید میلاد میلاد المسیح' کنواری مریم کی عید' پادریوں کے ایام منانا' ماں کی عید (عیدالأم) تازہ ہوا سونگھنے کا تہوار[1] نیروز و مہر جان کی عید اور اس قسم کی وہ تمام عیدیں جو غیر مسلم مناتے ہیں۔

ان تمام عیدوں اور تہواروں کے بارے میں وہی قاعدہ ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ اس دن کوئی خاص کام نہیں کیا جائے گا بلکہ مسلمان بغیر کسی خصوصیت کے عام دنوں کی طرح ہی اسے گزاریں گے۔

(اقتضاء الصراط المستقیم: ۲/ ۵۱۸)

وہ ان دنوں میں غیر مسلموں کی مخالفت سے نہ روزہ رکھیں گے اور نہ ان کی ضد سے افطار کریں گے' وہ ان ایام میں ایسی کوئی خاص عبادت نہیں کریں گے جو نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے تہواروں کے دن مدینہ والوں کو روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ انہیں ان تہواروں میں شرکت سے منع کیا ہے لہٰذا ان عیدوں کے بارے میں سنت نبوی بس یہی ہے۔

عاشوراء کی بدعات اور باطل رسوم

پہلے یہ گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ رکھا تھا اور مسلمانوں کو یہ روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن موسیٰ اور بنی اسرائیل کو نجات دی'

---

[1] [یہ شیعوں کے ایک گروہ کا خاص تہوار ہے جسے عید نیروز بھی کہتے ہیں۔ ازافادات شیخ ابوفراس الشامی۔]

فرعون اور اس کی فوجوں پر غالب کر دیا۔ اس دن کی سب سے بڑی یہی خصوصیت ہے اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ یہودیوں کی مخالفت کی وجہ سے اس دن کا روزہ رکھنا مسنون ہے۔ رہا اس دن قسما قسم کے کھانے پکا کر کھانا اور اپنے اہل وعیال وغیرہ کو کھلانا' حلوہ تقسیم کرنا یا اس دن سرمہ ڈالنا وغیرہ' ان کاموں میں سے کوئی کام نہ تو نبی ﷺ سے ثابت ہے اور نہ سلف صالحین سے اور نہ ہی کسی مستند عالم نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اس دن کے استحباب وفضیلت کے بارے میں جو کچھ مروی ہے وہ تمام ضعیف و ناقابل حجت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اس سلسلے میں نہ نبی ﷺ سے کوئی صحیح حدیث وارد ہے اور نہ کسی صحابی سے' نہ اسے ائمہ مسلمین بشمول ائمہ اربعہ وغیرہم نے مستحب گردانا ہے اور نہ کسی مستند کتاب میں اس کا تذکرہ منقول ہے۔ نبی ﷺ' صحابہ اور تابعین سے کوئی روایت نہیں' نہ صحیح نہ ضعیف' نہ کتب صحاح میں اس کا ذکر ہے اور نہ کتب سنن میں اور خیر القرون سے بھی ایسی کوئی روایت معلوم نہیں۔''

(مجموع الفتاویٰ: ۲۵/ ۲۹۹)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اور ان (موضوع احادیث) میں سے عاشوراء کے دن سرمہ ڈالنا' زیب و زینت' وسیع خرچ کرنا اور (مخصوص) نمازیں پڑھنا وغیرہ فضیلتوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے' صرف روزوں کی فضیلت ثابت ہے' ان کے علاوہ سب کچھ باطل ہے۔'' (المنار المنیف: ص۱۱۱)

اور مزید لکھتے ہیں کہ

''سرمہ ڈالنے' تیل لگانے اور خوشبو لگانے کی جملہ احادیث جھوٹے لوگوں کی وضع کردہ ہیں' ان کے مقابے میں دوسرے جھوٹے لوگوں نے تکلیف اور غم کی روایات وضع کر دی ہیں لہٰذا یہ دونوں گروہ بدعتی اور اہل سنت سے خارج

ہیں اور اس دن اہل سنت (وہ) روزے رکھتے ہیں جن کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہے اور شیطان کی جاری کردہ بدعات سے کلی اجتناب کرتے ہیں۔" (ایضاً)

حافظ ابن رجب الحنبلی نے لکھا ہے بلہ

"عاشوراء کے دن سرمہ ڈالنے' خضاب لگانے اور غسل کرنے کے بارے میں جو کچھ مروی ہے وہ سب موضوع اور من گھڑت ہے' صحیح نہیں۔"

(لطائف المعارف: ص ۵۳)

اس میں سے اس دن والدین کے ساتھ خاص طور پر نیکی کرنے کا عقیدہ وعمل ہے' اس بارے میں بھی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ رہا والدین کے ساتھ نیکی کرنا تو یہ ہر وقت فرض ہے کسی خاص دن یا وقت کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔

ان خوشیوں اور جلوس واجتماع کے مقابلے میں روافض اور شیعہ کا یہ طرز عمل ہے کہ وہ اس دن قتل حسین رضی اللہ عنہ پر ماتم اور غم کا مظاہرہ کرتے ہیں' بہت زیادہ روتے پیٹتے ہیں' کالا لباس پہنتے اور اپنے آپ کو' اپنے گھر والوں کو مختلف ضربوں اور ظالمانہ رسوم سے سخت تکلیف پہنچاتے ہیں پھر اسے دین بھی سمجھتے ہیں۔[۲]

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے کہا کہ

"یہ ایسے لوگوں کا عمل ہے جن کے اعمال دنیا کی زندگی میں ہی ضائع اور ختم ہو چکے ہیں جبکہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بڑا نیکی کا کام کر رہے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول نے انبیاء کی مصیبتوں والے دنوں اور ان کی دردناک وفات کا ماتم منانے کا حکم نہیں دیا تو کسی غیر نبی کے بارے میں یہ عمل کیوں کر جائز

---

۱ [یعنی ان کا عقیدہ اور طریقہ استدلال امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسا تھا' نہ کہ یہ امام احمد رحمہ اللہ کے مقلد تھے' ان تمام علماء کا یہی نعرہ ہے کہ "لسنا مقلدین" ہم مقلدین نہیں ہیں۔ دیکھئے تقریرات الرافعی (۱/۱۱)]

۲ [حالانکہ ان کی اپنی مذہبی کتابوں میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ "ومن لا یحضرہ الفقیہ: ۱/۲۵۱ نمبر ۷۶۷" میں کالے لباس کو فرعون کا لباس قرار دیا گیا ہے]

ہوسکتا ہے؟'' (لطائف المعارف: ص ۵۴)

سرمہ ڈالنے والی حدیث[1] اور اہل و عیال پر وسیع خرچ والی حدیث[2] کی تخریج ہماری کتاب ''صون الشرع الحنیف'' کی دوسری جلد میں موجود ہے۔

ماہ رجب

مشہور غیر شرعی عیدوں میں سے ماہ رجب کی وہ عید بھی ہے جسے لوگ بطور عادت و رواج اور بڑے ذوق و شوق سے مناتے ہیں' خاص طور پر ستائیس رجب کی رات۔

میرے خیال میں اس میں مبالغہ نہیں ہے کہ بہت سے ناسمجھ مسلمان اس مہینے میں وہ عبادات کرتے ہیں جو رمضان میں بھی نہیں کرتے' مثلاً روزے' صدقات' کھانا کھلانا اور عمرہ وغیرہ' حالانکہ فضیلت میں یہ مہینہ بھی عام مہینوں کی طرح ہے اور اس کی مخصوص فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ ملا علی القاری حنفی نے بڑا تکلف کرکے اس مہینے کی فضیلت میں ایک رسالہ لکھ دیا ہے جس میں موضوع' منکر اور مردود روایات جمع کرکے اس کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ لوگ اس میں روزے رکھیں' ملا علی القاری نے اس مسئلہ میں قابل اعتماد اماموں کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ''اس مہینے میں روزوں کی فضیلت کے بارے میں ضعیف روایات مروی ہیں جو کثرت طرق کی وجہ سے قوی بن جاتی ہیں۔''

(الادب فی رجب للقاری : ص ۴۴)

بلکہ ملا صاحب نے اس مہینہ میں سلف صالحین اور امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہے۔ خرشہ بن الحر سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ رجب میں عمر رضی اللہ عنہ مار مار کر لوگوں کو برتنوں میں ہاتھ ڈالنے یعنی کھانا کھانے پر مجبور کرتے اور فرماتے کہ

> ''کھاؤ' کیونکہ یہ وہ مہینہ ہے جس کی زمانہ جاہلیت والے لوگ بڑی تعظیم

---

[1] [موضوع' انظر الموضوعات لابن الجوزی (۲/ ۲۰۱) وغیرہ]

[2] [ضعیف' انظر مشکوٰۃ (۱۹۲۶' ۱۹۲۷) بتحقیقی]

کرتے تھے۔"[1]

محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب لوگوں کو رجب کی تیاریاں کرتے دیکھتے تو ناپسند فرماتے تھے۔[2]

علماء نے اس مسئلہ پر کافی وشافی یعنی تفصیل سے کلام کیا ہے۔

حافظ المؤتمن الساجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"امام عبداللہ الانصاری خراسان کے مشہور شیخ رجب کا روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ اس سے منع کرتے تھے' وہ فرمایا کرتے کہ رجب یا اس کے روزے کی فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے اور اس کے روزے کی کراہیت و ناپسندیدگی ابوبکر و عمر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے۔"[3]

شیخ الاسلام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"رجب کے روزے یا اس کی بعض راتوں کی نماز کے بارے میں ہر مروی حدیث جھوٹ وافتراء ہے۔" (المنار المنیف: ص۹۶)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"رجب کی فضیلت' اس کے خاص ومعین روزوں یا خاص رات کے قیام کے بارے میں کوئی ایسی حدیث مروی نہیں جو صحیح اور قابل استدلال ہو اور یہ بات مجھ سے پہلے امام ابواسماعیل الہروی الحافظ رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے۔"[4]

رہا عمرہ تو ایک جماعت نے اسے مستحب سمجھا ہے۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی

---

[1] [ضعیف' مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۳۴۵' ح' ۹۷۵۸) اسکی سند ابو معاویہ اور الاعمش کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[2] [صحیح' ابن ابی شیبہ (۲/ ۳۴۶' ح۹۷۶۱)وسندہ صحیح]

[3] [الباعث علی انکار البدع والحوادث لابن شامة المقدسی: ص۷۱]

[4] [تبیین العجب بماورد فی فضل رجب: ص ۲۱]

ہے کہ نبی ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا تھا' یہ سن کر ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن عمر رضی اللہ عنہما پر انکار کیا اور فرمایا کہ

''اللہ ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن عمر بن الخطاب) کی مغفرت کرے' نبی ﷺ نے رجب میں عمرہ نہیں کیا تھا (کیونکہ) آپ ﷺ نے جتنے عمرے کیے ہیں میں ان میں آپ کے ساتھ تھی۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما جب عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول سنتے تو خاموش ہو جاتے' نہ تائید کرتے اور نہ تردید۔[1]

امام شوکانی نے علی بن ابراہیم العطار سے نقل کیا ہے کہ ''مکہ والوں کا صرف رجب میں بہت زیادہ عمرے کرنا میرے علم کے مطابق اس کی (صحیح دلیل سے) کوئی اصل نہیں ہے۔'' (الفوائد المجموعہ: ص ۴۴۰)

بعض لوگ میلادنبوی کا خاص عمرہ کرتے ہیں جسے ''عمرۃ المولد'' کہتے ہیں اور یہ بدعت ہے کہ اس مہینے (رجب) اور اس دن میلاد کی وجہ سے عمرہ کیا جائے' ہاں البتہ یہ جائز ہے کہ کوئی آدمی اس مہینہ میں اتفاقیہ بغیر کسی تعین کے عمرہ کرلے یا روزے رکھ لے۔ رہا اس مہینے (رجب) میں خاص طور پر زکوٰۃ نکالنا اور ادا کرنا تو اس کے بارے میں حافظ ابن رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''اور رہی زکوٰۃ' تو یہ ہمارے علاقے کے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ رجب میں زکوٰۃ نکالتے ہیں جبکہ اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی یہ سلف صالحین سے ثابت ہے۔'' (لطائف المعارف: ص ۱۲۵)

اللہ ہی توفیق عطا فرمائے تاکہ لوگ کتاب وسنت پر صحیح طریقے سے عمل کرسکیں۔

❀❀❀

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب العمرۃ' باب کم اعتمر النبی ﷺ (۱۷۷۵' ۱۷۷۶) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب بیان عدد عمر النبی ﷺ وزمانھن (۱۲۵۵)]

الجنائز

جنازے کی بدعات اوران کارد

جنازے کے سلسلہ میں کی جانے والی بدعات تو بہت زیادہ ہیں ہم ان میں سے اہم ترین اور مشہور بدعتوں کا یہاں تذکرہ کرتے ہیں۔

مرنے والے کے پاس شیاطین کا حاضر ہونا

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مرنے والے کے پاس شیاطین اس کے ماں باپ کی شکل میں اور یہود ونصاریٰ کے بھیس میں آکر ادیان باطلہ اس کے سامنے پیش کر کے اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابن حجر الہیتمی نے "الفتاوی الحدیثیه" میں سیوطی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ "اس بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہے۔"

میت کے پاس قرآن رکھنا اور سورۂ یاسین پڑھنا

مرنے والے کے سر کے پاس قرآن مجید رکھنا اور اس کے اور میت کے پاس سورۂ یاسین پڑھنا تاکہ اس کی جان کنی کی سختی میں تخفیف ہو اور سوال و جواب میں وہ ثابت قدم رہے اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ اس بارے میں جتنی مرویات ہیں وہ یا تو موضوع ہیں یا منکر۔ مثلاً:

۱ حدیث: اپنے مرنے والوں پر یاسین پڑھو۔

۲ حدیث: جو بھی مر رہا ہو اگر اس کے پاس یاسین پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

لے [یہ شخص بذات خود بدعتی تھا' یہ روایت حدیث میں سخت ضعیف بلکہ متروک تھا۔ اعاذنا اللّٰہ من شرہ]

۳ حدیث: سورۂ یٰسین پڑھو کیونکہ اس میں دس برکتیں ہیں۔ اگر بھوکا پڑھے تو اس کا پیٹ بھر جاتا ہے۔ اگر ننگا پڑھے تو اسے کپڑے مل جاتے ہیں۔ اگر مسافر پڑھے تو اس کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔ جس کا کوئی جانور گم ہو جائے وہ اگر پڑھے تو اپنے جانور یا گمشدہ چیز کو پالیتا ہے۔ جس میت کے پاس یہ پڑھی جائے اس کی تخفیف کردی جاتی ہے۔ اگر پیاسا پڑھے تو سیراب ہو جاتا ہے۔ اگر مریض پڑھے تو صحت یاب ہو جاتا ہے۔

یہ سب مردود روایات ہیں جن کی تخریج و تحقیق' میری کتاب ''صون الشرع'' میں موجود ہے' جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

ابن الحاج رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے پاس سورۂ یاسین اور سورۃ الانعام پڑھنے کو مکروہ سمجھا اور وجہ یہ بیان کی کہ سلف صالحین سے یہ عمل ثابت نہیں۔

(المدخل : ۳/ ۲۲۹)

مرنے والے کا چہرہ' قبلہ کی طرف پھیر دینا

یہ بھی ممنوع ہے' کیونکہ کوئی عبادت بھی اگر بغیر دلیل کے ہو تو ناجائز و ممنوع ہے۔ اس کی تشریح سعید بن المسیب (تابعی) کے صحیح و ثابت فتویٰ سے ہوتی ہے' انہوں نے اسے مکروہ قرار دیا اور کہا ''کیا مرنے والا مسلمان نہیں ہے؟''[1]

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جب سعید بن المسیب پر موت کا وقت آیا تو ایک شخص نے داخل ہو کر کہا' ان کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دیں' تو سعید نے غضبناک ہو کر فرمایا: ''کیا میں قبلہ کی طرف نہیں ہوں؟'' اس کی سند صحیح ہے۔[2]

حسن بصری اور ابراہیم النخعی اسے مستحب سمجھتے ہیں۔

---

[1] [مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/ ۲۴۷' ح ۱۰۸۷۵۔ اس کی سند سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس کے باوجود فاضل مؤلف نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔]

[2] اس کی سند بھی سفیان ثوری اور ابن جریج کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہ معلوم نہیں ہے کہ تدلیس کے مسئلہ میں فاضل مؤلف کا کیا نظریہ ہے؟]

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یہ مستحب ہے کہ مرنے والے کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے۔''[1]

ابراہیم النخعی نے کہا:

''وہ یہ پسند کرتے تھے کہ مرنے والے کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے۔''[2]

اس باب میں سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا قول دو وجہوں سے مقدم ہے' ایک یہ کہ سعید بن المسیب ان سے علم میں بڑے ہیں اور دوسرا یہ کہ یہ اصل دین کتاب و سنت کے عمومی دلائل کے مطابق ہے۔[3]

اس کی تائید ابن الحاج کے نقل کردہ اس قول سے ہوتی ہے جس میں امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''اس پر لوگوں کا عمل نہیں'' امام مالک نے اس فعل کو بطور سنت کرنا ناپسند فرمایا۔ (المدخل: ۳/ ۲۲۹' ۲۳۰)

اس کے بعد مجھے البراء بن معرور رضی اللہ عنہ جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ نقیبوں میں سے ایک تھے' ان سے منسوب ایک مرسل (یعنی منقطع و مردود) خبر مل گئی' انہوں نے مدینہ میں وفات کے وقت اپنے گھر والوں کو کہا تھا کہ میرا رخ کعبہ کی طرف کر دو۔[4]

اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو بھی اس میں دلیل نہیں تھی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل ثابت نہیں اور نہ ہی کسی صحابی سے یہ فعل ثابت ہے' جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

حافظ ابن حزم نے ''المحلی'' میں کہا ہے کہ ''میت کا چہرہ قبلہ رخ کر دینا بہتر ہے

---

۱ [اس کی سند صحیح ہے' اشعث سے مراد ابن عبدالملک الحمرانی ہے' لہٰذا اس مسئلے میں مؤلف کا موقف مرجوح ہے۔ ابن ابی شیبہ ۱۰۸۷۲]

۲ [ضعیف' ابن ابی شیبۃ (۱۰۸۷۱) اس کی سند سفیان ثوری اور مغیرہ بن مقسم کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

۳ (یاد رہے کہ سعید کا یہ قول سعید سے ثابت ہی نہیں ہے۔)

۴ [ضعیف' مصنف عبدالرزاق (۳/ ۳۹۲) السنن الکبریٰ للبیہقی (۳/ ۳۸۴) وقال: وھو مرسل جید]

اور اگر نہ کرے تو کوئی حرج نہیں (کیونکہ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جدھر منہ کرو گے ادھر ہی اللہ کا وجہ (چہرہ) ہے۔ (لہٰذا اس مسئلہ میں) ایسی کوئی نص (دلیل) نہیں آئی کہ لازمی طور پر میت کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیرنا چاہیے۔"

یاد رہے کہ میت کا منہ پھیرنا ایک الگ مسئلہ ہے اور قریب المرگ کا منہ پھیرنا ایک الگ مسئلہ ہے لہٰذا اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

میت کے پیٹ پر تلوار رکھنا

حافظ ابن المنذر نے "الاوسط (۵/ ۳۲۱)" میں لکھا ہے کہ

"میت کے پیٹ پر تلوار یا لوہا رکھنے کے بارے میں سنت سے کوئی چیز (یا سلف کا عمل) ثابت نہیں ہے۔"

حائضہ، جنبی اور بچوں کو میت کے پاس آنے سے منع کرنا

ابن الحاج نے "المدخل (۳/ ۲۲۹)" میں لکھا ہے کہ

"میت کے قریب حائضہ، جنبی اور چھوٹے بچے کو نہیں جانا چاہیے، (کیونکہ) بچہ فضول حرکتیں کرے گا، اس سے نہ منع ہوگا اور نہ کسی کا حکم مانے گا۔"

ابن الحاج کا یہ قول فی نفسہٖ بدعت ہے، شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہیں اور علماء کے درمیان اختلاف صرف اس بارے میں ہے کہ آیا میت کو حائضہ یا جنبی غسل دے سکتا ہے؟ اور (جبکہ) راجح یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔

میت کے پاس جان کنی سے لے کر دفن تک قرآن کی تلاوت کرنا

یہ بدعت آج کل بہت زیادہ مشہور ہے، ان لوگوں کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ شاید جان کنی کے وقت اسے آسانی رہے گی، اور روح آسانی سے نکل جائے گی اور موت کے بعد اس کی دلجوئی ہوتی ہے۔ بعض اسے اس قراءت کا ثوب ہدیہ کر دیتے ہیں اس پر تفصیلی کلام عنقریب آئے گا اور بعض لوگ فخر و نمود و نمائش کے لیے یہ حرکت کرتے ہیں۔ عام طور پر یہ قراءت کرنے والے کرائے کے قاری ہوتے ہیں، بعض ٹیپ ریکارڈر کی

کیسٹیں لگادیتے ہیں' یہ تمام چیزیں سنت سے ثابت نہیں اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی نے یہ کام کیا ہے' بلکہ مردوں پر قراءت کی اجرت کے بارے میں تفصیلی کلام آرہا ہے۔ ان شاء اللہ!

میت پر بین کرنا' بآواز بلند رونا اور میت کی خوبیاں بیان کرنا' کپڑے پھاڑنا اور سر منڈانا وغیرہ

یہ بھی ان بدعتیوں کی مشہور بدعتیں اور کتاب وسنت کی مخالفتیں ہیں اور عام طور پر یہ حرکتیں عورتیں کرتی ہیں تاکہ ان کی مبالغہ آمیز محبت اور نام نہاد غم کا اظہار ہو۔

اس کا فائدہ نہ میت کو پہنچتا ہے اور نہ زندہ کو بلکہ زندہ گناہ گار اور میت کو وہ اگر زندگی میں ان بدعات پر راضی وخوش تھا' تو عذاب ہوتا ہے جیسا کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ

''جس پر وہ نوحہ (بین) کیا گیا (اور وہ اس پر راضی تھا تو) اس پر قیامت کے دن عذاب ہوگا۔''[1]

''الندب'': میت کی خوبیاں اور محاسن بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ ابوالقاسم الرافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ ''واکھفاہ...... وا جبلاہ''[2] وغیرہ کہنے کو کہتے ہیں یعنی کتنی بڑی پناہ گاہ تھا' کتنا بڑا پہاڑ تھا (اس قسم کے تمام الفاظ کا یہی حکم ہے کہ ممنوع ہیں) اور یہ بذات خود نوحہ میں سے ہے' لیکن عام طور پر نوحہ میں اونچی آواز سے رویا پیٹا جاتا ہے جو کہ شریعت کی حد سے خارج ہے' اور میت پر عورتیں ایک دوسرے کا استقبال کرتے ہوئے ایسی حرکتیں کرتی ہیں۔ نوحہ کا اصل مفہوم سختی اور ہٹ دھرمی ہے کیونکہ اس میں سختی اور ہٹ دھرمی سے رویا جاتا ہے۔ (دیکھئے غریب الحدیث لا بن الاثیر: ۵/ ۱۴۰)

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب مایکرہ من النیاحۃ علی المیت(۱۲۹۱)مسلم' کتاب الجنائزباب المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ (۹۳۳)]

[2] [روضۃ الطالبین للنووی: ۲/ ۱۴۵]

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عورتیں ایک دوسرے کا استقبال کرتے ہوئے یہ کرتی ہیں۔
(غریب الحدیث للحربی: ۲/ ۷۰۰) اور یہ سب باتیں یکساں احتمال رکھتی ہیں۔

بین کرنا اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت کی مشہور رسم ہے' دوسری بدعات کی طرح یہ بدعت بھی عورتوں میں وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ عورتوں کی بیعت اس پر لیتے کہ وہ گناہ نہیں کریں گی اور گناہوں میں نوحہ بھی شامل ہے جو بہت بڑا جرم ہے۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''وہ تیری بیعت کریں گی کہ اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کریں گی اور معروف (نیکی) میں تیری مخالفت نہیں کریں گی'' تو انہوں (ام عطیہ) نے فرمایا' اسی میں سے نوحہ بھی ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس پر ہم سے بیعت لی کہ ہم نوحہ (بین) نہیں کریں گی۔[2]

اس عہد کو صرف پانچ عورتوں نے پورا کیا' ام سلیم' ام العلاء' ابو سبرہ کی بیٹی معاذ کی بیوی اور دو عورتیں (رضی اللہ عنہن)۔

نووی نے کہا' اس حدیث میں دلیل ہے کہ نوحہ (بین کرنا) حرام ہے اور اس حرمت پر اجماع ہے۔ (شرح صحیح مسلم النووی: ۲/ ۵۹۶)

ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں جاہلیت کی چار باتیں ہمیشہ رہیں گی' جنہیں وہ (عام لوگ) کبھی ترک نہیں کریں گے۔ حسب ونسب میں فخر' دوسرے کے نسب میں طعن' ستاروں کے ذریعے بارش برسنے کا وقت وعلم معلوم کرنا اور نوحہ (بین)۔''

---

[1] [صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب المیت یعذب ببکاء اهله علیه(۹۳۷)]

[2] [صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب ماینهی من النوح والبکاء (۱۳۰۶)صحیح مسلم(۹۳۶)]

نیز نبی ﷺ نے فرمایا:

"نوحہ کرنے والی عورت اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو اسے قیامت کے دن اس حالت میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر گندھک کی شلوار اور خارش کی اوڑھنی (قمیص) ہوگی۔"[1]

ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ جب ابوسلمہ ؓ فوت ہوئے تو میں نے کہا' اجنبی تھا' اجنبی زمین میں فوت ہوا' میں اس پر ایسا روؤں گی کہ لوگ یاد رکھیں گے اور قصے بیان کریں گے۔ میں جب رونے کے لیے تیار ہوئی' ایک عورت بھی اس کام میں میری مدد کے لیے آگئی۔ نبی ﷺ نے (یہ معلوم ہونے پر) اس کی طرف چہرہ مبارک کر کے فرمایا کہ

"کیا تو چاہتی ہے کہ اس گھر میں شیطان کو (دوبارہ) داخل کردے جہاں سے اللہ نے اسے نکال دیا ہے۔" یہ بات آپ نے دو دفعہ فرمائی' وہ عورت بھی رک گئی اور میں بھی نہ روئی۔[2]

اسے بدعت اسعاد کہا جاتا ہے۔ یعنی عورتوں کا نوحہ اور بین میں بطور فخر اور حسن سلوک ایک دوسرے کی مدد کرنا' تاکہ یہ معلوم ہو کہ فلاں میت پر بہت زیادہ بین کیا گیا تھا۔ اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے بلکہ شریعت اس کے فاسد اور جاہلیت کی پیداوار ہونے پر دلیل ہے۔ اس پر تو عورتوں سے بیعت لی جاتی تھی کہ وہ اسے کلیتاً ترک کریں گی۔

نبی ﷺ سے ایک ضعیف روایت

((لَا اسْعَادَ فِی الْاِسْلَامِ))[3]

---

[1] [صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب التشدید فی النیاحۃ(۹۳۴)]

[2] [صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب البکاء علی المیت(۹۲۲)]

[3] [صحیح' سنن نسائی' کتاب الجنائز' باب النیاحۃ علی المیت (۱۸۵۴) اس کی سند بالکل صحیح ہے' معلوم نہیں کہ مؤلف نے کس وجہ سے اسے ضعیف کہہ دیا ہے۔]

"اسلام میں کوئی اسعاد (نوحہ پر ایک دوسرے کی مدد) نہیں"[1] مروی ہے۔ تاہم اس کی تائید ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سابق حدیث سے ہوتی ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لا اسعاد" عورتوں کا نوحہ اور بین میں ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے' ایک عورت ماتم میں کھڑی ہو جاتی تو اس کے ساتھ دوسری بھی کھڑی ہو جاتی۔ تو کہا جاتا ہے کہ اس دوسری عورت نے اسعاد کیا ہے اور یہ مسعدہ (اسعاد کرنے والی) ہے۔[1]

اس کے ساتھ عام طور پر کپڑے پھاڑنا' رخسار پیٹنا اور بال منڈا دینا بھی ہوتا ہے۔ یہ ان بڑی منکرات میں سے ہے جن سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو (مصیبت میں) اپنے رخسار پیٹے یا گریبان پھاڑ دے یا جاہلیت کی آوازیں لگانا شروع کر دے۔"[2]

یہ رسم صرف عورتوں سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے رافضیوں کے فرقہ امامیہ سے منسوب کر کے یہ لکھا ہے کہ یہ لوگ باپ یا بھائی وغیرہ کی مصیبت میں اپنے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں۔ (احکام الجنائز: ص ۲۳۵)

مصیبت کے وقت سنت طریقہ

ان مقامات پر یعنی موت اور مصیبت میں سنت یہ ہے کہ شفقت اور صبر کا اظہار کیا جائے اور ((انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اجرنا فی مصیبتنا واخلفنا خیراً منھا)) پڑھا جائے۔

اگر وقار و خاموشی میں آنسو بہہ جائیں بشرطیکہ کوئی قابل اعتراض اور غلط بات نہ ہو تو یہ جائز ہے اور یہ وہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے۔

---

[1] غریب الحدیث للخطابی: ۱/ ۳۶۸]

[2] [صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب لیس منا من شق الجیوب (۱۲۹۴) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب تحریم ضرب الخدود ..الخ (۱۰۳)]

جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ سعد بن معاذ کی وفات پر آپ آنسوؤں سے روئے اور فرمایا:

''اللہ آنکھوں کے آنسوؤں سے عذاب نہیں دے گا اور نہ دل کے غم سے لیکن وہ زبان کی وجہ سے عذاب دے گا یا رحم کردے گا''[1]

اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر بھی آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے تھے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے (حیرت سے) پوچھا ''اور آپ بھی رو رہے ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ!؟''

تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے ابن عوف! یہ رحمت ہے۔'' پھر کہا:

''آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل غمگین ہے' ہم صرف وہی کہتے ہیں جس پر ہمارا رب راضی ہے اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر ضرور غمگین ہیں۔''[2]

میت کی شرمگاہ' ناک' کان اور حلق یعنی (منہ) میں روئی رکھنا

ابن الحاج نے ''المدخل (۳/۲۴۰)'' میں لکھا ہے کہ

''اس بدعت سے ڈرنا (یعنی بچنا) چاہیے' اور یہ حرام ہے کہ میت کی دبر میں روئی داخل کر کے اس کی حرمت کو تار تار کردیا جائے۔ اسی طرح اس کے حلق اور ناک میں روئی رکھنا' یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اس میں سنت کی مخالفت اور میت کی بے حرمتی ہے۔''

علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''احکام الجنائز (ص۳۰۹)'' میں ابن الحاج کی موافقت کی ہے۔

اس کا جواز سلف صالحین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

---

[1] [صحیح بخاری' کتاب الجنائز' باب البکاء عند المریض(۱۳۰۴)صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب البکاء علی المیت (۹۲۴)]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبی ﷺ: انابك لمخزونون (۱۳۰۳)صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب رحمتہ ﷺ الصبیان والعیال (۲۳۱۵)]

عبدالرزاق نے "المصنف (۳/ ۴۲۷)" میں اور "ابن ابی شیبہ (۲/ ۴٦٠)" نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ ابن جریج رحمہ اللہ نے عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا (سوراخوں کو) روئی (یا اون سے) بھرا جائے گا؟ تو انہوں نے فرمایا' جی ہاں! تا کہ کوئی چیز اس سے بہہ نہ نکلے۔

"کرسف" روئی کو کہتے ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ ابراہیم النخعی سے نقل کیا ہے کہ میت کو بھرا جائے گا اس خوف کی وجہ سے کہ اس سے کچھ چیز باہر نہ نکل آئے' لیکن یہ مغیرہ بن مقسم کی ابراہیم سے روایت ہے کہ مغیرہ مشہور مدلس ہیں۔[1]

ابن ابی شیبہ نے ضعیف اسانید کے ساتھ اس کا جواز جابر بن زید (ابو الشعثاء)' حسن بصری اور محمد بن سیرین سے بھی نقل کیا ہے' لیکن حجت صرف صحیح سندوں سے ہی قائم ہوسکتی ہے اور نبی ﷺ سے اس بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے اور جو حدیث مروی ہے وہ سنداً ضعیف ہے۔

امام طبرانی نے "المعجم الکبیر (۲۵/ ۱۲۴)" میں اور بیہقی نے (سنن الکبریٰ: ۳/ ۴٠۵) میں لیث بن ابی سلیم عن عبدالملک بن ابی بشیر عن حفصہ بنت سیرین عن ام سلیم رضی اللہ عنہا کی سند سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب عورت فوت ہو جائے اور لوگ اسے نہلانا چاہیں۔"

راوی نے لمبی حدیث بیان کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: "پھر اس کے نیچے روئی سے حسب استطاعت بھر دو۔"

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ لیث بن ابی سلیم کا اپنے آخری زمانے میں حافظہ شدید کمزور و متغیر ہوگیا تھا لہٰذا وہ ضعیف ہے۔ طبرانی کی روایت میں جنید بن ابی وہرہ یعنی جنید بن العلاء نے اس کی متابعت کی ہے اور جنید کو ابو حاتم نے "صالح الحدیث" اور البزار نے "لیس بہ بأس" کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس کی حدیث سے بچنا

---

[1] [ضعیف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴٦٠' ح ۱۱٠۲۷)]

چاہیے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا' اس نے غسل میت کے بارے میں ایک لمبی اور منکر روایت بیان کی ہے۔ ابن حبان نے اسے مدلس بھی قرار دیا ہے لہٰذا یہ سند بھی ضعیف ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس کا تعلق عادات سے ہے یا عبادات سے؟

تو عرض ہے' ظاہر یہی ہے کہ اس کا تعلق عبادات سے ہے کیونکہ سنت میں اس (یعنی میت کو نہلانے وغیرہ) کی صفت کا بیان ہوا ہے اس وجہ سے اصل مسئلہ یہی ہے کہ یہ عمل ناجائز ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

میت کے ناخن تراشنا اور شرمگاہ کے بال مونڈنا

عبدالرحمٰن بن القاسم نے امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ میت کے ساتھ آگ کی انگیٹھی لے جائیں یا اس کے ناخن تراشیں یا اس کی شرمگاہ کے بال مونڈ دیں۔ میرے خیال میں یہ تمام کام بدعت ہیں۔ (لہٰذا) میت کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔''[1]

ابن الحاج نے ''المدخل (۳/۲۴۰)'' میں کہا ہے کہ میت کے ناخن تراشنا امام مالک کے مذہب و تحقیق پر بدعت ہیں۔

سلف صالحین کی ایک جماعت نے اس کام سے منع کیا ہے۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ''وہ موت کے بعد میت کے ناخن تراشنے یا شرمگاہ کے بال مونڈنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ مریض کے گھر والوں کو چاہیے کہ یہ کام اس کی وفات سے پہلے بیماری میں ہی کرلیا کریں۔'' شعبہ نے حماد بن ابی سلیمان کے سامنے ذکر کیا کہ حسن بصری اسے جائز سمجھتے ہیں تو انہوں نے (حسن بصری پر) انکار کیا اور کہا کہ ''جس کا ختنہ نہ ہوا ہو تو کیا اس کا ختنہ بھی کیا جائے گا؟''[2]

---

[1] [المدونة الكبرىٰ (۱/ ۲۵٦) یہ کتاب مستند نہیں ہے اور نہ ہی امام مالک سے ثابت ہے اور اس کتاب میں ایسی منکر باتیں ہیں جو عقل ونقل دونوں کے خلاف ہیں۔]

[2] [صحیح' ابن ابی شیبه (۲/ ۴۵۳' ح ۱۰۹۴٦) و سنده صحیح]

امام احمد رحمہ اللہ ان کاموں کے جواز کے قائل ہیں بشرطیکہ بال یا ناخن حد سے بڑھے ہوئے ہوں اور انہوں نے اپنی دلیل کے طور پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے جس کی سند مرسل (یعنی منقطع) ہے۔ مسائل عبداللہ بن احمد ابن حنبل (۴۹۵) میں لکھا ہے کہ

> ''میں نے اپنے باپ کو پڑھ کر سنایا کہ میت کے ناخن تراشے جائیں گے یا بال کاٹے جائیں گے یا مونچھیں کاٹی جائیں گی؟ تو انہوں نے کہا' اگر حد سے بڑھے ہوئے ہوں تو جائز ہے اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک میت کو غسل دیا تو استرہ منگوالیا۔''[1]

اس بارے میں منع کا قول زیادہ قوی ہے' اور اس کے جواز پر سنت سے کوئی دلیل وارد نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے یہ فعل ثابت ہے۔ واللہ اعلم!

ابن المنذر نے بھی ''الاوسط (۵/ ۳۲۹)'' میں یہ کہتے ہوئے منع کو ہی راجح قرار دیا ہے: ''میرے نزدیک اس کام سے رک جانا زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے کیونکہ ان افعال کا زندہ کو حکم ہے' پس جب وہ فوت ہوگیا تو تمام امور منقطع ہوگئے' اب اس کا سارا بدن گل سڑ سکتا ہے سوائے عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی) کے' جس کا استثناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔''

داڑھی منڈوں کا میت پر غم کی وجہ سے (عارضی طور پر) داڑھیاں بڑھانا

عام طور پر یہ لوگ اس عرصہ غم کے کچھ بعد ہی داڑھیاں دوبارہ منڈا دیتے ہیں۔ اس کا وہی درجہ ہے جو مصیبت میں عورتوں کا بال منڈانا یا کالا لباس پہننا ہے اور اس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔ داڑھی چھوڑنا حقیقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب سنت یعنی فرض ہے' اسے غم و پریشانی اور تکلف کے لیے چھوڑنا بدعت اور گمراہی ہے اور ایسا کرنے والے کو کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ وہ گنہگار ہوگا۔ یاد رہے کہ حقیقت میں داڑھی منڈانا

---

[1] [ضعیف' ایضاً' (۷/ ۱۰۹۴) یہ روایت انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

گناہ اور نافرمانی ہے اور مصیبت وغم کی وجہ سے اسے چھوڑنا تاکہ ثواب ملے بدعت منکرہ ہے اور بدعات کا تعلق کبیرہ گناہوں سے ہے۔ والعیاذ باللہ۔

خاوند کی وفات اور ایام غم میں بیوی کا سیاہ لباس پہننا

شیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ''مصیبتوں کے وقت کالا لباس پہننا باطل شعار ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔''[1]

اور مزید فرماتے ہیں کہ ''تعزیہ کے لیے معین لباس کی تخصیص کرنا ہماری تحقیق میں بدعت ہے' اس میں اس کا اشارہ ہے کہ یہ انسان اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناراض ہے۔ بعض لوگ اسے جائز سمجھتے ہیں لیکن سلف صالحین ایسے کام ہرگز نہیں کرتے تھے چونکہ اس میں ناراضی کا شائبہ ہے لہٰذا اسے ترک کر دینا ہی اولیٰ ہے' کیونکہ یہ معین لباس پہننے والا سلامتی کے بجائے گناہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔''[1]

میت پر سوگ وغم کے سلسلے میں عورت کا سیاہ لباس پہننا یا بُرا (ردی) لباس پہننا جیسا کہ جاہلیت کی عورتیں پہنتی تھیں۔ سنت نہیں ہے' بلکہ سنت یہ ہے کہ رنگین و زرکش کپڑا نہ پہنے' خوشبو اور خضاب نہ لگائے' زیب و زینت کی عام چیزیں جن کا تعلق شوہر اور جماع کے ساتھ ہوتا ہے کلیتًا ترک کر دے۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''سوگ یہ ہے کہ زینت اور ان کاموں سے رک جائے جن سے (خاوند کے لیے) جماع کی ترغیب ہوتی ہے' مثلاً زیور پہننا' خوشبو' خضاب' مہندی اور سیاہ سرمہ ڈالنا۔'' (احکام النساء لا بن الجوزی: ص ۳۵۱' ۳۵۲)

اس کی تائید ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ

''جس کا خاوند مرجائے وہ نہ زیور پہنے اور نہ خضاب و مہندی لگائے اور نہ خوشبو لگائے۔''[2]

---

[1] [البدع والمحدثات ومالا اصل لہ: ص ۲۹۹]

[2] [صحیح' مصنف عبدالرزاق (۷/ ۴۳' ۴۴' ح ۱۲۱۱۴) بیہقی (۷/ ۴۴۰) ابن عمر کا قول ہے ←

یاد رہے کہ وہ ان ایام میں نہانا' بکھرے ہوئے بالوں کو کنگھی کرنا نہیں چھوڑے گی جیسا کہ آج کل کی اکثر عورتوں نے عادت بنا رکھی ہے بلکہ یہ تمام باتیں اس کے لیے جائز ہیں۔ اسلام صاف ستھرا دین ہے' صفائی کو پسند کرتا اور اس کا حکم دیتا ہے۔

میت پر شرعی حد سے زیادہ سوگ منانا

کالا لباس پہن کر بعض عورتیں ان پر سوگ منانا لازم سمجھتی ہیں جن پر لازم نہیں' یہ سب باتیں سنت کے خلاف ہیں۔

زینب بنت ام سلمہ سے روایت ہے کہ وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت گئیں جب کہ ان کے والد ابوسفیان فوت ہوئے تھے (یعنی ان کی وفات کے تین دن بعد) ام حبیبہ نے زرد رنگ کی یا دوسری خوشبو منگائی انہوں نے یہ خوشبو ایک لڑکی (یا لونڈی) کو لگائی اور خود بھی اپنے رخساروں پر مل لی پھر فرمایا کہ

''اللہ کی قسم! مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا آپ نے فرمایا تھا کہ

''اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والی کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دنوں سے زیادہ سوگ منائے سوائے خاوند کے' وہ اپنے خاوند پر چار مہینے اور دس دن سوگ منائے گی۔''[1]

زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میں زینب بنت جحش کے پاس گئی جب ان کے بھائی فوت ہوئے تھے تو انہوں نے خوشبو منگوا کر لگائی' پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم! مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ

''اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والی کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی

← کہ نہ سرمہ ڈالے اور نہ کسی دوسرے گھر میں رات گزارے (ہاں البتہ کسی شرعی ضرورت کی وجہ سے) دن کو دوسرے گھر جا سکتی ہے۔ بیہقی (۷/ ۴۴۰) وسندہ صحیح' علی تصحیف فی المطبوع]

[1] [صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب احداد المرآة علی غیر زوجها (۱۲۸۱' ۱۲۸۲) صحیح مسلم' کتاب الطلاق' باب وجوب الاحداد فی عدة الوفاة...الخ (۱۴۸۶)]

میت پر تین دنوں سے زیادہ سوگ منائے سوائے خاوند کے' وہ اپنے خاوند پر چار مہینے اور دس دن سوگ منائے گی۔[1]

ایام مصیبت میں ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر نہ سننا اور ٹی وی نہ دیکھنا

سوگ کی یہ مشہور بدعت ہے کہ جب کوئی مر جائے تو اس کے گھر والے اور رشتہ دار اس پر اتفاق کر لیتے ہیں کہ ریڈیو نہیں لگائیں گے' ٹی وی نہیں دیکھیں گے وغیرہ' حتیٰ کہ چالیس دن گزر جائیں۔ اس پر بھی کلام عنقریب آ رہا ہے۔[2]

ہمارا یہ کلام ٹی وی دیکھنے کے جواز کی دعوت نہیں ہے اور نہ ہم گانے سننے کی اجازت دیتے ہیں بلکہ یہ چیزیں ہمارے نزدیک شدید حرام ہیں لیکن باقی دنوں میں ان حرام کاموں کا ارتکاب اور سوگ کے دنوں میں ان سے رکنا اس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس نیت سے ان چیزوں کے ترک پر سوگ منانے والے کو کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ ان چیزوں کے دیکھنے اور سننے سے زیادہ عذاب ہوگا اور اس کا حکم بھی وہی ہے جو سنت کی مخالفت اور دین میں بدعت پھیلاتے ہوئے ایام سوگ میں داڑھی بڑھانے اور بعد میں استرا پھیر دینے کا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

مرنے والے کی اطلاع منبر' لاؤڈ سپیکر اور گاڑیوں پر دینا

''النعی'' کا اصل مطلب وہی ہے جو امام ترمذی نے بیان کیا ہے کہ

''لوگوں میں اس کی منادی کرنا کہ فلاں شخص مر گیا ہے لہٰذا اس کے جنازے کے لیے آ جاؤ۔'' (جامع ترمذی: ۳/ ۳۱۳)

اس کی دو قسمیں ہیں:

---

[1] [بخاری: ۱۲۸۱' ۱۲۸۲۔ مسلم ایضاً: (۱۴۸۶)]

[2] [ہمارے ہاں پاکستان میں ڈرائیور حضرات محرم کے پہلے عشرے میں ریڈیو' ٹیپ اور گانے بند کر دیتے ہیں اور دس محرم کے بعد ایسے گندے اور فحش گانے' اونچی آوازوں سے لگا کر سواریوں کو ایسا پریشان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہی پناہ' حالانکہ گانے بجانے اور موسیقی ہر وقت حرام ہے اور مسلمانوں کو تکلیف دینا بھی ہر وقت حرام ہے۔]

پہلی قسم (شرعی)

جس میں کوئی مصلحت راجح ہوتی ہے کہ نمازی زیادہ ہوجائیں یا اس کے گھر والوں اور رشتہ داروں' دوستوں کو اطلاع دی جاتی ہے تا کہ کفن دفن اور نماز جنازہ کا اہتمام کریں یا اگر دارالکفر[1] میں مرجائے تو غائبانہ نماز جنازہ کے لیے اطلاع دیں بشرطیکہ جاہلوں جیسا مبالغہ نہ ہو' اس کی تائید دو احادیث سے ہوتی ہے۔

پہلی حدیث

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن نجاشی کی موت کی خبر دی جس دن وہ فوت ہوئے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ گاہ کی طرف گئے' صف بنائی اور چار تکبیریں کہیں۔''[2]

دوسری حدیث

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور شہید ہو گئے پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا وہ بھی شہید ہو گئے' آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی (سابق) امارت کے (یعنی خود بخود) جھنڈا پکڑ لیا تو اللہ نے اسے اور مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔''[3]

دوسری قسم (بدعت)

النعی کی وہ قسم جو ممنوع ہے' اس کی حد وشرح عبداللہ بن عون رحمہ اللہ نے بھی

---

[1] [جہاں کافروں کی حکومت ہو' یاد رہے کہ دارالاسلام میں مرنے والے مسلمان کی غائبانہ نماز جنازہ بھی جائز ہے۔]

[2] [صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب الرجل ینعی الی اهل المیت بنفسه (۱۲۴۵' ۱۳۳۳) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب التکبیر علی الجنازة (۹۵۱)]

[3] [صحیح البخاری' ایضا (۱۲۴۶)]

بیان فرمائی ہے کہ

''جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو ایک آدمی سواری پر چڑھ کر اونچی آواز سے لوگوں میں اعلان کرتا ہے کہ میں فلاں کی موت کی خبر دیتا ہوں۔''[1]

بدعتیوں کی یہ وہ ''النعی'' ہے جو ہر طرف لوگوں میں منتشر ہے' آج کل یہ زیادہ ہی پھیل گئی ہے' اس کے لیے مختلف وسائل استعمال کیے جارہے ہیں مثلاً اخباروں میں اعلان' گاڑیوں پر نصب لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے گلی کوچوں پر' سڑکوں پر اعلانات یا مسجدوں پر لاؤڈ سپیکر پر نمازوں سے پہلے اور نمازوں کے بعد اعلانات۔

اطلاع کا یہ طریقہ بدعت ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں' ہاں جاہلیت میں اصل ضرور موجود ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ

''جب میں مرجاؤں تو کسی کو اطلاع نہ دینا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ ''النعی'' نہ ہو' میں نے رسول اللہ ﷺ کو ''النعی'' سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔''[2]

بدعتیوں کی اس ''النعی'' سے میت کے رشتہ داروں کا کافی مال تلف ہو جاتا ہے' ان میں بسا اوقات کمزور بچے بھی ہوتے ہیں' ان کے مال باطل طریقے سے کھائے جاتے ہیں اور بے فائدہ کام پر ضائع کردیے جاتے ہیں۔ مقصد صرف جھوٹا فخر' باطل وقار' لینے دینے کے لیے بیٹھنا' میت کی غیبت اور اس کے اموال کا حساب وغیرہ ہوتا ہے' یہ ماتم کی مصیبتیں ہیں جو آج کل ہر سو پھیلی ہوئی ہیں۔[3]

اللہ ہی اپنی پناہ میں رکھے۔ ابن العربی المالکی[4] نے کہا کہ

---

[1] [اسے سعید بن منصور نے صحیح سند سے بیان کیا ہے' مؤلف کتاب]

[2] [ضعیف' سنن الترمذی' کتاب الجنائز' باب ماجاء فی کراھیة النعی (۹۸۶)وقال :حسن صحیح۔ امام ابن معین نے بلال بن یحییٰ کے بارے میں فرمایا' اس کی حذیفہ سے روایت مرسل اور منقطع ہے' لہٰذا انقطاع کی وجہ سے یہ سند ضعیف ہے' اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں۔]

[3] [میت کے لیے حیلہء اسقاط بھی بدعت اور حرام ہے' اس بدعت کے ذریعے میتوں کا مال کھایا جاتا ہے]

[4] [اس سے مراد مقلد ہونا نہیں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔]

مجموعہ احادیث سے تین حالتیں معلوم ہوتی ہیں:

1. خاندان' ساتھیوں اور نیک لوگوں کو اطلاع' یہ سنت ہے۔
2. فخر و نام وری کے لیے اکٹھا ہونے کی دعوت یہ مکروہ ہے۔
3. نوحہ وغیرہ کی قسم کا اعلان' یہ حرام ہے۔'' (فتح الباری: ۳/ ۹۱)

میری تحقیق میں دوسری حالت بھی حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے مطلقاً منع کر دیا ہے اور یہاں ممانعت کا تقاضا یہی ہے کہ یہ حرام ہو' الا یہ کہ کوئی قرینہ صارفہ اسے کراہیت تنزیہی کی طرف پھیر دے اور یاد رہے کہ یہاں کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے۔[1]

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا:

''آپ کی سنت یہ تھی کہ آپ میت کا اعلان (النعی) نہیں کرتے تھے بلکہ اس سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ'' یہ جاہلیت کا عمل ہے۔''[2] حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو مکروہ سمجھا ہے کہ ان کے گھر والے ان کی موت کی خبر لوگوں کو دیں اور فرمایا مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ ''النعی'' میں سے ہوگا۔'' (زادالمعاد: ۱/ ۵۲۸)

طرطوشی نے ''الحوادث والبدع (ص۱۳۹)'' میں نقل کیا ہے کہ

''امام مالک سے روایت ہے کہ لوگوں کو مسجدوں کے دروازوں پر جنازوں کی خبر نہ دی جائے' اگر لوگوں کے پاس جا کر خفیہ طریقے سے اس کی خبر دی جائے تو جائز ہے' اور راستوں میں اونچی آواز سے اعلان نہ کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔''

---

1. [مؤلف کی ذکر کردہ روایت سنداً ضعیف ہے۔]
2. [مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ ہم نے ''الصون : (ص ۳۷۲)'' میں بیان کیا ہے اور یاد رہے کہ حذیفہ والی روایت بھی ضعیف ہے' لہٰذا امام ابن قیم کا بیان محتاج تحقیق ہے۔]

وفات یا تعزیت کے وقت لوگوں کا ''البقیة فی حیاتکم'' کہنا یعنی اللہ تمہیں زندہ رکھے

یہ بھی آج کل مشہور بدعات میں سے ہے' خاص طور پر مصر[1] میں حالانکہ یہ الفاظ کسی حدیث سے ثابت نہیں بلکہ نبی ﷺ نے تعزیت میں اس کے خلاف ثابت ہے:

((لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا اَعطٰی وَکُلٌّ عِندَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ))

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو بلایا کہ میرا بیٹا فوت ہوگیا ہے تو آپ ﷺ نے اسے سلام کہلا بھیجا اور دعا[2] کی' پھر (راوی نے) درج بالا دعا ذکر کی۔

میت کی اولاد اور گھر والوں کے لیے دعائیں کرنا مستحب و جائز ہے۔ نبی ﷺ نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس کے بیٹے عبداللہ اور گھر والوں کے لیے دعا کی تھی: ''اے اللہ! جعفر کے بعد اس کے گھر والوں کی تو نگہبانی کر اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو تجارت میں برکت عطا فرما''[3]

وفات کی اطلاع کے وقت کہنا کہ فلاں پر فاتحہ پڑھو

یہ بھی جنازوں کی مشہور بدعات میں سے ہے' شریعت میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس کی مؤید ہو بلکہ صحیح اور راجح یہی ہے کہ میت کو قراءت قرآن کا ثواب نہیں پہنچتا جیسا کہ اس کی تفصیل عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ!

---

[1] [ہمارے ہاں پاکستان میں بھی لوگوں نے مختلف الفاظ گھڑ رکھے ہیں مثلاً 'حق کا راستہ ہے' دعا کریں وغیرہ یہ سب الفاظ بدعت ہیں۔]

[2] [صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببعض بکاء اهله علیه (۱۲۸۴' ۵۶۵۵)صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب البکاء علی المیت(۹۲۳)

[3] [صحیح' مسند احمد (۱/ ۲۰۴)وسنده صحیح]

میت کے دفن میں کئی دنوں تک تاخیر کرنا

بعض لوگ میت کو کسی دوسرے ملک یا علاقے میں لے جانے کے لیے دفن میں کئی دنوں تک تاخیر کرتے ہیں' لوگوں کا یہ فعل نبی ﷺ کے اس فرمان کے مخالف ہے جس میں جلدی جنازہ لے جانے کا حکم ہے' جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں ہے' نبی ﷺ نے فرمایا کہ

''جنازہ جلدی لے چلو اگر وہ نیک ہوگا تو تم اُسے اچھی حالت کی طرف لے جاؤ گے اور اگر وہ برا تھا تو اس برے کو جلدی اپنی گردنوں سے اتارو گے اور جان چھڑالو گے۔''[1]

بہت سے لوگ جو اپنے وطن سے دور کام وغیرہ کے لیے رہتے ہیں جب ان کی پردیس میں وفات واقع ہو جاتی ہے تو ان کے اہل وعیال اس ملک میں دفن کرنے سے منع کر دیتے ہیں تاکہ قانونی کارروائی اور اجازت وغیرہ حاصل کر کے کئی دنوں کے بعد اس کی نعش کو اس کے آبائی گھر میں پہنچا دیں' حالانکہ یہ سنت کے مخالف ہے بلکہ اس نقل و حمل پر کافی اخراجات بھی آتے ہیں اور اگر یہ مال اس میت کے یتیموں پر صرف کیا جاتا تو کتنا اچھا ہوتا؟

جنازہ پر زینت کے لیے پھول پھینکنا اور تصاویر بنانا

ابوشامۃ المقدسی نے ''الباعث علی انکار البدع والحوادث (ص ۱۴۷)'' میں لکھا ہے کہ ''لوگ آج کل جنازے میں بہت سی بدعتیں اور سنت کی مخالفت کرتے ہیں مثلاً جنازہ جلدی نہ لے جانا' اس کے قریب ہونے اور خاموشی سے اجتناب' خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھنا' اس کی زیب و زینت کرنا' ایک دوسرے سے بڑھنے کی خواہش۔''

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب السرعة بالجنازة (۱۳۱۵) و صحیح مسلم کتاب الجنائز باب الاسراع بالجنازة (۹۴۴)

ہمارے زمانے میں میت اور چارپائی کو ایک ایسی سبز چادر سے ڈھانپ دیتے ہیں جس پر اللہ اور نبی ﷺ کے نام اور بعض آیات لکھی ہوئی ہوتی ہیں' یہ سب غلط بدعتیں ہیں سنت میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

میت کے آگے اس کے لیے استغفار اور دعا کی منادی کرنا

یہ بذات خود بدعت ہے سلف میں سے کسی سے بھی اس کی تائید ثابت نہیں بلکہ سلف صالحین نے اس پر سخت انکار کیا ہے۔ بکیر بن عتیق سے روایت ہے کہ میں سعید بن جبیر کے ساتھ ایک جنازے میں تھا تو کسی آدمی نے کہا' ان کے لیے استغفار و مغفرت کی دعا کرو' اللہ تمہاری مغفرت کرے۔

یہ سن کر سعید بن جبیر نے فرمایا: ''اللہ تمہاری مغفرت نہ کرے۔''[1]

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ ''غفر اللّٰہ لکم'' (اللہ تمہاری مغفرت کرے) کو مکروہ اور بدعت سمجھتے تھے۔ (صحیح مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱۱۹۴)

عبدالرحمٰن بن حرملہ سے روایت ہے کہ میں سعید بن المسیب کے ساتھ ایک جنازہ میں تھا' انہوں نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا کہ استغفار کرو' تو انہوں نے فرمایا: ''یہ تمہارا رجز گو شاعر کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے اپنے گھر والوں کو اس قسم کے رجز گو لوگوں سے منع کر رکھا ہے۔''[2]

جنازہ لے جاتے ہوئے فضول باتیں کرنا اور لہو ولعب کا ارتکاب

یہ سلف صالحین کے عمل کے خلاف ہے البتہ وہ موت اور اس کے بعد کی ہولناکی کے بارے میں غور و فکر کرتے اور یہ سوچتے کہ آدمی اپنے ساتھ کون سے اعمال چھپا کر لے جارہا ہے۔

آج کل آپ دیکھتے ہیں کہ میت کے ترکہ اور مال سے متعلق جنازہ لے جاتے

---

[1] [حسن' مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۷۴' ح ۱۱۱۹۲)]

[2] [ضعیف' ایضاً (۱۱۱۹۸) اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

ہوئے باتیں ہو رہی ہیں' بعض لوگ میت کا ذکر برائی سے کر رہے ہیں اور بعض ریا کے لیے اس کی تعریف کر رہے ہیں' بعض کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں' انہیں موت کی شدت اور ہولناکی کا کوئی احساس ہی نہیں۔

ایوب السختیانی سے روایت ہے کہ ہم ایک جنازے میں تھے' بعض قصہ گوؤں نے اپنی آوازیں بلند کرنا شروع کیں تو ابوقلابہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

''سلف صالحین سکون و احترام کے ساتھ میت کی تعظیم کرتے تھے۔''[1]

قیس بن عباد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین مقامات پر آواز آہستہ کرنا پسند کرتے تھے' میدان جنگ میں قتال کے وقت' قرآن کی قراءت اور جنازے کے وقت۔''[2]

جنازہ بہت آہستہ لے جانا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث گزر چکی ہے جس میں جنازہ جلدی لے جانے کا حکم ہے۔

عبدالرزاق (۳/۴۴۱) نے صحیح سند کے ساتھ ابراہیم النخعی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ یہ کہا جاتا تھا کہ ''جنازہ جلدی لے جاؤ' یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح آہستہ آہستہ (چیونٹی کی رفتار سے) نہ لے جاؤ۔[3] معلوم یہ ہوا کہ جنازہ آہستہ آہستہ لے جانا یہودیوں اور نصرانیوں کا طریقہ ہے' یہ مسلمانوں کا طریقہ ہرگز نہیں ہے۔

قبروں پر اور خاص مقامات پر جنازہ پھرانا

شیخ علی محفوظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

---

[1] [صحیح' مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۷۴' ح۱۱۲۰۰)]

[2] [ضعیف' ایضاً (۱۱۲۰۱) اسکی سند قتادہ اور حسن بصری' دونوں کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف' مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۸۰' ح۱۱۲۷۲) اس کی سند سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

''یہ بھی بدعت ہے کہ قبروں پر جنازہ پھرایا جائے' جیسے امام حسین یا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی قبریں (وغیرہ) میت کو قبر کے دروازے پر ٹھہرایا جاتا ہے پھر اس قبر (مقام) کا خادم چند باتیں کہتا ہے گویا کہ وہ صاحب قبر (جس کی قبر کے سامنے اس کا جنازہ ٹھہرایا جاتا ہے) کے سامنے اس کی سفارش کر رہا ہے یہ بات شریعت یا اہل شریعت سے ثابت نہیں۔ اس سے عام لوگوں کے عقائد خراب ہو جاتے ہیں اور اس میں جنازہ جلدی لے جانے کی بھی مخالفت ہے۔'' (الابداع فی مضار الابتداع: ص۲۲۱)

اگر یہ شرک نہیں تو شرک کے دروازوں میں سے ہی ہے۔ والعیاذ باللہ! (مترجم کی تحقیق میں یہ عمل کھلم کھلا شرک ہے)

قبرستان پر جنازہ پہنچنے کے وقت' جانور ذبح کرنا

ایام جاہلیت میں یہ بدعت (بہت) مشہور تھی' یہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((لَا عَقَرَ فِی الْاِسْلَامِ)) ''اسلام میں (قبروں کے پاس) ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔''[1]

امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

''لاعقر'' کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ قبروں کے پاس اونٹ ذبح کرتے تھے۔ اگر کوئی شریف اور سخی انسان مرجاتا تو اس کی قبر کے پاس ذبح کر کے کہتے یہ قبر والا اپنی زندگی میں مہمانوں کے لیے جانور ذبح کر کے انہیں پیش کرتا اور کھلاتا تھا' آج اسی کا بدلہ اتارا جا رہا ہے۔'' (غریب الحدیث للخطابی: ۱/ ۳۶۹)

---

[1] [صحیح' سنن ابی داؤد' کتاب الجنائز' باب کراھیة الذبح عند القبر (۳۲۲۲) وسندہ صحیح۔ اسے ابن حبان (۷۳۸) نے صحیح کہا ہے۔ اس کتاب ''السنن والبدعات'' کے مؤلف کا بغیر کسی دلیل کے اسے ضعیف کہہ دینا صحیح نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے میری کتاب نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داؤد (۳/ ۷۴۱) لیسر اللہ لنا طبعه]

قبروں کے پاس جانور ذبح کرنا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ قربانی وغیرہ کے جانور قبروں کے پاس ذبح کرے بلکہ حقیقی عبادات مثلاً نماز' روزہ اور صدقہ میں سے کوئی چیز بھی قبروں کے پاس (خاص کرنا) جائز نہیں۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ قبروں کے پاس قربانی کرنا مستحب یا افضل ہے تو ایسا شخص جاہل اور گمراہ ہے اور مسلمانوں کے اجماع کے مخالف ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پاس جانور وغیرہ ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنے بزرگ کی موت پر اس کی قبر کے پاس جانور ذبح کرتے تھے۔"

(مجموع الفتاوی: ۲۷/ ۴۹۵)

قبر کے پاس جنازہ پہنچنے کے وقت'

بین کرنے والوں کا رونے پیٹنے کے لیے نکلنا

نوحہ (بین) کے سلسلہ میں اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے کہ یہ کئی لحاظ سے شریعت کے مخالف ہے۔ ان عورتوں (مردوں) کا سابقہ بدعات اور گناہوں پر اضافہ یہ ہے کہ یہ مال و دولت کمانے کے لیے نکلتی ہیں' ان میں سے اکثر کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کس شخص پر بین کر رہی ہیں' میت کون سی ہے' مرد یا عورت؟ بعض عورتیں میت کا نام پوچھتی ہیں تا کہ اس پر بین کریں۔ لوگوں کی یہ بدعت کتنی بڑی مصیبت ہے' اللہ ہی مدد کرے۔

میت کے سر کے پاس سورۃ البقرہ کا ابتدائی حصہ پڑھنا اور اس سورۂ بقرہ کا آخری حصہ اس کے قدموں کے پاس پڑھنا

یہ مشہور بدعت ہے جس پر لوگ ایک منکر حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ

"جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو انتظار نہ کرو اسے جلدی اس کی قبر تک لے جاؤ (اور دفن کردو) اور اس کے سر کے پاس سورۂ بقرہ کی پہلی آیات اور اس کے پاؤں کے پاس آخری آیات پڑھو" اسے محدث الخلال نے اپنی کتاب "القرآ و عند القبور" (قلمی: ۲۵/ الف۔ ب) میں "یحییٰ بن عبداللّٰہ بن الضحاك عن ایوب بن نهیك سمعت عطاء بن ابی رباح قال سمعت ابن عمر" کی سند سے روایت کیا ہے۔ ایوب بن نہیک منکر احادیث بیان کرنے والا اور یحییٰ بن عبداللہ بن الضحاک ضعیف تھا۔ اس کی ایک دوسری سند بھی ہے جو اس سے زیادہ کمزور ہے جسے ہم نے "القرائۃ عند القبور" کی تحقیق کے پیش لفظ میں ذکر کیا ہے۔

میت کو قبر میں رکھتے وقت آیت ﴿منها خلقنا کم وفیها نعید کم ومنها نخرجکم تارۃ اُخریٰ﴾ پڑھنا

اس بارے میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ام کلثوم کو قبر میں رکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((﴿منها خلقنا کم وفیها نعید کم ومنها نخرجکم تارۃ اُخری﴾
بسم الله وفی سبیل الله وعلیٰ ملة رسول اللّٰه))

اسے احمد (۲۵۴/۵) اور حاکم (۳۷۹/۲) نے یحییٰ بن ایوب عن عبید اللہ بن زحر عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامۃ کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے اس پر سکوت کیا تو حافظ ذہبی نے تعاقب کرتے ہوئے لکھا کہ

"حاکم نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور یہ خبر (حدیث) کمزور ہے کیونکہ اس کا راوی علی بن یزید متروک ہے۔"

میت کے دفن کے بعد اسے تلقین کرنا

اس باب میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کی سند بہت

زیادہ کمزور ہے جیسا کہ ہم نے ''العون (۳۷۳)'' میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''قبر کے پاس قراءت کے لیے نہ بیٹھے اور نہ اسے تلقین کرے جیسا کہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں۔'' (زادالمعاد: ۱/ ۵۲۲)

علامہ الصنعانی کہتے ہیں کہ

''محققین کے کلام کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس پر عمل بدعت ہے' لہٰذا کہیں اس دھوکے میں نہ پڑنا کہ لوگوں کی کثرت اس پر عامل ہے۔'' (سبل السلام: ۲/ ۵۷۸)

دفن کے وقت خطبہ دینا

اس پر تفصیلی کلام میں نے اپنی کتاب ''صفۃ خطبۃ النبی ﷺ'' میں لکھا ہے۔ لہٰذا اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

میری اس کتاب کے چھپنے کے بعد بعض طالب علموں کی طرح طویل گفتگو کرنے والوں نے مجھ پر رد لکھا کہ میں حالت مذکورہ کی تفصیل کے ساتھ مروجہ تقریروں کو بدعت قبیحہ سمجھتا ہوں' زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ وعظ ونصیحت کرنا مستحب ہے نہ کہ خطبہ دینا' جیسا کہ علماء کے درمیان (مشہور ومعروف) ہے۔ پھر مجھے اپنی تائید شیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ سے مل گئی جسے میں علمی فائدہ کے اتمام کے طور پر نقل کرتا ہوں:

''ابن عثیمین حفظہ اللہ سے پوچھا گیا' آج کل میت کو دفن کرتے وقت قبروں پر جو وعظ ہوتے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے اور تحقیق ہے؟'

تو انہوں نے جواب دیا کہ'' میرے خیال میں قبروں کے پاس وعظ کرنا شریعت سے ثابت نہیں ہے' اسے لازم نہ سمجھا جائے (ہاں) اگر کوئی ضرورت یا سبب ہو تو جائز ہے' مثلاً اگر دیکھے کہ لوگ دفن کے وقت قبرستان میں ہنسی مزاح کر رہے ہیں اور لہو ولعب میں مصروف ہیں تو یہاں نصیحت کرنا بے شک اچھی بات ہے' کیونکہ اس کا سبب یہاں پایا گیا ہے جس کا تقاضا ہے کہ انہیں وعظ کیا جائے اور رہا یہ کہ (بلا وجہ) انسان دفن کے

وقت خطیب بن کر کھڑا ہو جائے تو اس کی نبی ﷺ کی سنت سے کوئی اصل معلوم نہیں ہے لہٰذا ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔"

اسی طرح کے ایک دوسرے سوال کے بارے میں انہوں نے جواب دیا کہ

"اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ واعظ قبر پر خطبہ کے لیے کھڑا نہ ہو کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں ہے' نبی ﷺ میت کے دفن کے وقت یا بعد میں کھڑے ہو کر لوگوں کو خطاب نہیں کرتے تھے' اور نہ ہی سلف صالحین سے یہ ثابت ہے اور یہ لوگ ہم سے سنت کے زیادہ قریب تھے' اور نہ ہی یہ عمل خلفائے راشدین' ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور نہ ان کے زمانے میں لوگوں نے یہ عمل کیا ہے۔ بہترین نمونہ وہی ہے جو حق کے موافق سلف صالحین سے ثابت ہے۔"

(البدع والمحدثات و مالااصل له: ص ۳۷۰۔ ۳۷۳)

قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعا کرنا

یہ ان قبیح اور بری بدعات میں سے ہے جس کا مشاہدہ میں نے خود بعض نیم عالموں کو خطبے کے بعد کرتے ہوئے دیکھا ہے' خطبہ دینے والا کہتا ہے کہ اپنے بھائی کے لیے دعا کرو اور اللہ سے اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو' پھر وہ لوگ قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر گڑ گڑا کر دعا مانگتے ہیں۔ حالانکہ احادیث میں میت کے لیے استغفار اور ثابت قدمی کے سوال کا ذکر ہے' اس کے لیے قبلہ رخ ہونا' ہاتھ اٹھانا اور دعا کرنا لازم نہیں ہے اور عام طور پر قبرستان میں قبلہ رخ ہونے میں سامنے قبریں ہو جاتی ہیں تو اس طریقے سے اور بھی بہت سی بدعات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

دفن کے بعد تعزیت کے لیے اکٹھا ہونا' شامیانے نصب کرنا' تعزیت کرنے والوں کے لیے کھانا تیار کرنا' تین دن مسلسل تعزیت کرنا

"تعزیت" تسلی دینے' اجر کے وعدے پر صبر کی ترغیب' میت اور مصیبت زدہ کے لیے دعا مانگنے کو کہتے ہیں' یہ بغیر کسی ترتیب' دعوت اور اجتماع کے جائز ہے۔ عام

لوگ جو خاص طور پر خیمے نصب کرتے ہیں اور تعزیت کے مکانات مقرر کرتے ہیں' حافظوں کے ساتھ میت کی روح کے ثواب کے لیے قراءت کا معاملہ طے کرتے ہیں' مال و دولت کی ایک بڑی مقدار اس پر خرچ کرتے ہیں' مشروبات' خاص طور پر قہوہ کا اہتمام کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ' یہ تمام کام ناجائز ہیں' ان میں وارثوں کا مال تلف کرنے کے علاوہ کچھ (اجر) نہیں ہوتا اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ تمام کام دین میں بدعت بھی ہیں' تو ان سے بڑی مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے۔

جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ

''ہم میت کے لیے اکٹھا ہونا اور (لوگوں کے لیے) کھانا تیار کرنا نوحہ میں سے یعنی حرام سمجھتے تھے۔''[1]

اس وجہ سے مختلف لوگوں کے نزدیک ان کے مستند مسالک کے علماء نے بھی اسے مکروہ اور بری بدعات میں شمار کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''میں ماتم کو مکروہ سمجھتا ہوں' یہ لوگوں کے اکٹھے ہونے کا نام ہے اگرچہ وہ نہ روئیں لیکن اس سے غم تازہ اور تکلیف میں اضافہ ہو جاتا ہے۔'' (الام للشافعی :۱/ ۲۴۸)

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا میت کے گھر میں رات گزاری جا سکتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ''میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''امام شافعی' مصنف کتاب (یعنی ابو اسحاق الشیرازی صاحب المہذب) اور تمام علماء کے نزدیک تعزیت کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے' وہ کہتے ہیں کہ جس طرح لوگ ایک خاص مقام پر بیٹھ جاتے ہیں اور دوسرے ان کے پاس آکر

---

[1] [ضعیف' سنن ابن ماجه' کتاب الجنائز' باب ماجاء فی النهی عن الاجتماع الیٰ اهل المیت (۱۶۱۲) احمد (۲/ ۲۰۴) اس کی سند اسماعیل بن ابی خالد کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[2] [مسائل اسحاق بن ابراهیم بن هانی' : ۹۶۱]

تعزیت کرتے ہیں (یہ مکروہ ہے)۔ اہل میت کو چاہیے کہ اپنے کاموں میں مصروف رہیں پھر جو شخص انہیں ملے تعزیت کرلے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ مرد بیٹھیں یا عورتیں' ان سب کے لیے بیٹھنا مکروہ (یعنی نا جائز) ہے۔''

(المجموع: ۵/ ۳۰۶)

امام الرافعی رحمہ اللہ نے ''شرح الوجیز'' میں کہا:

''تعزیت سنت ہے اور اس کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے۔''[1]

ابوالمظفر بن ہبیرۃ نے کتاب ''الافصاح عن معانی الصحاح'' میں کہا کہ

''میت کی تعزیت پر اتفاق ہے اور رہا تعزیت کے لیے بیٹھنا تو یہ مالک' شافعی اور احمد کے نزدیک مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہ سے اس بارے میں کوئی روایت ہمیں معلوم نہیں ہے۔''

اسی طرح اکثر علماء نے تعزیت والوں کے لیے کھانا تیار کرنا بدعت قرار دیا ہے۔ احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا ''کیا میت والوں کا کھانا تیار کرنا مکروہ ہے؟'' تو انہوں نے کہا ''اگر شادی کی طرح ہو تو جائز نہیں لیکن اہل میت کو کھلانے کے لیے کھانا تیار کرنا صحیح ہے۔'' (مسائل ابن هانی: ۹۶۰)

انہوں نے صرف اہل میت کے لیے کھانا پکانا جائز قرار دیا ہے کیونکہ وہ مصیبت زدہ ہیں' ان کی مصیبت نے انہیں کھانا پکانے سے روک رکھا ہے' نہ یہ کہ عام رشتہ داروں کے لیے دعوتیں شروع ہو جائیں جو تعزیت کے لیے آئے ہوتے ہیں لہٰذا تعزیت کرنے والوں کے لیے کھانا تیار کرنا بطریقہ اولیٰ سخت ممنوع ہے۔

نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ ''بدعت ہے مستحب نہیں ہے۔''[2]

کمال ابن الھمام الحنفی نے کہا: ''یہ قبیح بدعت ہے۔''[3]

---

[1] [روضة الطالبين: ۲/ ۱۴۴]

[2] [روضة الطالبين: ۲/ ۱۴۵]

[3] [شرح الهدايه: ۱/ ۴۷۳]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: ''اہل میت کا لوگوں کی دعوت کے لیے کھانا تیار کرنا ناجائز اور بدعت ہے۔'' (مجموع الفتاوی: ۲۴/ ۱۶، ۳)

ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ اہل میت لوگوں کے لیے کھانا تیار نہیں کریں گے بلکہ آپ لوگوں کو حکم دیتے کہ کھانا پکا کر اہل میت کے پاس لے جائیں اور انہیں کھلائیں۔ یہ انتہائی اعلیٰ اخلاق کی تربیت ہے' اس طریقے سے میت کا غم ہلکا کیا جاسکتا ہے' کیونکہ وہ اپنی مصیبت میں مصروف ہیں' انہیں لوگوں کو کھانا کھلانے کی فرصت نہیں۔'' (زادالمعاد: ۱/ ۵۲۸)

اصل میں ابن قیم رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ

''آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ انہیں مصیبت نے مشغول کر دیا ہے۔''

یہ حدیث ضعیف ہے' اس میں ایک راوی مجہول ہے۔[1]

میت پر قرآن پڑھنا اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: قبروں کے پاس قراءت تو یہ منکر بدعت ہے' اہل علم نے اس کا انکار کیا ہے اور اس میں قراءت قرآن کی اجرت بھی ہے جو کہ حرام ہے اور اس سے اس کی ممانعت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ احمد' مالک اور ابوحنیفہ نے اس سے منع کیا ہے۔

احمد سے ایک روایت میں جواز مروی ہے۔ جواز والی یہ روایت ضعیف اور غیر معتبر ہے جیسا کہ ہم نے خلال کے ''جزء القراءة عند القبور'' کی تحقیق میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔

امام شافعی اسے جائز (لابأس به یعنی اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں) کہتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ آج کل کے مروجہ عمل کے حامی نہیں بلکہ اس کی اجازت دیتے ہیں کہ

---

[1] [اسناده حسن' سنن ابی داؤد' كتاب الجنائز' باب صنعة الطعام لاهل الميت (۳۱۳۲)۔ اس کو حاکم' ذہبی اور ابن السکن نے صحیح کہا ہے' امام ترمذی نے کہا: ''حسن صحیح۔'' اس کا راوی خالد بن سارۃ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہے' لہٰذا مؤلف کتاب کا اس روایت کو ضعیف قرار دینا صحیح نہیں ہے۔]

کوئی آدمی اپنے دل میں قرآن پڑھے نہ کہ قاریوں کو اجرت پر لے آئے یہ جائز نہیں ہے اور اس کا بیان آرہا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پہلے مسلک کو اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ

''موت کے بعد میت پر قراءت بدعت ہے' قریب المرگ پر نہیں کیونکہ اس پر یاسین کی قراءت مستحب ہے۔''[1]

قریب المرگ پر قراءت بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے اور رہا قاریوں کا اجرت پر لانا تو اس کے بارے میں شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ

''لوگوں کو اجرت پر قراءت کے لیے لانا تا کہ وہ اس کا ثواب میت کو پہنچا دیں جائز نہیں ہے۔ کسی عالم نے اسے مستحب نہیں کہا ہے' صرف قرآن کا ثواب پہنچتا ہے بشرطیکہ اللہ کے لیے پڑھا جائے۔ اگر اللہ کے لیے اجرت پر قراءت کرائی جائے اور قراءت کرنے والا اسے میت کی طرف سے صدقہ نہ کرے بلکہ بطور عبادت قراءت کرے تو میت تک ثواب نہیں پہنچتا۔''[2]

ابن ابی العز الحنفی نے کہا:

''ایک قوم کا اجرت پر لانا تا کہ قرآن پڑھیں اور اس کا ثواب میت کو بخش دیں یہ کام سلف صالحین میں سے کسی نے نہیں کیا اور نہ کسی امام نے اس کا حکم یا اجازت دی ہے' بذات خود تلاوت کے لیے اجرت پر لانا بالاتفاق ناجائز ہے۔'' (شرح عقیدہ طحاویہ: ص۳۸۸)

دوسری صورت: میت کی وفات کے بعد قرآن پڑھنا اور اس کا ثواب میت کو بخش دینا۔ علماء کے اقوال میں سے صحیح اور راجح یہی قول ہے کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ دلیل وہ آیت کریمہ ہے جس میں ارشاد ہے کہ ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ (النجم: ۳۹)

---

[1] الاختیارات العلمیہ: ص ۵۴

[2] مجموع فتاوی: ۲۴/ ۳۰۰

''اور کسی انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہ جس کی وہ کوشش کرے۔''

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ

''امام شافعی اور ان کے متبعین نے اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ قراءت کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا کیونکہ یہ ان کا عمل و کسب نہیں ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کی ترغیب نہیں دی نہ صریحاً اور نہ اشارتاً اور نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ بات ثابت ہے۔ اگر یہ کام صحیح ہوتا تو صحابہ کرام اسے کرنے میں پہل کرتے۔ (عبادات اور) تقرب (والے افعال) میں دلائل پر اکتفاء کیا جاتا ہے' اس میں قیاس و آراء کا کوئی دخل نہیں۔''[1]

البتہ دلائل شرعیہ میں بعض نیک کاموں کا ذکر ہے جنہیں اگر ولی (وارث میت) کرے تو میت کو ثواب پہنچتا ہے' مثلاً دعا' صدقات وغیرہ لیکن قراءت قرآن کے بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔

مختلف مناسبتوں پر میت کا ذکر خیر

ان میں سے جمعرات' چالیسواں اور سالگرہ منانا ہے۔ اس ذریعے سے غم دوبارہ تازہ اور بھڑکایا جاتا ہے' فضول مال و دولت خرچ کر کے پرتکلف ولیمہ نما دعوتیں دی جاتی ہیں' مختلف مشروبات کی مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ پس اللہ ہی مددگار رہے۔

تعزیت ایک دفعہ ہی مسنون ہے اور اس کے لیے اجتماع کرنا مستحب نہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اس لیے ایک سے زیادہ دفعہ یا بار بار تعزیت کرنا مستحب نہیں بلکہ جائز نہیں ہے۔ میت تو اپنے اعمال کے پاس پہنچ چکی ہے' جو پیچھے رہ گئے وہ ان بدعات کے ذریعے شریعت کی مخالفت کر کے اپنے قدیم و فاسد عقائد کا اظہار کرتے ہیں۔

ہر جمعہ کو والدین کی قبر کی زیارت کرنا اور وہاں سورۂ یاسین پڑھنا

اس بارے میں ایک موضوع حدیث مروی ہے جسے ابن عدی نے الکامل

[1] [تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۲۵۸]

(۱۸۰۱/۵) میں "عمرو بن زیاد حدثنا یحییٰ بن سلیم الطائفی عن هشام بن عروه عن ابیه عن ؓ" کی سند سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

((مَنْ زَارَ قَبْرَ وَالِدَيْهِ اَوْاَحَدِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَرَأَ يٰسٓ' غُفِرَلَهٗ))

"جس نے اپنی ماں یا باپ یا دونوں کی قبر کی جمعہ کے دن زیارت کی اور وہاں سورۂ یاسین پڑھی تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔"

ابن عدی نے کہا کہ

"یہ حدیث اس سند کے ساتھ باطل ہے' اس کی کوئی اصل نہیں۔"

اس حدیث کے گھڑنے کی تہمت عمرو بن زیاد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان پر ہے جو وضع حدیث اور حدیث کی چوری کے ساتھ موصوف ہے۔

عورتوں کا عیدوں' خاص اوقات اور جمعرات کے دن جماعتوں کی شکل میں قبروں کی زیارت کرنا

اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ قبروں کی زیارت صرف رقت قلب اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے بشرطیکہ کسی خاص قبر کا تعین نہ کیا جائے الا یہ کہ وعظ و نصیحت میں مبالغہ مقصود ہو جیسا کہ نبی ﷺ کی حدیث ہے۔ ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

"میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے لیے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو رب تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی' پھر میں نے ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو یہ اجازت دے دی گئی"[1]

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ

---

[1] [صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب استئذان النبی ﷺ ربه عزوجل فی زیارة قبر امه (۹۷۶)]

''آپ کا اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کا سبب یہ ہے کہ آپ قبر کا مشاہدہ کر کے وعظ ونصیحت کی تقویت چاہتے تھے۔'' (شرح صحیح مسلم للنووی: ۲/ ۶۳۹)

پس باقی قبریں چھوڑ کر کسی خاص قبر کا دعا کے لیے تعین کرنا جائز نہیں ہے بلکہ قبرستان میں جا کر عام مسلمان فوت شدگان کے لیے نبی ﷺ سے مروی ماثورہ دعائیں پڑھنی چاہیں۔

رہی یہ عورتیں تو ان کا بین، رونے پیٹنے اور ''قرص الرحمۃ'' (رحمت کی ٹکیا) تقسیم کرنے کے لیے جمع ہونا وغیرہ یہ سب بدعت ہے اور شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں۔

نامعلوم فوجی (شہید) کی قبر کی زیارت اور نیک وصالح لوگوں کی قبروں کی طرف سفر

ان پر کلام ابواب المساجد میں گزر چکا ہے اور ان کے حرام ہونے پر دلائل بیان کر دیے گئے ہیں۔

جھوٹی قبروں کی طرف سفر

اس کے ناجائز ہونے کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام ''مجموع الفتاوی (۲۷/ ۴۹۰۔ ۴۹۴)'' میں کون دیکھے؟

نبی ﷺ کی قبر کی طرف سفر

یہ بدعت ہے، سفر صرف مسجد نبوی کی طرف کرنا جائز ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں مروی ہے۔ جب آدمی مسجد نبوی میں داخل ہو جائے تو مشروع ومسنون یہ ہے کہ نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی قبروں کے پاس سلام کہے اور سلام کہنے سے زیادہ نہ ٹھہرے۔

ابن ابی شیبہ (۳/ ۲۸) نے صحیح سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ

''وہ جب (مدینہ سے) نکلنے کا ارادہ کرتے تو مسجد نبوی میں آ کر نماز پڑھتے

پھر نبی ﷺ کی قبر پر آ کر "السلام علیکم یا رسول اللہ" کہتے پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما
کی قبروں پر (السلام علیك یا ابابکر) "السلام علیك یا ابتاہ" کہتے
پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو گھر
جانے سے پہلے اسی طرح کرتے۔"

آپ مسجد کے ساتھ ابتداء کر کے دو رکعتیں پڑھتے تھے پھر سلام کہتے کیونکہ توجہ اور ارادے کی اصل مستحق تو مسجد ہے اگر قبر کا قصد کرنا جائز ہوتا تو وہ سفر اور واپسی میں قبر سے ابتداء کرتے۔

نبی ﷺ کی قبر کو چھونا

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں غلط موقف اختیار کر کے ایک دلیل کشید کر کے اسے پر لگا دیتے ہیں۔ ذہبی رحمہ اللہ نے معجم الشیوخ (۱/ ۵۵) میں امام احمد رحمہ اللہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے کہ "امام احمد ابن حنبل سے نبی ﷺ کی قبر چھونے اور چومنے کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ یہ بات آپ سے عبداللہ بن احمد نے روایت کی ہے۔"

امام ذہبی رحمہ اللہ بڑے معتبر امام محقق اور مدقق تھے مگر ان کا یہ قول عالم کی غلطی ہے جس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور کسی نے امام ذہبی رحمہ اللہ کی متابعت نہیں کی اور ان کا امام احمد سے نقل کرنا وہم کے زیادہ قریب ہے۔ انہوں نے سیر اعلام النبلاء (۱۱/ ۲۱۲) میں امام احمد رحمہ اللہ سے عبداللہ بن احمد کی روایت میں صرف یہ نقل کیا ہے کہ انہوں (عبداللہ) نے اپنے باپ (یعنی احمد) سے منبر کی لکڑی اور حجرہ نبویہ کے چھونے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: "میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے" اور یہ روایت پہلی روایت سے زیادہ آسان ہے کیونکہ اس کی اصل موجود ہے۔ میں نے مسائل عبداللہ میں اسے تلاش کیا تو مجھے اس کا حوالہ نہیں ملا' اس کے ثبوت سے اللہ ہی باخبر ہے۔

☆ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس سے پہلے امام ذہبی رحمہ اللہ نے خود اس سے پہلے صحیح

سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو چھونا مکروہ سمجھتے تھے۔ (یاد رہے کہ اس اثر پر امام ذہبی رحمہ اللہ کا حاشیہ فضول اور باطل ہے اور علماء پر لازم ہے کہ وہ اس باطل حاشیہ پر رد کریں)

میں یہ خیال نہیں کرسکتا کہ امام احمد رحمہ اللہ اس اثر کے مخالف ہیں جبکہ ان کے نزدیک آثار صحابہ سے حجیت اور سنیت دونوں ثابت ہیں۔

پھر مجھے وہ دلیل مل گئی جس سے میرے اس گمان کی تائید ہوتی ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کو وہم ہوا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم (۲/ ۷۲۶)" میں نقل کیا ہے: "ابو بکر الاثرم نے کہا' میں نے ابوعبداللہ احمد ابن حنبل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر چھونے کے بارے میں پوچھا؟ تو انہوں نے فرمایا: "میں (دلیل کے لحاظ سے) اسے نہیں جانتا۔" پھر فرمایا' کیا منبر چھونا صحیح ہے' اس کے بارے میں دلیل آئی ہے؟ احمد رحمہ اللہ نے کہا: "وہ روایت جو ابن ابی فدیک عن ابن ابی ذئب عن ابن عمر کی سند سے مروی ہے کہ انہوں نے منبر کو چھوا تھا اور منبر کی لکڑی کے بارے میں سعید بن المسیب سے مروی ہے' میں نے کہا' یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ جب انہوں نے عراق کی طرف خروج کا ارادہ کیا تو منبر کے پاس آئے' اسے چھوا اور دعا کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ (احمد) اسے مستحسن (اچھا) سمجھ رہے تھے تو فرمایا کہ "ہوسکتا ہے کہ یہ کسی چیز یا ضرورت کے لیے ہو؟"

ابوعبداللہ (احمد) سے کہا گیا کہ بعض لوگ اپنے پیٹ قبر کی دیوار سے لگا دیتے ہیں اور میں نے کہا' میں نے مدینہ کے علماء کو دیکھا ہے وہ اسے نہیں چھوتے تھے' دور ایک کونے پر کھڑے رہتے اور سلام کہتے تو ابوعبداللہ (احمد) نے کہا' "جی ہاں! ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا:

"احمد وغیرہ نے منبر' منبر کی لکڑی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ اور جہاں آپ ہاتھ رکھتے تھے' کو چھونے کی اجازت دی ہے' لیکن انہوں نے آپ کی قبر کو چھونے کی

اجازت نہیں دی۔ ہمارے بعض علماء نے ایک روایت قبر کو چھونے کے بارے میں بیان کی ہے کیونکہ احمد ابن حنبل رحمہ اللہ بعض جنازوں کے ساتھ گئے پھر آپ نے میت کی قبر پر ہاتھ رکھا اور اس کے لیے دعا کی۔ تاہم ان دونوں باتوں میں فرق ظاہر ہے۔''

ظاہر یہی ہے کہ وہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں جس کا ذکر امام ذہبی رحمہ اللہ نے کیا ہے کیونکہ ذہبی رحمہ اللہ آپ کے شاگردوں اور ساتھیوں میں سے تھے۔ اور جیسا کہ گزر چکا ہے کہ ذہبی رحمہ اللہ کی امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کردہ بات ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے سراسر خلاف ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔

جنازے کے سلسلے کی بہت سی بدعات (کے تذکرے) باقی ہیں ہم نے صرف مشہور بدعات ذکر کی ہیں، رہا ان کا استیعاب اور مکمل تفصیل تو اس کے لیے بہت زیادہ کوشش بلکہ نو جلدوں کی ضرورت ہے۔



روزے

روزوں کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

روزے ان عظیم ترین عبادات میں سے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے' چاہے فرض روزے ہوں جیسے رمضان کے مہینے کے روزے یا نفل ہوں جیسے ایام بیض کے تین روزے (۱۳' ۱۴' ۱۵)' ہر ہفتے سوموار اور جمعرات کے روزے یا عرفات' نو محرم اور دس محرم کے روزے وغیرہ ہوں جن کا فضیلت والے اوقات سے تعلق ہے۔ مگر قابل افسوس بات یہ ہے کہ دوسری عبادات کی طرح اس عبادت میں بھی بہت سی بدعات داخل ہوچکی ہیں حتیٰ کہ غلط کار پرہیز گاروں کے حصے میں ثواب ومغفرت کے بدلے گناہ اور خسارہ ہی آتا ہے۔

اور اب میں یہاں روزوں کی چند مشہور بدعات کا تذکرہ کرتا ہوں۔

رمضان کے روزے کی معرفت میں حساب اور فلکیات سے مدد لینا

اس بات کے جواز کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس شریعت اس کی مخالفت اور تردید کر رہی ہے۔ روزے کے انعقاد کے لیے اعتبار صرف رؤیت ہلال کا ہے نہ کہ حساب' فلکیات اور علم نجوم کا۔ اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((لَاتَصُوْمُوْاحَتّٰی تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَاتُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْهُ' فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْالَهٗ))[1]

''جب تک رمضان کا ہلال (چاند) نہ دیکھ لو روزے رکھنا شروع نہ کرو اور نہ

---

[1] صحیح البخاری' کتاب الصوم' باب قول النبی ﷺ اذا رأیتم الہلال فصوموا (۱۹۰۶)
صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب وجوب صوم رمضان

افطار (یعنی عید) کرو جب تک ہلال دیکھ نہ لو اگر تمہارے اوپر بادل آ جائیں تو اندازہ لگالو یعنی تیس دن پورے کرلو۔"

اور آپ نے فرمایا کہ

ہم اُمی (ان پڑھ) لوگ ہیں، نہ لکھتے ہیں نہ (ستاروں کا) حساب کرتے ہیں؛ مہینہ اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے۔"

یعنی ایک دفعہ انتیس اور ایک دفعہ تیس[1] (کا آپ نے اشارہ کیا)۔

نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"اُمی جس پر ہماری ماؤں نے ہمیں جنا ہے ہم نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب کرنا۔" (شرح صحیح مسلم: ۷/ ۱۹۲)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ

"حساب سے مراد ستاروں اور ان کی چال کا حساب ہے، عرب لوگ اس سے بہت تھوڑا تعلق رکھتے تھے۔ پس آپ نے روزے وغیرہ کا حکم، رفع حرج کے لیے رؤیت ہلال پر معلق کیا، کیونکہ ستاروں کی رفتار کا حساب رکھنا مشکل ہے۔ روزے کے بارے میں یہ حکم جاری رہا۔ اگرچہ ان کے بعد کوئی ایسا پیدا ہو جائے جو یہ حساب جان لے۔ بلکہ حدیث کا ظاہری سیاق اس کی صراحت کرتا ہے کہ حساب پر روزوں کو موقوف سمجھنا غلط ہے۔ اس کی توضیح آپ ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ "اگر بادل چھا جائیں تو تیس کی گنتی پوری کرلو" آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ حساب دانوں سے پوچھ لو۔"

(فتح الباری ۴/ ۱۵۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ

"ایک قوم (مثلاً) رافضیوں کا یہ مذہب ہے کہ ستاروں کی چال اور رفتار کا علم

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ لانکتب ولانحسب (۳/ ۱۹)

صحیح مسلم ۔ ۱۰

رکھنے والوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور بعض فقہاء سے ان (رافضیوں) کی موافقت بھی مروی ہے۔

علامہ الباجی نے کہا کہ سلف صالحین کا اجماع ان لوگوں پر حجت ہے۔

ابن بزیزہ نے کہا اور یہ مذہب باطل ہے۔

شریعت نے علم نجوم میں غور وخوض کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ یہ قیاس آرائی اور تخمینہ ہے' اس میں قطعیت نہیں اور نہ ہی ظن غالب ہے' اگر معاملہ اس کے ساتھ مربوط ہوتا تو بڑی تنگی ہوتی' کیونکہ بہت تھوڑے لوگ ہی اس علم سے واقف ہیں۔''

(فتح الباری: ۴/ ۱۵۱)

اپنے رہائشی علاقے' شہر یا ملک کے علاوہ دوسرے علاقے کی رؤیت پر روزہ رکھنا یا عید کرنا

آج کل کی یہ بہت زیادہ مشہور بدعت ہے کہ متشددین کی ایک جماعت اپنے رہائشی علاقے (شہر یا ملک) کی رؤیت ہلال رمضان ہو یا شوال پر قناعت نہیں کرتی' وہ دوسرے ملک کی رؤیت کے مطابق روزہ رکھتے ہیں' حالانکہ علماء کے نزدیک مطالع کا اختلاف معتبر ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ بعض مسجدوں میں خفیہ طور پر عید کی نماز پڑھ لیتے ہیں جب کہ اس علاقے والے رمضان کا تیسواں روزہ پورا کر رہے ہوتے ہیں' یا آپ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں سے ایک دن پہلے روزہ رکھ رہے ہوتے ہیں حالانکہ یہ بذاتہ شک کا روزہ ہے جس پر کلام بعد میں آرہا ہے۔

احتیاط اور ورع کے طور پر شک کے دن روزہ رکھنا

اور یہ بھی سنت کے مخالف ہے' شک کا روزہ رکھنے والے نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سابق حدیث کی مخالفت کی ہے اور اس طرح اس نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کی بھی مخالفت کی ہے جس میں ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں (تاریخ) اچھی طرح یاد رکھتے جبکہ غیر شعبان

میں اس کا اتنا خیال نہیں رکھتے تھے۔ پھر رمضان کی رؤیت ہلال پر روزہ
رکھتے اگر شعبان میں بادل ہوتا تو تیس دن پورے کر لیتے پھر (رمضان کا)
روزہ شروع کر دیتے۔"[1]

اور اس طرح وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بھی مخالف ہے جس میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی بھی رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھے سوائے اس آدمی کے جو پہلے سے ہی روزے رکھ رہا تھا تو وہ اس دن روزہ رکھ سکتا ہے۔"[2]

ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم بادل والے دن روزہ نہیں رکھتے تھے اور نہ اس کا حکم دیتے تھے بلکہ آپ نے بادل والے دن شعبان کے تیس دن پورے کرنے کا حکم دیا' آپ اسی پر عمل کرتے تھے اور یہی آپ کا فعل اور حکم تھا۔" (زادالمعاد: ۲/ ۳۹)

لیکن ہم نے شک والے دن کے روزے کی بدعت اور حرام ہونے کا جو ذکر کیا ہے یہ اس حالت میں ہے جب کوئی شخص احتیاط اور پرہیز گاری کے جذبے اور خوف سے یہ روزہ رکھے۔ اگر وہ پہلے سے ہی ورع اور شک کے بغیر بطور عادت روزے رکھتا تھا تو سابق حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی رو سے یہ جائز ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "شک والے دن' اگر رمضان کی نیت نہ کرے تو روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"[3] (مسائل عبداللہ: ۶۷۵)

---

[1] [صحیح' سنن ابی داؤد' کتاب الصیام' باب اذا اغمی الشھر(۲۳۲۵) اسے ابن خزیمہ' ابن حبان' حاکم اور ذہبی وغیرہم نے صحیح کہا ہے۔]

[2] [صحیح بخاری' کتاب الصوم' باب لایتقدم رمضان بصوم یوم ولا یومین (۱۹۱۴)صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب لاتقدموا رمضان بصوم یوم أو یومین(۱۰۸۲)]

[3] [امام صاحب کا یہ قول بلا دلیل ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے شک والے دن روزے کا چور دروازہ کھل سکتا ہے۔]

رمضان کے ہمیشہ تیس روزے رکھنا

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیح ومشہور احادیث' اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع تابعین رحمہ اللہ سے ثابت ہے کہ مہینہ تیس کا بھی ہوتا ہے اور انتیس کا بھی اور جو شخص چاند دیکھنے کے بغیر ہمیشہ تیس روزے رکھے تو وہ سنت اور اجماع کا مخالف ہے اور دین میں اپنی مرضی سے بدعت جاری کرنے والا ہے۔"[1]

مؤذن کی اذان سنتے وقت کھانا نگلنا یا پانی پینا

یہ مسئلہ خطرناک مسائل میں سے ہے جس پر علماء ان دلائل سے استدلال کرتے ہیں جو ضعیف سندوں کی وجہ سے حجت نہیں ہیں۔ ان کی بڑی دلیل اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ایک حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا سَمِعَ اَحَدُكُمُ النِّدَاءَ وَالْاِنَاءُ فِيْ يَدِهِ فَلَا يَضَعُهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ)) [2]

"اگر کوئی تم میں سے اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اسے اس وقت تک نہ رکھے جب تک اپنی ضرورت پوری نہ کرلے۔"

اس حدیث کو ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے معلول قرار دیا ہے بلکہ متن میں نکارت (یعنی منکر ہونا) ظاہر ہے۔ پھر یہ اس صحیح حدیث کے بھی مخالف ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اس وقت تک کھاؤ پیو جس وقت تک ابن ام مکتوم اذان نہ دے کیونکہ وہ طلوع فجر کے بعد ہی اذان دیتا ہے۔"[3]

---

[1] [البدع و المحدثات ومالا اصل له :ص ۵۳۴]

[2] [اسناده حسن' سنن ابی داؤد' کتاب الصیام' باب الرجل یسمع النداء والاناء فی یده (۲۳۵۰) اسے حاکم نے اور ذہبی نے صحیح کہا ہے' سند بھی حسن لذاتہ ہے۔ ابو حاتم' بیہقی اور مصنف کا اسے ضعیف یا منکر سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ والحق احق ان یتبع]

[3] [صحیح البخاری' کتاب الصوم' باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایمنعکم من سحورکم اذان بلال (۱۹۱۸' ۱۹۱۹) صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب (۱۰۹۲)]

اس حدیث سے یہ فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی انتہا اذان کا سننا ہے۔

امام البیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے اور "السنن الکبریٰ (۴/ ۲۱۸)" میں اس سے یہ کلام لکھ کر جواب دیا ہے کہ ''یہ حدیث اگر صحیح ہو تو عام علماء کے نزدیک اس پر محمول ہے کہ نبی ﷺ کو معلوم تھا کہ مؤذن طلوع فجر سے پہلے اذان دیتا ہے' اس طریقے سے اس کا کھانا پینا طلوع فجر سے پہلے ہوتا تھا۔ اذان دینے والے طلوع فجر کے ساتھ ہی اذانیں دینا شروع کر دیتے تھے۔ اس کا احتمال ہے کہ یہ خبر ابو ہریرہ سے نیچے سند میں منقطع ہو یا اذان ثانی کی خبر ہو اور نبی ﷺ کا قول کہ ''اگر کوئی تم میں سے اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو'' اذان اول سے متعلق ہے۔ اس طریقے سے احادیث میں موافقت ہو جاتی ہے۔''[1]

میرے خیال میں یہ تطبیق بہتر ہے' پھر مجھے امام شافعی کا کلام مل گیا جو میری تائید کرتا ہے ان کے نزدیک بھی یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں سحری میں دیر کرنے کو مستحب سمجھتا ہوں جب تک کہ طلوع فجر کا وقت قریب نہ ہو جائے' جس میں طلوع فجر کا خوف رہتا ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ کھانا پینا اس وقت موقوف کر دیا جائے۔ پھر اگر صبح طلوع ہو جائے اور اس کے منہ میں کچھ چیز ہو جسے وہ کھا رہا ہے تو اسے باہر نکال کر پھینک دے کیونکہ منہ میں ہونے سے تو کچھ نہیں ہوتا لیکن پیٹ میں داخل ہونے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔'' (الام: ۲/ ۹٦)

اس پر امام شافعی کے شاگرد ربیع بن سلیمان نے یہ حاشیہ لکھا ہے کہ

''سوائے اس کے کہ وہ مغلوب و مجبور ہو جائے' اسے نکالنے پر قادر نہ ہو تو ایسا کھانا مکروہ ہے' تاہم اس پر کوئی چیز (جرمانہ یا کفارہ نہیں ہے۔) یہ ہے مفہوم امام شافعی کے قول کا۔''

---

[1] [حدیث مذکور حسن ہے لہٰذا عام روایت کی مخصص ہے۔]

میرے نزدیک مجبوری اور اکراہ کی صورت میں نگلنا جائز ہے جبکہ وہ اسے لوٹانے پر قادر نہ ہو' اگر وہ اس مجبوری سے اسے نگل لے تو معذور ہے اور اگر وہ مشکل سے اسے نکالتا ہے تو اسے قے آجائے گی جو بذات خود روزہ توڑنے والی ہے' لہٰذا اس معنی پر غور وخوض کریں اور یاد کرلیں' پس یہ اس مسئلے کا لب لباب اور چابی ہے۔[1]

اعتکاف کے لیے تین مسجدوں کی شرط لگانا

یعنی اعتکاف صرف تین مسجدوں میں جائز ہے' مسجد حرام' مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اس سلسلے میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے ضعیف معلول[2] حدیث مروی ہے۔

ہم نے یہ بات اپنی کتاب ''فقہ اعتکاف'' طبع دوم میں بیان کی ہے' یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

رجب اور پندرہ رمضان کا روزہ

عیدوں کی بدعات میں اس پر کلام گزر چکا ہے۔

❀❀❀

---

[1] [امام شافعی' امام بیہقی اور فاضل مؤلف کی تحقیق مرجوح ہے' جب حدیث بذات خود حسن لذاتہ ہے تو یہ اصل ہے' لہٰذا اس سے دوسری حدیث کی تخصیص کی جائے گی اور حق یہی ہے کہ اذان کے وقت جو کھانا کھا رہا ہے اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے کھانے کی تکمیل کرے۔]

[2] [اس کی سند سفیان بن عیینہ کی تدلیس اور دیگر علل کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

زکوٰۃ

زکوٰۃ کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

صحیح احادیث میں مذکور اجناس کے علاوہ دوسری اقسام سے صدقہ فطر نکالنا

ان اجناس سے صدقہ فطر نکالنے میں اصل یہ ہے کہ توقف کیا جائے' یہاں عقل یا استحسان پر مجرد اعتماد صحیح نہیں۔

ابن حزم ظاہری نے امام مالک پر حدیث میں مذکورہ اجناس کے علاوہ صدقہ فطر کی اجازت دینے پر انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

''تعجب ہی تعجب ہے کہ امام مالک نے مکئی' عام کھانا اور چاولوں سے صدقہ فطر نکالنا جائز سمجھا ہے بشرطیکہ یہ اجناس لوگوں کی خوراک ہو' حالانکہ احادیث میں ان اجناس کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔'' (المحلیٰ: ۴/ ۲۴۹)

درج ذیل اجناس سے صدقہ فطر نکالنا جائز ہے:

''جو' کھجور' پنیر' انگور اور گندم۔''

پہلی چار اقسام پر ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث دلیل ہے کہ

''ہم صدقہ فطر ایک صاع کھانے جو' کھجور' پنیر یا میوے سے نکالتے تھے''۔[1]

بعض لوگوں کو ''ایک صاع کھانے سے'' کے لفظ سے یہ وہم ہوا ہے کہ اس عموم میں علاقے میں کھائی جانے والی عام اجناس مثلاً چاول' لوبیا وغیرہ شامل ہیں' حالانکہ یہ استدلال غلط ہے۔

اس روایت میں طعام سے مراد وہی اجناس ہیں جن کی تفصیل بعد میں ذکر کردی

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب صدقۃ الفطر صاع من طعام(۱۵۰۶)صحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب زکاۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر(۹۸۵)]

گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں عیدالفطر کے دن' کھانے سے ایک صاع نکالتے تھے۔

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اور ہمارا کھانا جو' میوہ' پنیر اور کھجور ہوتا تھا۔[1]

اگر بطور الزام اس وہم کو صحیح مان لیا جائے تو طعام کا لفظ عام ہے جو علاقے کے ہر مشہور کھانے پر مشتمل ہوگا' بعض ایسے علاقے بھی ہیں جہاں عام طور پر گوشت کھایا جاتا ہے۔[2] اور عام علماء یہی کہتے ہیں کہ صدقہ فطر میں گوشت دینا جائز نہیں ہے۔

گندم سے صدقہ فطر ادا کرنے کی دلیل وہ صحیح احادیث ہیں جو معاویہ بن ابی سفیان' ام المومنین عائشہ' جابر بن عبداللہ اور اسماء رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں جن کی تفصیل ہم نے مستقل ایک رسالے ''زکوٰۃ الفطر'' میں لکھی ہے۔

محققین کے نزدیک زیادہ سے زیادہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا اجناس نہ ہوں تو پھر چاول' لوبیا اور معروف کھانے سے فطرانہ ادا کرنا جائز ہے۔

موفق الدین ابن قدامہ کہتے ہیں کہ

''جو شخص ان چار اجناس سے ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوسری جنس سے صدقہ فطر نکالے' کیونکہ ان پر نص موجود ہے ان میں سے جو بھی نکالے گا جائز ہے' یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس جنس کو کھاتا ہے یا نہیں اور حدیث کا ظاہری مفہوم بھی یہی ہے۔(الکافی: ۱/ ۳۲۲)

اس کی تائید ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ

''میں تو ہمیشہ جب تک زندہ رہا اسی سے صدقہ فطر نکالوں گا جس سے میں پہلے (یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں) نکالتا تھا۔''

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب الصدقۃ قبل العید (۱۵۱۰)]

[2] [میرے علم میں ایسا کوئی علاقہ نہیں جہاں کھانے میں ہمیشہ صرف گوشت ہی کھایا جاتا ہو اور روٹی یا چاول وغیرہ اس کے ساتھ نہ ہوں۔ واللہ اعلم]

نقدی یعنی رقم سے صدقہ فطر نکالنا

کسی ایک صحابی سے بھی قطعاً یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے نقدی سے صدقہ فطر ادا کیا ہو یا اس کی اجازت دی ہو' اس کا جواز صرف عمر بن عبدالعزیز اور حسن بصری سے مروی ہے۔[1]

جو قول حدیث رسول اللہ ﷺ کا مخالف ہو اس میں کوئی حجت نہیں ہے اور آثار تابعین سے شرعی حجت قائم نہیں ہوسکتی' جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''الحیدۃ والانصاف بین الغلو والاجحاف'' میں بیان کیا ہے۔

مسائل عبداللہ بن احمد ابن حنبل (٦٤٧) میں لکھا ہوا ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا آپ صدقہ فطر کی قیمت نکالنا مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ

''مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر وہ (یعنی کوئی شخص) قیمت دے گا تو اس کا صدقہ فطر ہی جائز نہیں ہوگا۔''

اور ایسا ہی ابوداؤد کی احمد سے روایت میں آیا ہے۔

ابو طالب (امام احمد کے شاگرد) کی روایت میں ہے کہ

''امام احمد سے کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز صدقہ فطر میں قیمت قبول کر لیتے تھے تو امام احمد نے کہا کہ (لوگ) رسول اللہ ﷺ کا قول چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں یہ کہتا ہے''۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر فرض کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾

''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔''

اور کہا کہ لوگ سنت کو فلاں نے کہا' فلاں نے کہا کہہ کر رد کردیتے ہیں۔''

اسے ابن قدامہ نے المغنی (۳/٦۵) میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ امام مالک وشافعی

---

[1] [ان آثار کی کوئی سند مجھے معلوم نہیں ہے۔]

کا یہی قول ہے۔

آٹھ قسم کے مستحقین میں صدقہ فطر تقسیم کرنا

اس غلط رواج میں سے یہ بھی ہے کہ بعض لوگ ان آٹھ اقسام کے مستحقین میں صدقہ فطر تقسیم کر دیتے ہیں جنہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں ہے کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر اس لیے فرض کیا ہے کہ روزہ دار لغو اور فحش کا (اگر مرتکب ہوا ہو تو) کفارہ دے اور یہ مسکینوں کا کھانا ہے' جو نماز عید سے پہلے یہ صدقہ ادا کرے تو عنداللہ مقبول ہے اور جو بعد میں ادا کرے گا تو یہ عام صدقہ بن جائے گا۔''[1]

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ مساکین کو خاص طور پر یہ صدقہ دیتے تھے' اسے (مستحقین کی) ان آٹھ اقسام پر تقسیم نہیں کرتے تھے اور نہ اس کا آپ نے حکم دیا ہے' نہ اس پر کسی صحابی یا بعد والے تابعی نے عمل کیا ہے' بلکہ ہمارا ایک قول یہ بھی ہے کہ مساکین کے علاوہ صدقہ فطر دینا جائز ہی نہیں ہے اور یہ قول اس قول سے راجح ہے جس میں آٹھ اقسام پر صدقہ فطر کی تقسیم کو لازم قرار دیا گیا ہے۔''[2] (زاد المعاد ۲/ ۲۲)

رجب کے مہینے میں زکوٰۃ نکالنا

شیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ سے پوچھا گیا کہ

---

[1] [اسنادہ حسن' سنن ابی داؤد' کتاب الزکاۃ' باب زکاۃ الفطر(۱۶۰۹) اسے حاکم اور ذہبی نے بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (۱/۴۰۹)]

[2] [آج کل بعض تنظیمیں جہاد کے نام پر صدقہ و فطر (وغیرہ سب کچھ) لے جاتی ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)]

''یہاں لوگ صرف رجب میں ہی زکوٰۃ نکالتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ رجب میں زکوٰۃ ادا کرنا افضل اور بہترین ہے' اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

تو انہوں نے جواب دیا کہ

''یہ صحیح نہیں ہے' اگر وہ اس ذریعے سے اللہ کی عبادت کریں گے تو یہ بدعت ہے اور اگر ان کے اموال پر نصاب زکوٰۃ رجب میں لازم ہوتی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔'' (البدع و المحدثات و مالا اصل لہ: ص ۳۶۱' ۳۶۲)

❀❀❀

حج اور عمرہ

حج اور عمرے کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

زبانی نیت کرنا

یہ حج اور عمرہ کے سلسلے میں مشہور ترین بدعت ہے' اس پر طہارت اور نماز کے مسائل میں کلام گزر چکا ہے' یہاں اس پر یہ اضافہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حج اور عمرہ کی لبیک کہنا ہی زبانی نیت کا جواز ہے' حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔ نیت تو صرف ارادے کو کہتے ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے' بلند آواز سے جو لبیک کہی جاتی ہے وہ نماز کی تکبیر تحریمہ کے قائم مقام ہے اور کوئی عقل مند آدمی تکبیر کو نماز کی نیت نہیں کہتا اور نہ وضو پر بسم اللہ کو وضو کی نیت سمجھتا ہے۔

ابن رجب رحمہ اللہ نے کہا کہ ''ان مسائل میں ہمیں نہ سلف صالحین سے کوئی ثبوت ملا ہے اور نہ ہی کسی امام سے۔''

پھر مزید کہا کہ

> ''اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو احرام باندھنے کے وقت یہ کہتے سنا کہ اے اللہ! میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تو لوگوں کو بتا رہا ہے؟ کیا تیرے دل میں جو کچھ ہے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر نہیں ہے؟'' (جامع العلوم والحکم : ص۴۰)

یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ حج اور عمرہ میں لفظی نیت جائز نہیں' جو اسے ضروری سمجھتے ہیں اور خواہ مخواہ اس پر زور دیتے ہیں تو انہوں نے دین میں ایسی بدعت ایجاد کی ہے جس کی نہ اللہ نے اجازت دی اور نہ اس کے رسول ﷺ نے۔

گھر سے حج کے لیے نکلتے وقت دو رکعتیں پڑھنا' پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھنا

یہ وہ بدعت ہے جس کے ساتھ غزالی نے اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' کو آلودہ کیا ہے' غزالی کہتے ہیں کہ

''جو حج کے لیے خروج کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ پہلے دو رکعتیں پڑھے اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکافرون پڑھے اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے'' (احیاء الدین : ۱؍۲۵۰)

اس مسئلے میں کوئی صحیح سنت قابل ذکر نہیں ہے' زیادہ سے زیادہ ایک منکر حدیث اور ایسا ہی موقوف اثر ہے جس سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۲۴) نے حدثنا عیسیٰ بن یونس عن الاوزاعی عن المطعم بن مقدام قال قال رسول اللہ ﷺ کی سند سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا خَلَفَ عَبْدٌ عَلٰی اَھْلِہٖ اَفْضَلَ مِنْ رَکْعَتَیْنِ یَرْکَعُھُمَا عِنْدَھُمْ حِیْنَ یُرِیْدُ السَّفَرَ))

''آدمی جب سفر کا ارادہ کرتا ہے تو دو رکعتوں سے زیادہ افضل کوئی چیز اپنے گھر میں نہیں چھوڑتا۔''

امام نووی نے اپنی کتاب "الاذکار (ص۲۹۶)" میں اسے طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سند معضل (یعنی منقطع) ہے کیونکہ مطعم بن مقدام تابعین کے شاگرد ہیں اور غزالی کا ان دو رکعتوں کو ان مذکورہ سورتوں کے ساتھ خاص کرنا مزید دوسری بدعت ہے۔ اگرچہ نووی نے ''الاذکار'' میں اس کی متابعت کی ہے مگر عبادات میں اصل یہی ہے کہ توقف کیا جائے گا یعنی بغیر دلیل کے کوئی عبادت جائز

نہیں ہے۔

رہا اثر تو اسے عبدالرزاق (۹۲۵۷) نے ''عن الثوری عن ابی اسحاق عن الحارث وھوالاعور کی سند سے روایت کیا ہے کہ جب تو سفر کے لیے نکلے تو اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھ لے اور جب سفر سے واپس آئے تو بھی دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھ۔''

اسے ابن ابی شیبہ نے عن وکیع عن سفیان عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی بن ابی طالب کی سند سے متصلاً بیان کیا ہے جو زیادہ راجح ہے مگر حارث الاعور سخت ضعیف اور اس کی علی سے روایت اور ابو اسحاق کی حارث سے روایت میں بھی کلام ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو یہ ثابت ہے کہ وہ جب سفر کا ارادہ کرتے تو مسجد نبوی میں داخل ہو کر دو رکعتیں پڑھتے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم' ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہتے پھر سفر کے لیے نکلتے' میرے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی ہوتی تھیں نہ کہ سفر کی۔ واللہ اعلم۔

حاجیوں کی گاڑیوں پر سفید جھنڈے لہرانا

اجتماعی طور پر لبیک کے ساتھ آوازیں بلند کرنا

ابن الحاج نے ''المدخل (۴/ ۲۲۱)'' میں لکھا ہے کہ

''بعض لوگ حلق پھاڑ پھاڑ کر اجتماعی طور پر لبیک کی جو آوازیں بلند کرتے ہیں اس سے بچنا چاہیے۔ بعض آواز اتنی آہستہ کر لیتے ہیں کہ تقریباً کچھ بھی سنائی نہیں دیتا' سنت ان دونوں کی درمیانی راہ ہے بشرطیکہ یہ تلبیہ (لبیک کہنا) ایک آواز نہ ہو کیونکہ یہ بدعت ہے' بلکہ ہر انسان دوسرے کی آواز کی پرواہ کیے بغیر خود لبیک کہتا رہے۔''

اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ بعض لوگ سر کے ساتھ پڑھنے والا ایک شخص مقرر کر کے اس کی سر میں سر ملانا شروع کر دیتے ہیں' یہ بھی ناجائز ہے۔

مکہ اور مدینہ میں اولیاء کی قبروں اور متبرک مقامات پر جانا

غزالی نے ''احیاء علوم الدین'' میں یہ کہہ کر اس کی ترغیب دی ہے کہ
''ان کی قبروں کی زیارت کی برکت اللہ کے ہاں ان کے درجات کے مطابق
ملتی ہے۔'' (احیاء الدین: ۱/ ۴۴۴، ۴۴۵)

حالانکہ شرعی طور پر یہ کلام ساقط اور مردود ہے۔ اور ابواب المساجد میں اس پر تنقید
گزر چکی ہے۔

مکہ اور مدینہ کے درختوں اور پتھروں سے تبرک حاصل کرنا

شیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ نے کہا کہ ''حرم یا مکہ کے پتھروں میں سے کوئی ایسی چیز
نہیں جسے چھو کر تبرک پکڑا جائے یا اسے اپنے علاقے میں لے جایا جائے وغیرہ۔

(البدع والمحدثات ومالااصل له: ص ۳۸۱)

مجھے میرے گھر والوں میں سے ایک ثقہ[1] نے یہ خبر دی کہ اس نے عورتوں کو وسیع
توسیع کے دوران حرم مدنی کے ٹکڑوں سے تبرک حاصل کرتے دیکھا' وہ انہیں چھو کر اپنے
چہروں پر مل رہی تھیں اور اس طریقے سے وہ بزعم خود تبرک حاصل کر رہی تھیں۔ حالانکہ
یہ ان کا عمل ہے جن کی تمام کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہو چکی ہے اور وہ یہ سمجھ رہے
ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں' یاد رہے کہ شریعت میں اس عمل کی کوئی اصل نہیں۔

عمرہ کرنے والے کا برکت اور عبادت کے لیے حج کے مقامات کی زیارت کرنا

شریعت میں اس کی کوئی دلیل وارد نہیں ہے' واجب یہ ہے کہ یہ شخص مسجد حرام
میں نمازیں پڑھ کر برکت اور ثواب حاصل کرے اور حرم میں ٹھہرنا' ذکر' عبادت' تلاوت
قرآن اور طواف میں کثرت کرے نہ یہ کہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہونے
میں وقت ضائع کر دے کہ جس میں گناہ تو ہے ثواب نہیں۔

---

[1] یہ ثقہ نا معلوم ہونے کی وجہ سے مجہول ہے۔

طواف کے وقت بیت اللہ کے چاروں ارکان کا چومنا یا چھونا

یہ بدعت[1] ہے اور نبی ﷺ سے یہ کام اس کی اجازت یا ترغیب ثابت نہیں ہے مسنون تو صرف حجر اسود چھونا یا چومنا ہے بشرطیکہ دوسروں کو تکلیف نہ دے ورنہ پھر حجر اسود کی طرف اشارہ کردینا ہی کافی ہے۔ اور رکن یمانی کا بھی یہی معاملہ ہے کہ بغیر تکلف کے نہ اپنے آپ کو تکلیف دے نہ دوسروں کو تو اسے چھو سکتا ہے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اشارہ وغیرہ کرنا مسنون نہیں ہے۔ حجر اسود کے بعد پہلا رکن رکن عراقی ہے اسی طرح اس کے بعد رکن شامی ہے ان کا چھونا استلام یا اشارہ مسنون نہیں اور اس سلسلے میں کچھ بھی مروی نہیں ہے۔

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے بخاری و مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ

''میں نے نبی ﷺ کو صرف دونوں رکن یمانی کو چھوتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔''[2]

صحیح بخاری میں بطور تعلیق بالکل صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ معاویہ چاروں ارکان کا چھونا جائز سمجھتے تھے جس کا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان پر انکار کیا ہے۔

(بخاری:۱۱۸۶)

کعبہ کی دیواروں غلاف اور حلقات کو تبرک کے لیے چھونا

عوام خاص طور پر جاہل لوگوں کے درمیان یہ بدعت بہت زیادہ مشہور ہے اس پر رد کرنے سے زیادہ اس کا فاسد و باطل ہونا واضح ہے۔

---

[1] [جو عمل معاویہ سے ثابت ہے اسے بدعت کہنا صحیح نہیں ہے' تاہم راجح یہی ہے کہ ارکان اربعہ کو نہ چھویاجائے صرف رکن یمانی کو ہی چھویاجائے۔]

[2] [صحیح البخاری' کتاب الحج' باب من لم یستلم الا الرکنین الیمانیین(۱۶۰۹)صحیح مسلم' کتاب الحج' باب(۱۱۸۷)]

زمزم کے پانی سے نہانا

سلف صالحین میں سے کسی سے یہ فعل ثابت نہیں' مستحب صرف یہ ہے کہ خوب سیر ہو کر زمزم پیا جائے اور گرمی کی وجہ سے سر پر بھی انڈیلا جائے۔

خاص طور پر ستائیس رمضان کو عمرہ کرنا

اس کی تائید میں بھی کوئی دلیل وارد نہیں' بلکہ اس رات کی وجہ سے عمرہ کی خصوصیت بذات خود بدعت ہے اور صحیح یہی ہے کہ شروع ہو یا آخر' جو بھی وقت ہو' رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت تلاش کرنا چاہیے۔

بے شک نبی ﷺ نے ایک عورت کو کہا تھا:

((فَاِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَاعْتَمِرِیْ فِیْهِ فَاِنَّ عُمْرَةً فِیْهِ تَعْدِلُ حَجَّةً))[1]

''پس اگر رمضان آجائے تو اس میں عمرہ کر لینا کیونکہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔''

یہ حدیث پورے رمضان کے بارے میں عام ہے' اگر رمضان کی راتوں میں سے کسی رات مثلاً ستائیسویں رات جس میں لیلۃ القدر کا احتمال ہے' عمرہ کرنے کی فضیلت ہوتی تو آپ اپنی امت کو ضرور بتاتے۔

شیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ستائیسویں رمضان کی رات کی (عبادت کے لیے) تخصیص بدعت ہے۔''[2]

جس عمرہ کرنے والے کا اپنا احرام نہ کھلا ہو اس کا دوسروں کے بال بطور اجرت یا خدمت کاٹنا یا مونڈنا

یہ بھی مشہور ترین بدعات میں سے ہے' بہت سے چلنے پھرنے والے دکاندار

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب العمرۃ' باب عمرۃ فی رمضان (۱۷۸۲)صحیح مسلم' الحج' باب فضل العمرۃ فی رمضان (۱۲۵۶)]

[2] [البدع والمحدثات ومالا اصل لہ: ص۳۸۷]

قینچیاں بیچنے کی آوازیں لگاتے ہیں' پھر ایک شخص جس کا احرام بندھا ہوا ہوتا ہے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے سر کے بال کاٹتا یا مونڈتا ہے (یاد رکھئے کہ) اس اجنبی عمل سے عمرہ کو نقصان پہنچتا ہے اور دم واجب ہو جاتا ہے۔

سر کے بال مونڈتے یا کٹاتے وقت قبلہ رخ ہونا

غزالی نے کہا:

''پھر اس کے بعد سر کے بال مونڈ دے اور سنت یہ ہے کہ قبلہ رخ ہو۔''

(احیاء علوم الدین: ۱/ ۴۲۶)

غزالی کے اس قول پر کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی یہ سلف صالحین سے ثابت ہے۔

سر مونڈنے کے وقت دعا

غزالی نے اس کی ایک دعا بھی ذکر کی ہے:

((اَللّٰھُمَّ اثْبِتْ لِیْ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃً وَامْسَحْ عَنِّیْ بِھَا سَیِّئَۃً وَارْفَعْ لِیْ بِھَا عِنْدَكَ دَرَجَۃً))

''اے اللہ! ہر بال کے بدلے میرے لیے ایک نیکی عطا کر اور میرا ایک گناہ مٹا دے اور اپنے ہاں میرا درجہ بلند کر۔''

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''میرے علم کے مطابق سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔'' (حجۃ النبی ﷺ: ص ۱۳۳)

عورت کا نقاب اور دستانوں کے ساتھ طواف کرنا

یہ ممنوع ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((لَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَۃُ الْمُحْرِمَۃُ وَلَا تَلْبِسِ الْقُفَّازَیْنِ))[1]

''احرام والی عورت نہ نقاب پہنے اور نہ دستانے پہنے۔''

---

[1] [صحیح البخاری' کتا ب جزاء الصید' باب ماینھی من الطیب للمحرم والمحرمۃ(۱۸۳۸)]

اگر اس کی تحقیق یہ ہو کہ چہرہ ڈھانپنا اور چھپانا فرض ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے چہرے پر کپڑا لٹکالے جیسا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

حاجی کے لوٹنے کے وقت اور استقبال کے لیے اس کے گھر کا چونا اور صفائی کرنا

گھر کو قسما قسم کے رنگوں سے رنگنا' چراغاں کرنا' اس کے گھر کی دیوار پر کشتی یا ہوائی جہاز کی تصویر بنانا' جس کے ذریعے اس نے سفر کیا ہے اور "حج مبرور و ذنب مغفور وحمدلله على السلامة يا حاج" وغیرہ عبارت لکھنا ان تمام چیزوں کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے۔ بلکہ اس میں فضول کاموں پر اموال کا اسراف ہوتا ہے اور مقصد صرف فخر وتکبر اور جھوٹا وقار ہوتا ہے جس کے بارے میں ہر عقل مند کو یقین ہے کہ یہ حرام ہے۔

مسجد نبوی کے بجائے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کی نیت کرنا

مسجد نبوی کی طرف سفر اس صحیح حدیث کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جو گزر چکی ہے:

((لَاتُشَدُّوا الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ' مَسْجِدِی هٰذَا وَمَسْجِدِالْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی))

"(برائے ثواب و برکت) سفر نہ کیا جائے مگر صرف تین مساجد کے لیے میری مسجد' مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔"

لیکن میں نے دیکھا ہے کہ غزالی صاحب اس حدیث کے ساتھ ایک الٹا استدلال کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "بعض علماء نے اس حدیث کے ساتھ علماء و صالحین کی قبروں اور متبرک مقامات کی طرف سفر کرنے سے منع کیا ہے' یہ وجہ استدلال میری سمجھ سے باہر ہے بلکہ ان قبروں کی زیارت کا حکم موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَلَاتَقُوْلُوْاهَجْرًا))

''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' اب ان کی زیارت کرو اور بے ہودہ باتیں نہ کہنا۔''

اور جبکہ درج بالا حدیث صرف مساجد کے بارے میں ہے نہ کہ متبرک مقامات کے بارے میں کیونکہ ان تین مسجدوں کے بعد تمام مساجد (فضیلت میں) برابر ہیں جو کہ ہر علاقہ' شہر' بستی اور محلّہ میں موجود ہے لہٰذا دوسری مسجد کی طرف سفر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

رہے متبرک مقامات تو یہ برابر نہیں ہیں بلکہ ان کی زیارت کی برکت اللہ کے ہاں ان کے درجات کے مطابق ملتی ہے' ہاں اگر کسی جگہ مسجد نہیں ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس جگہ کی طرف سفر کرے جہاں مسجد ہے اور اس کے لیے اپنا علاقہ چھوڑ کر مکمل طور پر اس مسجد کے قریب چلا جانا بھی جائز ہے۔ کاش! مجھے اس کا پتہ ہوتا کہ یہ منع کرنے والا کیا انبیاء مثلاً ابراہیم' موسیٰ' یحییٰ وغیرہم علیہم السلام کی قبروں کی طرف سفر سے منع کرتا ہے؟ اس سے منع تو بہت زیادہ محال بات ہے اور اگر ان قبروں کی طرف سفر جائز ہے تو پھر اولیاء' علماء اور صالحین کی قبروں کا یہی حکم ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ ان قبروں کو سفر کے مقاصد میں سے سمجھ لیا جائے جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی ملاقات کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔'' (احیاء علوم الدین: ۱/ ۴۴۴)

میں کہتا ہوں کہ اس طویل کلام کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قبروں کی زیارت کی اجازت صرف عبرت اور ذکرِ آخرت کے لیے جائز قرار دی ہے' جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ

((فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ))

''پس قبروں کی زیارت کرو بے شک ان کی زیارت موت یاد دلاتی ہے۔''

رہی دوسری زیارت جسے یہ لوگ تبرک اور فضیلت کے لیے جائز بنا رہے ہیں تو اس کی اجازت نبی ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ ثابت یہ ہے کہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ

((لَاتَجْعَلُوْا قَبْرِی عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ))

''میری قبر کو عید نہ بنانا اور میرے اوپر درود پڑھنا' تم جہاں بھی ہو گے (فرشتوں کے ذریعے) تمہارا درود مجھ تک پہنچے گا۔''[1]

جب اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل اور انبیاء کرام میں سب سے افضل کی قبر کے بارے میں یہ حکم ہے تو پھر باقی انبیاء کی قبروں کا کیا حکم ہوگا؟ جب انبیاء کی قبروں کی طرف سفر نا جائز ہے تو صالحین' اولیاء اور علماء کا مقام تو بہت ہی نیچا ہے۔

اور رہا یہ قیاس کہ ان علماء کی زندگی میں سفر ان کے مرنے کے بعد قبروں کی طرف سفر کے برابر ہے تو یہ قیاس کئی لحاظ سے مردود ہے' یہ قیاس مع الفارق ہے اور ہر قیاس نص (دلیل) کے مقابلے میں مردود ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان علماء کی زندگی میں ان سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے' جس کی تائید نصوص کتاب وسنت سے بھی ہوتی ہے اور تمام عقل مند اس پر متفق بھی ہیں جبکہ مرنے والے اپنے آپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے کجا یہ کہ وہ دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔

اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ))

''اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچے گا چاہے تم کہیں بھی ہو۔''

یعنی تمہیں میری قبر کی طرف سفر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ کسی دوسری قبر کی طرف سفر کی ضرورت ہے' تمہارا درود وسلام مجھ تک پہنچے گا اگرچہ تم اپنے ملک یا مکانوں میں ہو' جس طرح میت کو بعد والے لوگوں کی دعا کا نفع پہنچتا ہے چاہے دعا کرنے والے جس جگہ ومکان میں ہوں۔

---

[1] [اسنادہ حسن' ابوداؤد' کتاب المناسک' باب زیارۃ القبور (۲۰۴۲) اسے نووی اور ضیاء المقدسی نے صحیح کہا ہے۔]

دعا کی قبولیت کی امید سے انبیاء کی قبروں یا دوسری قبروں کی طرف جانا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''انبیاء وصالحین وغیرہم کی قبروں پر دعا کے لیے جمع ہونا دین میں سے نہیں ہے۔''

میں نے دیکھا ہے کہ ''سیر اعلام النبلاء'' میں کئی مقامات پر حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کی قبروں کے پاس دعا قبول ہوتی ہے۔ امام ذہبی اہل سنت والجماعت کے متبوع امام' عالم اور محقق تھے' ان کی اس بات نے مجھے گھبراہٹ میں ڈال دیا تھا حتیٰ کہ میں نے وہ عبارت پڑھ لی جس میں امام ذہبی اپنے مقصد کی وضاحت فرماتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ ''اور دعا' انبیاء و اولیاء کی قبروں اور دنیا کے تمام علاقوں میں قبول ہوتی ہے لیکن قبولیت کا سبب اپنی تمنا خوب ظاہر کرنا' خشوع وخضوع' عاجزی اور گڑگڑا کر دعا کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مقدس مقام' مسجد اور صبح کے وقت وغیرہ میں زیادہ عاجزی اور خشوع ظاہر ہوتا ہے اور ہر مجبور کی دعا قبول ہوتی ہے۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۱۷/ ۷۷)

اس حوالے سے معلوم ہوا کہ امام ذہبی مجرد قبروں کی وجہ سے قبولیت دعا کے قائل نہیں بلکہ یہ توجہ' تمنا اور خواہش کا اظہار' خشوع وخضوع اور گڑگڑا کر دعا کرنے کو باعث قبولیت سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک قبروں کے پاس دعا کرنا ترک کر دینا چاہیے بلکہ سد ذریعہ کے طور پر ایسا کرنا واجب ہے' کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی قبر کے پاس ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جو علماء اتباع سنت اور سلف صالحین کی اقتداء کے ساتھ مشہور ہیں ان کے بارے میں اصل طرز عمل یہ ہے کہ حسن ظن رکھا جائے' ان کے (غلط) کلام (کی تاویل کر کے اس کا) عذر تلاش کیا جائے نہ کہ آدمی ان کی غلطیاں تلاش کرنے بیٹھ جائے یا ان غلطیوں سے استدلال کرنا شروع کر دے۔

نبی ﷺ کی قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنا اور رونا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''اور جب نبی ﷺ پر سلام کہے تو قبلہ رخ ہونا چاہیے' دعا مسجد نبوی میں کرے جیسا کہ صحابہ کرام کرتے تھے' اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور قبر کی طرف منہ کر کے دعا نہ کرے۔'' (الاختیارات العلمیة)

نبی ﷺ کی قبر (یا حجرے) کا چھونا اور چومنا

باب الجنائز میں اس پر تفصیل گزر چکی ہے اور آج کل اللہ کے فضل و کرم سے یہ بدعت مٹا دی گئی ہے۔ تینوں قبروں (نبی ﷺ' ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی قبروں) کے کمرے کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا ہے۔ والحمدللہ۔ اور آج کوئی آدمی ان قبروں تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔

شیخ الاسلام نے ''الاختیارات'' میں لکھا ہے کہ ''سلف صالحین اور تمام امام اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص نبی ﷺ یا دوسرے انبیاء و صالحین کی قبروں پر سلام کہے تو یہ شخص نہ تو قبر کو چھوئے گا اور نہ ہی چومے گا بلکہ اس پر اتفاق ہے کہ چھونا اور چومنا صرف حجر اسود کا جائز ہے' رکن یمانی کا چھونا مسنون ہے مگر صحیح مسلک میں چومنا جائز نہیں ہے۔''

نبی ﷺ کی قبر کا طواف اور محراب' منبر اور دیواروں کا چھونا

شیخ محمد بن صالح بن عثیمین حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''مسجد نبوی کے بعض زائرین قبر کا طواف کرتے ہیں' حجرے کی جالیوں اور دیواروں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور بسا اوقات ان پر منہ رکھ کر چوم بھی لیتے ہیں اور ان پر اپنے رخسار ملتے ہیں' یہ تمام کلام غلط اور بدعات ہیں اور کعبہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ کا طواف بدعت اور حرام ہے۔ اسی طرح چھونا اور چومنا بھی حرام و ممنوع ہے۔ رخسار بھی خانہ کعبہ میں اپنے مقام پر رکھے جاتے

ہیں۔ اور حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس (بیت اللہ کی طرح) یہ عبادت کرنا آدمی کو
اللہ سے دور ہی کرتی ہے (نہ کہ نزدیک)۔''

(البدع والمحدثات ومالا اصل له: ص ۴۰۳)

بعض سلف صالحین سے منبر کی لکڑی کا چھونا ثابت ہے پھر وہ قبلہ رخ ہو کر دعا کرتے تھے لیکن اب تو وہ منبر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تھے، ختم ہو چکا ہے اس میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی، لہٰذا اب یہ عمل بھی صحیح نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم (۲/ ۷۲۷)'' میں لکھا ہے کہ

''آج کے زمانے میں منبر جل چکا ہے اور اس کی لکڑی باقی نہیں رہی صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا رہ گیا ہے، لہٰذا منبر چھونے کی رخصت بھی ختم ہے۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے صرف یہی منقول ہے کہ وہ آپ کے بیٹھنے کی جگہ کو چھوتے تھے۔''

القرآن

قرآن اور قراءت قرآن کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

گانوں کی طرح قرآن پڑھنا

گانوں اور نظموں وغیرہ کی طرح قرآن پڑھنا اس باب کی مشہور ترین بدعت ہے۔ عبداللہ بن احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا آپ سے مبالغہ آمیز خوش الحانی سے قرآن پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "یہ بدعت ہے الا یہ کہ فطری طور پر بغیر تصنع کے یہ قراءت ہو جیسا کہ ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قراءت کرتے تھے۔"

المروذی نے کہا' ابوعبداللہ احمد ابن حنبل سے قراءت بالالحان یعنی مبالغہ آمیز اور مصنوعی خوش الحانی والی قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ

"بدعت ہے' اسے سننا نہیں چاہیے۔"[1]

سنت یہ ہے کہ قرآن اچھی آواز کے ساتھ بغیر تکلف کے' حروف کو ان کے صحیح مخارج اور خشوع و تدبر سے پڑھا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ))[2]

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو خوش الحانی سے قرآن نہ پڑھے۔"

اور فرمایا کہ

((مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ))[3]

---

[1] [الامر بالمعروف والنهى عن المنكر لابى بكر الخلال: ۱۹۴' ۲۰۳]

[2] [صحيح البخارى' كتاب التوحيد' باب قول الله تعالىٰ: واسروا قولكم اوجهروا به(۷۵۲۷)]

[3] [صحيح بخارى' كتاب فضائل القرآن' باب من لم يتغن بالقرآن (۵۰۲۴) صحيح مسلم' كتاب صلاة المسافرين' باب: استحباب تحسين الصوت بالقرآن (۷۹۲)]

''اللہ نے ایسی اجازت کسی چیز کے لیے نہیں دی ہے جو اس نے خوش الحانی کے ساتھ قراءت کرنے کی اجازت دی ہے۔''

ایک روایت میں ہے کہ ''نبی کو جو اجازت دی گئی ہے اچھی آواز اور خوش الحانی سے قراءت کرنے کی تو آپ قرآن کو خوش الحانی اور بلند آواز سے پڑھتے تھے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ ''سفیان بن عیینہ فرماتے تھے' خوش الحانی سے قرآن پڑھے یعنی اچھی آواز سے۔''

وکیع رحمہ اللہ نے کہا کہ ''خوش الحانی سے پڑھے۔''

شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ ''اپنی آواز بلند کرے۔''[1]

امام احمد نے ان احادیث کا انکار کیا ہے جن سے خوش الحانی کی اجازت پر استدلال کیا جاتا ہے' ہم نے یہ مسئلہ اپنی کتاب ''الجامع فی احکام و فضائل القرآن'' میں تفصیل سے لکھا ہے۔

نماز وغیرہ میں شاذ قراءتیں کرنا

نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''نماز وغیرہ میں شاذ قراءتیں کرنا جائز نہیں ہے' اگر علم کے باوجود جان بوجھ کر یہ قراءتیں نماز میں کرے جن سے معنی بدل جاتا ہے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔''[2]

نماز وغیرہ میں فخر و برتری کے لیے مختلف قراءتیں کرنا

اس میں سے یہ بھی ہے کہ نماز میں یا اس کے علاوہ ایک آیت یا کئی آیات کو فخر و برتری کے لیے جمع کرنا بدعت ہے۔ جیسا کہ آج کل بہت سے قاری حضرات کرتے ہیں' ایک ہی آیت کی بار بار' مختلف قراءتیں کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سوال ''سات قراءتیں جمع کرنا سنت ہے یا

---

[1] [الامر بالمعروف للخلال :۲۰۸۔ بسند صحیح' مؤلف]

[2] [المسائل المنثورہ' جمع علاء الدین بن العطار : ۹]

بدعت؟'' کے جواب میں فرمایا کہ ''نماز یا تلاوت میں ان کا اکٹھا کرنا بدعت و مکروہ ہے اور رہا مسئلہ حفظ و درس کا تو یہ کئی قاریوں کا اجتہاد ہے (اور جائز ہے)۔''

(مجموع فتاوی: ۱۳/ ۴۰۴)

مخارج حروف کی ادائیگی میں تکلف اور قراءت کا غیر ضروری لمبا کرنا

بری بدعات میں سے قراءت کا غیر ضروری طور پر لمبا کرنا اور مخارج حروف کی ادائیگی میں وسوسہ کی وجہ سے غیر ضروری لمبا کرنا ہے حتیٰ کہ اس طرح نئے حروف ایجاد ہو جاتے ہیں۔ سنت اس میں یہ ہے کہ قرأت مد سے (یعنی مسنون لمبی) ہو۔

جیسا کہ صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کیسی تھی؟ تو فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت مدّ سے (یعنی مسنون لمبی) ہوتی تھی' پھر انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا' بسم اللہ کو لمبا کیا' الرحمٰن اور الرحیم کو لمبا کیا۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ''بعض جاہل لوگ' دمشق میں جنازوں پر جو قرأت کرتے ہیں' انتہائی لمبی' پر از غنا' اور آیات میں کئی حروف کا اضافہ وغیرہ' جیسا کہ مشاہدہ کیا جاتا ہے' کیا یہ مذموم ہے یا نہیں؟''

تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ واضح طور پر منکر اور سخت مذموم ہے۔ اس کے حرام ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔ جیسا کہ الماروردی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اولی الامرا (حاکم) کو چاہیے کہ وہ انہیں اس حرکت سے منع کرے' تعزیر لگائے اور توبہ کرائے اور ہر صاحب استطاعت پر اس کا انکار واجب ہے۔'' (المسائل المنثورہ: ۱۳)

منگنی' خطبۂ نکاح' مجالس اور تجارتی معاہدوں وغیرہ کے شروع میں سورۂ فاتحہ یا کسی دوسری صورت کی تلاوت

یہ بدعت بھی آج کل بہت زیادہ پھیل چکی ہے حتیٰ کہ تمام اسلامی ممالک میں

[1] [صحیح بخاری' کتاب' فضائل القرآن' باب مدّ القرآۃ (۵۰۴۶)]

عام ہو چکی ہے جس سے بعض لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ معاہدۂ سودے اور شادیاں وغیرہ اگر فاتحہ یا کسی دوسری سورت کی تلاوت کے بغیر ہوں گی تو ان کی برکت ختم ہو جائے گی' حالانکہ اس بات کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

نکاح' خطبہ اور مجالس میں مستحب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر خطبہ حاجہ پڑھا جائے۔

بسم اللہ پڑھنے کی دلیل وہی حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو یہ دعا پڑھے:

((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا))

''اے اللہ! تیرے نام سے شروع کرتا ہوں تو ہم کو اور جو تو ہم کو اولاد نصیب فرمائے اس کو شیطان سے دور رکھنا''

ان کے ہاں اگر بچہ پیدا ہوگا تو اسے شیطان نقصان نہیں پہنچائے گا۔

اس پر امام بخاری نے اپنی صحیح میں "التسمية على كل حال وعند الوقاع'' ہر حال میں اور جماع کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنا' کا باب باندھا ہے۔

اگرچہ اس مقام (وقت جماع) میں مسنون اور مستحب یہ ہے کہ کمال خاموشی اور وقار ہو تو دوسرے نیکی کے کاموں میں بطریقہ اولیٰ بسم اللہ پڑھنے مستحب ہے۔

خطبہ حاجت کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حاجت سکھایا ہے:

((اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَاهَادِيَ لَهٗ' وَاَشْهَدُاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ))

پھر یہ آیات تلاوت فرمائے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا

زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝﴾ (النساء :۱)

﴿يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

﴿يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝﴾ [۱] (الاحزاب: ۷۰، ۷۱)

اس خطبہ کا قائم مقام حمد وثنا بن سکتی ہے، یہی نکاح، تقاریر اور مجالس میں مسنون ہے جیسا کہ نبی ﷺ کی سنت سے ثابت ہے، ان مجالس کا افتتاح قراءت فاتحہ یا تلاوت قرآن سے بدعت ہے، سلف صالحین سے ثابت نہیں۔

جب آپ نے یہ سمجھ لیا تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ابن جماعۃ کا "تذكرة السامع والمتكلم فى ادب العالم والمتعلم (ص ۳۴)" میں یہ قول "بحث وتدریس کے شروع میں برکت اور نیک نامی کے لیے قرآن کا کچھ حصہ پڑھنا چاہیے" ایسا قول ہے جس پر کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں۔ ابتداء صرف خطبہ حاجت یا حمد وثناء سے کرنا چاہیے جیسا کہ مسنون ہے اور گزر چکا ہے اور اگر صرف بسم اللہ پڑھ لے تو یہ بھی مستحب ہے اور ان دو اعمال کے علاوہ کسی دوسری چیز سے ابتداء کرنا مکروہ ہے۔

تجارتی سودوں اور لین دین کے معاملات کی تکمیل پر برکت کے لیے فاتحہ پڑھنا مستحب نہیں ہے، اس جگہ برکت صرف نبی ﷺ کی سنت کی پیروی سے ہو سکتی ہے، اور یہاں سنت یہ ہے کہ سودے کے بعد (جسمانی) جدائی ہو جائے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

---

[۱] [ضعیف، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی خطبة النکاح (۲۱۱۸) اس کی دو سندیں ہیں، ایک میں ابو اسحاق السبیعی مدلس ہیں اور "عن" سے روایت کر رہے ہیں۔ دوسری سند میں ابو اسحاق نے سماع کی تصریح کی ہے لیکن ابو عبیدہ عن ابیہ کی وجہ سے منقطع ہے، لہٰذا اس حدیث کی تصحیح ناقابل فہم ہے۔]

((اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ حَتّٰى يَتَفَرَّقَا))[1]

''بیچنے والے اور خریدنے والے کو اختیار ہے حتیٰ کہ وہ (جسمانی طور پر) جدا ہو جائیں۔''

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کوئی چیز خریدتے تو دکاندار کے پاس سے چلے جاتے (یہاں تک کہ نظر نہ آتے) پھر واپس آ کر سودا خریدتے تا کہ سودا پکا ہو جائے اور رجوع نہ ہو سکے۔

لوگوں کا ایک آواز ہو کر قرآن پڑھنا

اگر عبادت کے طور پر ہو تو دین میں اس بدعت کی کوئی اصل نہیں ہے' یہ پڑھنا صرف حفظ' درس اور تعلیم کے وقت جائز ہے جیسا کہ حفظ قرآن کی مجالس (مساجد و مدارس) میں بچے بآواز بلند پڑھتے ہیں۔

جمعہ کے دن' لاؤڈ سپیکر پر قرآن پڑھنا

یہ بھی مشہور بدعت ہے۔ قاری خطبہ جمعہ سے پہلے منبر وغیرہ پر بیٹھ جاتا ہے اور لاؤڈ سپیکر پر قرآن پڑھنا شروع کر دیتا ہے' یہ کام نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا اور نہ کسی صحابی کے زمانے میں بلکہ یہ تازہ بدعت ہے' اس میں ان نمازیوں کے لیے تشویش و مصیبت ہے جو ثواب وفضیلت کے لیے جمعہ کے لیے جلدی آ جاتے ہیں تا کہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ آہستہ آواز سے قرآن پڑھیں اور نفل نمازیں پڑھیں' اس لاؤڈ سپیکر والی بدعت کی وجہ سے انہیں ان نیکیوں سے روکا جاتا ہے اور مسجد کے اندر امن حاصل کرنے والوں اور عبادت کرنے والوں کو بہت زیادہ تکلیف ہے' اور جبکہ مسجد سے باہر کے لوگوں کی تکلیف اس کے علاوہ ہے۔

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب البیوع' باب اذاکان البائع بالخیار هل یجوز البیع (۲۱۱۴)صحیح مسلم(۱۵۳۲)]

تلاوت قرآن کے اختتام پر ''صدق اللہ العظیم'' کہنا

یہ عجیب و غریب بدعت ایک زمانے سے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے جبکہ شریعت میں اس کی کوئی اصل سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور نہ کسی سلف صالحین سے یہ کہنا ثابت ہے' بلکہ نبی ﷺ سے اس کے برخلاف ثابت ہے' آپ جب قاری کو روکنا چاہتے تو ''حسبك''، ٹھہر جاؤ کہتے تھے۔

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا)) [1]

''نبی ﷺ نے مجھے کہا: ''قرآن سناؤ'' میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو سناؤں جب کہ آپ پر قرآن نازل ہوا ہے؟ فرمایا ''جی ہاں!'' تو میں نے سورۃ النساء پڑھی اور جب میں اس آیت ''پھر (وہ منظر) کیسا ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان (تمام لوگوں) پر گواہ بنائیں گے۔'' پر پہنچا تو آپ نے فرمایا: ''حسبك (ٹھہر جاؤ)'' اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا امسك (رک جاؤ)'

اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ''حسبك'' کا باب باندھا ہے یعنی سننے والے کا سنانے والے کو حسبك کہنا۔

اگر ''صدق اللہ العظیم'' کہنا مسنون یا مستحب ہوتا تو نبی ﷺ ہمیں ضرور بتاتے یا آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی خبر دے دیتا۔

قرآن کا گاڑیوں میں اور سینوں پر زینت وغیرہ کے لیے لٹکانا؟

یہ مشہور اور پھیلی ہوئی بدعت ہے' شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ ابن ابی داؤد نے کتاب ''المصاحف'' (ص۲۰۴) پر سفیان ثوری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ قرآن

[1] [صحیح بخاری' کتاب فضائل القرآن' باب: (۵۰۵۰)]

مجید کے لٹکانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔[1]

بعض لوگ ایسی تختیاں اور اشتہار لیتے ہیں جن پر بعض آیات اور معوذتین وغیرہ بطور تعویذ لکھی ہوتی ہیں۔ (یاد رکھئے کہ) قرآن کے ساتھ بچاؤ لٹکانے سے نہیں بلکہ زبان کے ساتھ تلاوت قرآن سے ہوتا ہے' جو شخص تلاوت کے بدلے اسے لٹکانا اختیار کرلے تو اس نے سنت کی مخالفت کی اور دین میں ایسی بدعت ایجاد کردی جس کی اللہ نے قطعاً اجازت نہیں دی ہے۔

قبلہ کی طرف قرآن رکھنے سے منع کرنا؟

مجاہد (تابعی) اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ قبلہ کی طرف قرآن رکھنے کو مکروہ سمجھتے تھے لیکن یہ ان سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ''احکام المصاحف (ص ۳۸)'' میں بیان کیا ہے۔

ابن ابی داوُد نے ''المصاحف (ص ۲۰۴' ۲۰۵)'' میں صحیح سند کے ساتھ ابراہیم النخعی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے:

((كَانُوا يكرَهُونَ اَنْ يُّصَلُّوا وَبَيْنَ اَيْدِيْهِمْ شَيْءٌ حَتَّى الْمُصَاحِفَ))

''وہ لوگ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ نماز اس حالت میں پڑھیں کہ ان کے سامنے کوئی چیز حتیٰ کہ قرآن کے نسخے ہوں۔''

ظاہر ہے کہ یہ کراہیت نماز کے ساتھ مشغولیت سے خاص ہے نہ کہ مجرد قبلہ کی طرف قرآن رکھنے میں' سنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ نمازی کو اگر مشغولیت کا خوف ہو تو قبلہ کی طرف قرآن نہ رکھے۔

صحیحین میں یزید بن ابی عبید عن سلمہ بن الاکوع کی سند سے مروی ہے کہ

''وہ قرآن مجید کے رکھنے کی جگہ کے پاس تسبیح (یعنی نماز) پڑھتے تھے اور بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ منبر اور قبلہ کے

---

[1] [اس کی سند صحیح ہے۔]

درمیان بکری کے گزرنے جتنی جگہ ہوتی تھی۔''[1]

لہٰذا اس میں منع نہیں بلکہ جواز ہے۔ واللہ اعلم!

سر پر قرآن رکھنا' چومنا یا قسم کے وقت اس پر ہاتھ رکھنا یا قسم کی شدت کے لیے اپنی دونوں آنکھوں پر رکھنا

یہ تمام چیزیں مردود بدعات میں سے ہیں' اور سلف صالحین سے ثابت بھی نہیں۔ سلف صالحین تو قرآن پڑھتے اور اس میں غور وفکر کرتے تھے' وہ قسم یا ڈرانے کے لیے اسے استعمال نہیں کرتے تھے' نہ اس سے ڈراتے اور نہ اسے سر پر رکھتے' یہ فعل ان میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہے۔

اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ مروی ہے کہ امام الدارمی نے کتاب ''السنن (۳۳۵۰)'' میں ''حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن ابن ابی ملیکہ'' کی سند سے روایت کیا ہے کہ

عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل اپنے چہرے پر قرآن رکھتے تھے اور فرماتے ''میرے رب کی کتاب ہے۔'' یہ سند اگرچہ ابن ابی ملیکہ تک صحیح ہے لیکن ان کے اور عکرمہ رضی اللہ عنہ کے درمیان منقطع ہے' کیونکہ عکرمہ رضی اللہ عنہ خلافت عمر میں فوت (شہید) ہوئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلافت صدیق میں فوت ہوئے تھے لہٰذا ابن ابی ملیکہ کی عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل (یعنی منقطع) ہے۔ اس طرح اولیٰ یہی ہے کہ ابن ابی ملیکہ کی عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل سے روایت مرسل (یعنی منقطع) ہے اور علم حدیث کے ماہر علماء کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہوتی۔

قسم کے وقت قرآن پر ہاتھ رکھنا عیسائیوں کی عادات میں سے ہے۔ وہ مقدموں اور فیصلوں کی گواہی میں انجیل پر ہاتھ رکھتے ہیں اور پھر یہ قسم اٹھاتے ہیں کہ سچی بات

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب' الصلوٰۃ' باب الصلوٰۃ الیٰ الاسطوانۃ (۵۰۹) صحیح مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب دنو المصلی من السترۃ (۵۰۵)]

کہیں گے اور جبکہ ہمیں عیسائیوں اور یہودیوں کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ قرآن کے ساتھ قسم اٹھانے میں اشکال ہے' اگر اس سے مراد قرآن (خود) ہے تو کوئی حرج نہیں' اس حالت میں قرآن پر ہاتھ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ قسم زبان کے ساتھ منعقد ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس سے مراد اوراق اور سیاہی ہے تو ایسی قسم حرام ہے' ناجائز ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ))[1]

''جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی تو یقیناً اس نے شرک کیا۔''

---

[1] [اسنادہ صحیح' سنن ابی داؤد' کتاب الایمان والنذور' باب فی کراهية الحلف بالآباء (۳۲۵۱) الترمذی (۱۵۳۵) اسے ترمذی نے حسن اور ابن حبان (۱۱۷۷) حاکم (۴/۲۹۷) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔]

الایمان والنذور

قسموں اور نذروں کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

اس باب کی شدید ترین بری چیز وہ نذر ہے جو غیر اللہ کے لیے مانی جاتی ہے۔

غیر اللہ کی نذر

نذر شرعی عبادت ہے لہٰذا اسے غیر اللہ کے لیے ماننا یا غیر اللہ کے نام پر دینا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝﴾ (البقرۃ:۲۷۰)

''تم جو مال خرچ کرتے ہو یا نذر مانتے ہو تو بے شک اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔''

غیر اللہ کی نذر کے ناجائز ہونے پر علماء کا کلام گزر چکا ہے۔

آج کل عام نذریں، قبروں، فوت شدہ بزرگوں، صالحین اور عرس و میلاد والوں کے لیے مانی جاتی ہیں تا کہ (ان لوگوں کے زعم میں) مصیبتیں دور ہوں اور فائدے حاصل ہوں۔ حالانکہ یہ مرنے والے اپنے آپ کو نفع نہیں پہنچا سکتے کجا یہ کہ دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔

ان نذروں کے بارے میں امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''یہ وہ نذریں ہیں جن میں اللہ کی رضامندی مطلوب نہیں ہے بلکہ ان تمام نذروں کا ماننے والا اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا مستحق ہے۔ کیونکہ ایسی نذریں ماننے سے لوگوں کا مردوں کے بارے میں یہ عقیدہ ہو جاتا ہے کہ ان میں الوہیت کی صفات ہیں جس سے ان لوگوں کا دین ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی

شخص اپنا بہترین اور قیمتی مال صرف اسی وجہ سے صرف کرتا ہے کہ شیطان نے اس کے دل میں اس قبر اور صاحب قبر کی محبت اور تعظیم و تقدیس ڈال رکھی ہے اور عقیدہ میں ایسی خرابی سے اسلام سالم نہیں رہتا۔''

(شرح الصدور: ص۱۹)

میں کہتا ہوں کہ واجب صرف یہ ہے کہ نذر خالص اللہ کے لیے ہو' اللہ کی اطاعت میں ہو نہ کہ نافرمانی میں۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ نَّذَرَ اَنْ يُّطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ))[1]

''جو آدمی اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے ضرور پورا کرے اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے ہرگز پورا نہ کرے۔''

قسموں کے باب میں اس کے مقابل بدعت درج ذیل ہے۔

غیر اللہ کی قسم اٹھانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی تو یقیناً اس نے کفر یا شرک کیا۔''[2]

اس مسئلے (یعنی قسم کے باب) میں بہت سی بدعات داخل ہو چکی ہیں' بعض امانت کی قسم اٹھاتے ہیں اور بعض اپنے والد اور اس کی رحمت کی قسم اٹھاتے ہیں۔ بعض کعبہ کی قسم اٹھاتے ہیں اور بعض نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا نیک انسان کی قسم اٹھاتے ہیں۔

قسم کی یہ تمام ذکر شدہ اقسام حرام ہیں جائز نہیں ہیں۔ اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''فقہ الایمان والنذور'' میں لکھدی ہے۔

---

[1] [صحيح البخاري' كتاب الايمان والنذور' باب النذور فى الطاعة (٦٦٩٦' ٦٧٠٠)]

[2] [اسناد صحيح- سنن ابى داؤد' كتاب الايمان والنذور باب فى كراهية الحلف بالآباء- (٣٢٥١)]

اس چیز کی نذر کی بدعت جس کی طاقت نہ ہو

مثلاً کوئی نذر مانے کہ فلاں ملک کی مسجد تک پیدل جائے گا یا بعض عورتیں یہ نذر مانیں کہ سر کے بال منڈا دیں گی یا کوئی آدمی اپنی داڑھی منڈانے یا بیوی کو طلاق دینے کی نذر مان لے یا ایسے کام کی نذر مانے جس کا نقصان فائدے سے زیادہ ہو' یہ تمام نذریں جائز نہیں بلکہ یہ گناہ اور معصیت والی نذریں ہیں اور معصیت والی نذر کا پورا کرنا جائز نہیں بلکہ ضروری یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اور کفارہ دے دے۔ جیسا کہ نبی ﷺ سے گزر چکا ہے کہ

''جو آدمی اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے ضرور پورا کرے اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے ہرگز پورا نہ کرے۔''

نبی ﷺ نے ایسی نذریں ماننے والے پر انکار فرمایا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے' آپ نے ایک آدمی کو کھڑے ہوئے دیکھا' پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابو اسرائیل ہے' اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا رہے گا بیٹھے گا نہیں' نہ سائے میں جائے گا اور نہ بات کرے گا اور مسلسل روزے رکھے گا' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مُرْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَيَسْتَظِلَّ وَالْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ))[1]

''اسے حکم دو کہ باتیں کرے' سائے میں جائے' بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔''

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے دونوں بیٹوں کے درمیان پاؤں گھسیٹ کر آ رہا تھا' پوچھا ''یہ کیا ہے؟''

صحابہ نے کہا' اس نے چلنے کی نذر مانی ہے تو آپ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا لَنَفْسَهُ غَنِيٌّ))

---

[1] [صحيح البخاري' كتاب الايمان' باب النذور فيما لايملك وفي معصية (٦٧٠٤)]

''اس آدمی کے اپنے آپ کو عذاب دینے سے اللہ بے نیاز ہے۔''

اور آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ سوار ہو جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

((اِرْكَبْ اَيُّهَا الشَّيْخُ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَعَنْ نَذْرِكَ))[1]

''اے شیخ! سوار ہو جا' اللہ تجھ سے اور تیری نذر سے بے نیاز ہے۔''

طلاق کی قسم کھانا اور طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کرنا

یہ بدعت بھی عوام میں بہت زیادہ پھیل چکی ہے' اس پر تفصیلی کلام ہم نے اپنی کتاب ''فقہ الطلاق'' میں لکھا ہے۔



[1] [صحیح البخاری' کتاب الایمان والنذور' باب النذر فیما لایملك وفی معصیة (۱٦٧٠)
صحیح مسلم' کتاب النذر' باب من نذر ان یمشی الی الکعبة (۱٦۴۲' ۱٦۴۳)]

مصافحہ' سلام اور ملنا

مصافحہ' سلام اور ملنے جلنے کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا

یہ برائی آج کل بہت زیادہ پھیل چکی ہے اور یہ ایسی بدعت ہے کہ جس کا نہ نبی ﷺ کے زمانے میں وجود تھا اور نہ صحابہ وتابعین کے زمانے میں یعنی خیر القرون میں اس کا نام ونشان نہیں ہے بلکہ یہ یورپ کی باطل تہذیب کی رسوم میں سے ہے جو ہمارے اندر منتقل ہوگئی ہے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

((مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ اِلَّا امْرَأَةً يَمْلِكُهَا))[1]

''رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا سوائے آپ کی (بیوی' محارم) یا مملوکہ کے۔''

آپ ﷺ نے بیعت لیتے ہوئے عورتوں کو کہا تھا کہ

((اِنِّیْ لَا اُصَافِحُ النِّسَآءَ' اِنَّمَا قَوْلِیْ لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِیْ لِامْرَأَةٍ وَّاحِدَةٍ))[2]

''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا' میرا کلام سو عورتوں کے لیے بھی وہی ہے جو ایک عورت کے لیے ہے۔''

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب الاحکام' باب بیعة النسآء (۷۲۱۴)صحیح مسلم' کتاب الامارة' باب:کیفیة بیعة النسآء (۱۸۶۶)]

[2] [صحیح' سنن الترمذی' کتاب السیر' باب ماجاء فی بیعة النسآء (۱۵۹۷)ابن ماجه (۲۸۷۴)نسائی (۴۱۸۶)]

بلکہ آپ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اجنبی عورت سے مصافحہ کرنے سے منع کیا ہے۔

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((لَاَنْ يُطْعَنَ فِيْ رَأْسِ رَجُلٍ بِمِخْيَطٍ مِنْ حَدِيْدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ اَنْ يَمَسَّ امْرَاَةً لَاتَحِلُّ لَهُ)) [1]

"اگر کسی شخص کے سر میں لوہے کی سوئی چبھ جائے تو اس کے لیے یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔"

نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا

یہ عادت بہت سے بدعتی لوگوں میں پھیل چکی ہے' بعض اس کے وجوب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ نمازوں کے بعد اذکار مسنونہ میں اتنی دلچسپی نہیں رکھتے جتنا کہ اس بدعت کے اہتمام میں مبالغہ کرتے ہیں' حالانکہ اس بارے میں نہ تو نبی ﷺ کی کوئی حدیث مروی ہے اور نہ ہی یہ فعل سلف صالحین سے منقول ہے۔

علامہ العزبن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ "صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ہے سوائے اس مسافر یا دور سے آنے والے شخص کے کہ جسے اس کے استقبال پر مصافحہ کیا جاتا ہے۔" (فتاویٰ العز: ص۴۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ "نماز کے بعد مصافحہ کرنا سنت ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا سنت نہیں بلکہ بدعت ہے۔"

(مجموع فتاویٰ: ۲۳/ ۳۳۹)

نمازی کا اپنے ساتھ والے شخص سے کہنا "تقبل اللّٰہ" اللہ قبول کرے

یہ بدعت ہے جس کی تائید صرف موضوع حدیث سے ہی ہوتی ہے جیسا کہ جمعہ

[1] [حسن' مسند الرویانی (۲/ ۳۲۳' ح۱۲۸۳) المعجم الکبیر للطبرانی (۲۰/ ۲۱۱' ۲۱۲) الصحیحۃ للشیخ الالبانی رحمہ اللہ ۱/ ۲۹۵' ح۲۲۶]

کی بدعات میں گزر چکا ہے اور موضوع حدیث ہر لحاظ سے مردود ہوتی ہے۔ اس سے استدلال حرام ہے۔

مصافحہ کے بعد ہاتھ چومنا اور سینے پر رکھنا

علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے کہا کہ ''ہمارے علم کے مطابق شریعت اسلامیہ میں اس عمل کی کوئی اصل نہیں ہے اور مصافحہ کے بعد ہاتھ چومنا اور سینے پر رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ بدعت ہے' اگر ایسا کرنے والا اسے ثواب سمجھ کرے۔''

(البدع والمحدثات ومالا اصل له: ص۴۷۸)

آنے والے کا تمام مجلس والوں سے مصافحہ کرنا

یہ بھی ایسی بدعت ہے جس کی سلف صالحین سے کوئی اصل معلوم نہیں' مصافحہ تو صرف ملاقات کے وقت مستحب ہے نہ کہ مجلس میں دخول کے وقت۔

نبی ﷺ کے درج ذیل قول سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ

((اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا لَقِیَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَاَخَذَ بِیَدِهٖ مَحَاتَتْ ذُنُوْبُهُمَا كَمَا مَحَاتَتِ الْوَرَقَةُ مِنَ الشَّجَرَةِ الْيَابِسَةِ))[1]

''اگر مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے پھر اس کا ہاتھ (مصافحہ کے لیے) پکڑ لے تو ان دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح خشک درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔''

اس بارے میں سنت کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی جب مجلس میں آئے تو انہیں سلام کہے' اگر وہ کسی اہم بات میں مشغول نہ ہوں تو کلام بھی کرلے اور مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے یا وہاں بیٹھ جائے جہاں وہ اسے بٹھا دیں۔

ملاقات کے وقت مصافحہ کے بجائے معانقہ کرنا

عام طور پر یہ احترام ملاقات کی حرارت اور خوش آمدید کہنے کے لیے ہوتا ہے' عام

[1] [المعجم الکبیر للطبرانی ۲/ ۲۵۶۔ ۶۱۵۰ و سنده صحیح]

لوگ اسے ثواب سمجھتے ہیں' بعض مصنوعی وقار کی وجہ سے یہ عمل کرتے ہیں' حالانکہ ملاقات کے وقت سنت صرف مصافحہ ہے اور معانقہ صرف سفر کے بعد کرنا ہی مسنون ہے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے۔ عامر بن شراحیل الشعبی سے روایت ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مصافحہ کرتے تھے اور جب ان میں سے کوئی سفر سے آتا تو اپنے دوست سے معانقہ کرتا"[1]

لیکن ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ معاذہ العدویہ سے روایت کیا ہے کہ صلہ بن اشیم کے ساتھی جب ان کے پاس آتے تو ایک دوسرے سے معانقہ کرتے تھے۔[2]

ظاہر ہے کہ وہ یہ ملاقات کے وقت کرتے تھے۔ یہ بعض تابعین کا فعل ہے' ان کے علاوہ کسی دوسرے سے مروی نہیں بلکہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثابت شدہ فعل کے خلاف ہے۔

سلام کے وقت جھکنا

یہ ایسی تعظیم کا نشان ہے جو کہ ممنوع ہے اور عام طور پر شان و شوکت اور اقتدار والے لوگوں کے سامنے یہ عمل کیا جاتا ہے' یہ جائز نہیں ہے بلکہ یہ ظالموں کا کمزوروں کے ساتھ ظالمانہ سلوک ہے۔

مشائخ وغیرہ کے پاس جاتے وقت سجدہ یا رکوع کرنا

یہ جھکنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ایسا کام آتش پرست ایرانی اپنے سرداروں کے ساتھ کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو حرام قرار دیا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

---

[1] [حسن' مصنف ابن ابی شیبہ (۵/ ۲۴۸' ح۲۵۷۱۱) اس حدیث سے شعبی رحمہ اللہ نے معانقہ کا جواز ثابت کیا ہے۔]

[2] [صحیح' ایضا' ص۲۴۹' ح۲۵۷۲۵]

((لَوْ صَلُحَ لِبَشَرٍ اَنْ يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عِظَمِ حَقِّهٖ عَلَيْهَا))[1]

''اگر کسی انسان کے لیے جائز ہوتا کہ کسی انسان کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو اس کے عظیم حق کی وجہ سے سجدہ کرے۔''

نووی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ

''سجدہ جو بعض لوگ اپنے مشائخ (استادوں' پیروں وغیرہ) کے سامنے کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا' یہ سخت حرام ہے۔''[2]

ہنسی مذاق اور مزاح کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مار کر مصافحہ کرنا

اس قسم کا ہنسی مذاق اور مزاح عام طور پر شرعی حدود سے خارج اور کسی کے عیب کا اظہار' جھوٹ' باطل اور بہتان وغیرہ کے لیے ہوتا ہے کیونکہ اپنی ہتھیلی کو دوسرے کی ہتھیلی پر مار کر ان چیزوں اور اکاذیب کی تصدیق مقصود ہوتی ہے' یا ایک کو ہنسا کر دوسرے کی ذلت مراد ہوتی ہے' اگر یہ لوگ جانتے ہوتے کہ جھوٹ نامۂ اعمال میں جھوٹ ہی لکھا جاتا ہے تو یہ کام کبھی نہ کرتے۔

دنیا یا تعظیم کے لیے ہاتھ چومنا

یہ مشہور بدعت ہے' خاص طور پر طریقت پرستوں اور غالی صوفیاء کے درمیان اسے مکمل عروج حاصل ہے۔ نیک لوگوں کے ہاتھ چومنا جائز ہے اور سلف صالحین سے یہ عمل ثابت ہے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ''احکام القبل والمعانقہ'' میں بیان کیا ہے لیکن اگر دنیا یا دکھاوے کے لیے ہو تو یہ کبھی جائز نہیں ہے' سلف صالحین سے یہ ثابت نہیں ہے کہ کسی نے اس مقصد کے لیے ایسا کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] [صحیح' مسند احمد (۳/ ۱۵۸) وسندہ صحیح]

[2] [المسائل المنثورہ' جمع علاء الدین بن العطار:۹]

اہل کتاب کی طرح سلام کہنا یا وداع کرنا

اہل کتاب سلام یا مجلس میں دخول کے وقت ''ہاي'' کہتے ہیں' وداع کے وقت ''بای'' ''بائی بائی'' یا ''تشاؤ'' وغیرہ کے الفاظ بولتے ہیں جو ہماری شریعت میں جائز نہیں ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں سلام ہو یا وداع ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہنا ہی مسنون ہے۔

سفر میں جاتے وقت ((اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ)) کہنا ثابت ہے اور اہل کتاب کی مشابہت کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے بلکہ ان کی مخالفت واجب ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ جب طریقہ طریقے سے مل جائے تو دل دل سے مل جاتا ہے اور عقیدہ عقیدے سے مل جاتا ہے اور اگر یہ نہ بھی ہو تو کم از کم یہ ہے کہ اس طرح اہل کتاب کی گمراہی کا اقرار ہے' انکار نہیں۔

سفر میں جانے اور واپس آنے کے وقت اجنبی عورتوں کا بوسہ لینا

یہ بہت بڑا حرام کام ہے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ((وَالْفَمُ يَزْنِیْ فَزِنَاهُ الْقُبَلُ))[1] ''منہ زنا کرتا ہے' منہ کا زنا بوسہ لینا ہے۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''اگر میرے سر میں (بڑی) سوئی داخل ہو جائے حتیٰ کہ میں ٹھنڈا ہو جاؤں یعنی مر جاؤں یہ اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی غیر محرم عورت کا بوسہ لوں۔''

بلکہ ابن ابی یزید القروانی نے امام مالک سے نقل کیا[2] ہے کہ وہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کوئی آدمی اپنی ساس (بیوی کی ماں) کا بوسہ لے حالانکہ وہ حرام رشتوں میں سے ہے۔ امام احمد نے اس بات کو بھی مکروہ سمجھا ہے کہ کوئی آدمی اپنی ماں یا بہن کا بوسہ

---

[1] [اسنادہ صحیح' ابوداؤد' کتاب النکاح' باب فیما یؤمر بہ من غض البصر (۲۱۵۳) واصلہ فی صحیح مسلم (۲۶۵۷/)]

[2] [الجامع' ص: ۱۹۳]

لے الا یہ کہ رحمت اور انتہائی احترام کا جذبہ ہو۔ اس کلام کا تقاضا ہے کہ یہ بوسہ پیشانی پر ہو نہ کہ رخسار پر' لہٰذا اجنبی عورت جس سے نکاح حلال ہے' کا بوسہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے' جس سے شہوت کا امکان واضح ہے۔

❀❀❀

دعا

دعا کے متعلق بدعات اور سنت سے ان کا رد

دعا شرعی عبادت ہے بلکہ اللہ نے اپنے بندوں پر جو عبادات فرض کی ہیں یہ ان میں سے اعلیٰ ترین عبادت ہے'اس میں انکساری' خشوع' فقیری' عاجزی وکمزوری' بہترین توجہ اور مقصد کی وحدانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ دعا مانگیں:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝﴾

(الاعراف:۵۵)

''اپنے رب کو پکارو عاجزی سے' گڑگڑاتے ہوئے اور خفیہ' بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

''جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں پوچھتے ہیں تو (آپ جواب دیں کہ) میں قریب ہوں' دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے اسے قبول کرتا ہوں' بس مجھ سے ہی دعا مانگو اور مجھ پر ایمان لاؤ تا کہ یقیناً ہدایت پا جاؤ۔''

نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

''رب (اللہ تعالیٰ) سے دعا مانگنے سے منہ پھیرنا بڑا جرم ہے۔''

ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا:

((مَنْ لَّمْ يَدْعُ اللّٰهَ غَضِبَ عَلَيْهِ))[1]

---

[1] [حسن' سنن الترمذی' کتاب الدعوات' (۳۳۷۳)و للحدیث شواھد۔ فتح الباری (۱۱/ ۹۷)]

''جو اللہ سے دعا نہیں کرتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے''

اس لیے کہ اللہ سے دعا کرنا عبادت ہے لہٰذا اس سے منہ موڑنا عبادت سے منہ موڑنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))[1]

''دعا ہی عبادت ہے۔''

عبادت جو بھی ہو وہ توقیفی ہوتی ہے' جیسا کہ اس کا بیان کتاب وسنت سے گزر چکا ہے۔ کسی آدمی کے لیے اس میں اضافے یا کمی کی اجازت نہیں ہے اور نہ اس سے منہ پھیرنا جائز ہے' کیونکہ یہ رب سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت ہے' وہ تمام جہانوں سے پوری طرح باخبر ہے' جس نے دین میں کوئی اضافہ کیا' جس پر دلیل نہیں تو یہ اضافہ مردود اور باطل ہے۔

دعا کے سلسلے کی مشہورترین بدعات درج ذیل ہیں۔

غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے دعا مانگنا

یہ بدعت مطلقاً سب سے بری بدعت ہے جو توحید کی بنیاد گراتی اور دین کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے اور رسولوں کو جس کے لیے مبعوث کیا گیا تھا اور جس کے لیے کتابیں نازل کی گئی تھیں یہ اس کے سراسر خلاف اور لوگوں کے عقائد خراب کرنے والی اور عوام کو دھوکے میں مبتلا کرنے والی بدعت ہے۔

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو' یہ بدعت' طریقت پرست (صوفیاء) اور زنادقہ میں عجیب طریقے سے پھیل چکی ہے حتیٰ کہ اس کی بیماری شدت سے سرایت کر چکی ہے اور اس کی مصیبت عام ہو چکی ہے۔ بعض عوام دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ قبر والوں سے رو رو کر اور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں۔ اور بعض دوسرے غیر اللہ کے لیے رکوع اور سجدوں میں پڑے ہوئے امداد اور تعاون مانگ رہے ہوتے ہیں' یاد رکھئے کہ ایسا

---

[1] [صحیح' سنن ابی داؤد' کتاب الصلوٰۃ' باب الدعاء (۱۴۷۹) وصححه الترمذی وابن حبان والحاکم والذهبی]

کرنے والوں کی گمراہی میں کوئی شک نہیں' اور ایسا کرنے والے دنیا اور آخرت میں رسوا ہیں' اور انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا:

﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ○﴾

(الانعام: ۹۴)

''اور آج تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا' ہم نے تمہیں جو (مال و دولت اور اقتدار) دیا تھا وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو' اب تمہارے وہ سفارشی ہمیں نظر نہیں آ رہے ہیں جن کے بارے میں تم بڑا گمان رکھتے تھے کہ وہ تمہارے شریک ہیں تمہیں بچالیں گے' اب تمہارے درمیان جدائی واقع ہو چکی ہے اور جن کے بارے میں تم گمان رکھتے تھے اب وہ تم سے گم ہو چکے ہیں۔''

اگر آپ ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کریں تو وہ کہتے ہیں کہ

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر: ۳)

''ہم تو صرف اس لیے ان کی عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے زیادہ نزدیک کر دیں۔''

ان لوگوں کے دلائل وہی ہیں جو دین حق کے دشمن اور مشرکین کے ہیں۔ والعیاذ باللہ!

ان لوگوں کی بودی اور باطل دلیل کو اللہ نے اپنے عظیم فرمان سے رد کر دیا ہے اور فرما دیا کہ

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ○﴾ (الذاریات: ۵۶)

''میں نے جن اور انسان صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیے ہیں۔''

پس غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں اور نہ اس میں سے کوئی چیز غیر اللہ کے حوالے کی

جاسکتی ہے۔ مطلق طور پر دعا سب سے بڑی بلکہ خاص ترین عبادت ہے' لہٰذا اسے غیر اللہ کی طرف پھیرنا یا اللہ کے ساتھ اس میں کسی کو شریک کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○﴾ (النور: ۵۵)

''اللہ نے تم میں سے ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلافت وحکومت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو اس نے خلافت عطا کی تھی' ان کے اختیار کردہ دین (اسلام) جس پر اللہ راضی ہے کو (دنیا میں) متمکن (اور غالب) کر دے گا' انہیں خوف کے بدلے امن عطا کرے گا' وہ میری عبادت کریں گے' میرے ساتھ ذرہ برابر بھی شرک نہیں کریں گے اور اس دین اسلام کے آنے کے بعد جس نے انکار کیا وہی لوگ فاسق اور کافر ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی صفت خالص اللہ کی عبادت کرنا اور شرک بالکل نہ کرنا بیان کی ہے جنہیں اس نے زمین میں خلیفہ اور غالب بنایا تھا یعنی ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ

''میں سواری پر نبی ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا' میرے اور آپ کے درمیان صرف کجاوے کی لکڑی تھی' آپ ﷺ نے فرمایا ''اے معاذ بن جبل!'' میں نے کہا: ''لبيك يا رسول الله وسعديك'' (اے اللہ کے رسول! حاضر ہوں اور آپ کی خوشی چاہتا ہوں) اس کے بعد آپ نے کچھ دیر سفر جاری رکھا پھر فرمایا ''اے معاذ بن جبل!'' میں نے کہا ''لبيك يارسول الله وسعديك'' پھر آپ نے کچھ دیر سفر جاری رکھا' پھر فرمایا ''اے معاذ

بن جبل!'' میں نے کہا ''لبيك يا رسول الله و سعديك'' آپ نے فرمایا: ''کیا تجھے پتہ ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟'' میں نے کہا ''اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ صرف اس کی عبادت کریں' اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں' پھر آپ نے کچھ دیر سفر کیا' پھر فرمایا: ''اے معاذ بن جبل!'' میں نے کہا: ''لبيك يا رسول الله وسعديك'' فرمایا: ''کیا تجھے پتہ ہے کہ بندے اگر یہ کرلیں تو ان کا اللہ پر کیا حق ہے؟'' میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔''[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''یہ بات ضروریات دین میں سے ہے اور اس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ کسی بندے کے لیے اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت یا اس سے دعا مانگنا اور مدد مانگنا اور اعتماد کرنا جائز نہیں ہے' جس نے کسی مقرب فرشتے یا نبی ورسول کی عبادت کی یا مصیبت میں مافوق الاسباب سے پکارا یا اس سے مدد مانگی تو وہ شخص مشرک ہے۔ کسی مسلمان کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی یہ کہے' یا جبرائیل' یا میکائیل' یا ابراہیم' یا موسیٰ' یا رسول اللہ! میرے گناہ معاف کرو' مجھ پر رحم کرو' مجھے رزق دو' میری مدد کرو' مجھے مصیبت سے نکالو' مجھے میرے دشمن سے بچاؤ وغیرہ یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے' یہ سب الوہیت کے خاصے ہیں (یعنی اللہ کے ساتھ ہی خاص ہیں)۔''

(مجموع الفتاویٰ: ۳/ ۲۷۲)

اس کلام کی تائید کتاب وسنت کی نصوص سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ○﴾ (الشعراء: ۲۱۳)

---

[1] [صحيح البخاري' كتاب اللباس' باب ارداف الرجل خلف الرجل (۵۹۶۷) صحيح مسلم' كتاب الايمان' باب الدليل على ان من مات على التوحيد دخل الجنة.. (۳۰) واللفظ له]

''اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ (معبود) کو نہ پکارو ورنہ ان لوگوں میں شامل کر دیے جاؤ گے جنہیں عذاب دیا جائے گا۔''

اور فرمایا کہ

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ○ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ○ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ○ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ○ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ○﴾ (الجن:۱۸۔۲۲)

''اور تمام مسجدیں (صرف) اللہ کے لیے ہی ہیں' پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو جب اللہ کا بندہ (نمازی صرف) اسے پکارنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس سے (غصے میں) لپٹ جاتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کہہ دو کہ میں تمہارے لیے نفع یا نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ کہہ دو کہ مجھے اللہ سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور اس کے علاوہ میرے لیے کوئی دوسری پناہ گاہ نہیں ہے۔''

ایک اور مقام پر اللہ عزوجل نے فرمایا کہ

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

(التوبہ:۳۱)

''ان لوگوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی' حالانکہ انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک الٰہ (معبود) کی ہی عبادت کریں' اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں' پاک ہے وہ اس سے جو یہ شرک کر رہے ہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا کہ

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البینہ:۵)

''اور انہیں اس کے علاوہ کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ صرف یکسو ہو کر خالص اللہ کی عبادت کریں۔''

اس بارے میں بہت سی آیات ہیں۔ سنت میں بھی بہت سے دلائل ہیں' حدیث معاذ رضی اللہ عنہ تو ابھی گزری ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))[1] ''دعا ہی عبادت ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((لَاتَطْرُوْنِیْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْيَمَ' اِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا: عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ))[2]

''جس طرح عیسائیوں نے ابن مریم علیہ السلام کو حد سے بڑھا دیا تم مجھے حد سے نہ بڑھانا' میں اللہ کا بندہ ہوں' بس کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

((لَاتَجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قُبُوْرًا' وَلَاتَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا))[3]

''اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو عید گاہ اور میلہ نہ بنانا۔''

ایک روایت میں ہے کہ

((اَللّٰهُمَّ لَاتَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا' لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاۗءِ هِمْ مَسَاجِدَ))[4]

''اے اللہ! میری قبر کو وثن (بت' معبود) نہ بنانا' اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔''

---

[1] [صحیح' سنن ابی داؤد (۱۴۷۹)]

[2] [صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب قول الله تعالیٰ: واذکر فی الکتاب مریم (۳۴۴۵)]

[3] [حسن' سنن ابی داؤد' کتاب المناسك' باب زیارة القبور (۲۰۴۲)]

[4] [حسن' مسند الحمیدی۔ ۱۰۳۱' بیهقی' مسند احمد ۲/ ۲۴۶]

پس آپ ﷺ نے شرک اور اس کے اسباب مثلاً اپنی قبر کی تعظیم وغیرہ سے منع فرمایا۔ علامہ الصنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص کسی درخت' پتھر' قبر' فرشتے' جن' زندہ یا مردہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ نفع یا نقصان دیتا ہے یا اللہ کے قریب لے جاتا ہے یا دنیا کی ضرورتوں میں اللہ کے ہاں سفارش کر سکتا ہے یا اللہ کے ہاں وسیلہ ہے۔ سوائے اس حدیث کے جس کی سند میں کلام ہے اور ہمارے نبی محمد ﷺ کے بارے میں وارد ہوئی ہے وغیرہ تو اس شخص نے اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک بنالیا ہے اور ایسا عقیدہ رکھا ہے کہ جو حلال نہیں ہے جیسا کہ مشرکین بتوں کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ جو اپنا مال یا اولاد کسی میت یا زندہ کے لیے نذر کر دے یا اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں ان سے وہ مانگے جو صرف اللہ سے مانگا جاتا ہے' مثلاً مرض کی شفاء وغیرہ یا غائب کا آنا' کوئی مطلب طلب کرنا' یہ بعینہٖ وہی شرک ہے جو بتوں کی عبادت کرنے والے کرتے ہیں۔'' (تطهير الاعتقاد: ص۲۹)

شوکانی رحمہ اللہ نے کہا کہ ''میری قبر کو عید (میلہ) نہ بناؤ یعنی ایسا موسم جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں جیسا کہ بہت سے قبروں کی عبادت کرنے والے' کرتے ہیں۔ جن مُردوں کے بارے میں وہ عقیدت رکھتے ہیں ان کے بارے میں مخصوص اوقات مقرر کر کے ان کی قبروں پر جمع ہوتے ہیں' ان کے لیے قربانیاں کرتے اور ان کی قبروں پر اعتکاف کرتے ہیں' جیسا کہ ہر آدمی کو ان ذلیل لوگوں کے اعمال معلوم ہیں' جنہوں نے اپنے خالق (اللہ) کی عبادت کو ترک کر دیا ہے' جو رزق دیتا ہے پھر موت بھیجتا ہے پھر زندہ کرے گا۔ یہ لوگ اللہ کے بندوں میں سے ایسے بندے کی عبادت کر رہے ہیں جو مٹی کی تہوں میں جا (کر چھپ) چکا ہے' وہ بے چارہ نہ اپنے آپ کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ اپنے آپ کو نقصان سے بچا سکتا ہے۔'' (شرح الصدور: ص۱۵)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرک کرنے والوں کے شرک سے بے

نیاز ہوں۔ جس نے ایسا کام کیا میرے ساتھ کسی کو شریک بنا ڈالا تو میں اسے اور اس کے شریک (بشرطیکہ وہ اپنی عبادت پر راضی ہو) کو جہنم میں چھوڑ دوں گا۔"[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ

''ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصاریوں کے ایک باغ میں تشریف لے گئے' دیکھا کہ اس میں دو اونٹ ہیں جو (زمین پر قدم) مار رہے ہیں اور (غصے سے) کانپ رہے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب ہوئے تو انہوں نے آپ کے سامنے زمین پر اپنی گردنیں رکھ دیں تو آپ کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ انہوں نے آپ کو سجدہ کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((مَایَنۡبَغِیۡ لِاَحَدٍ اَنۡ یَّسۡجُدَ لِاَحَدٍ وَلَوۡکَانَ اَحَدٌ یَنۡبَغِیۡ اَنۡ یَّسۡجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرۡتُ لِامۡرَأَةٍ اَنۡ تَسۡجُدَ لِزَوۡجِهَا لِمَا عَظَّمَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا مِنۡ حَقِّهٖ))[2]

''کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوسرے شخص کو سجدہ کرے اور اگر کسی دوسرے کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیونکہ اس پر اللہ نے اس کے خاوند کا بڑا حق لازم کیا ہے۔''

سجدے صرف خالق واحد' اللہ سبحانہ کے لیے ہی ہیں' یہ الوہیت وعبادت کا اعلیٰ ترین اظہار ہیں۔ لہٰذا یہ صرف اللہ کے لیے ہی جائز ہیں۔ اس لیے اللہ نے سجدوں کو قبولیت دعا کے ساتھ مختص فرمایا ہے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] [صحیح مسلم' کتاب الزھد' باب فضل الانفاق علی المساکین وابن السبیل (۲۹۸۵)]

[2] [حسن' جامع الترمذی' کتاب الرضاع' باب ماجاء فی حق الزوج علی المرآة(۱۱۵۹)صحیح ابن حبان (موارد الظمان: ۱۲۹۱)وله شواهد]

((اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَکْثِرُوْا الدُّعَاءَ))[1]

''سجدے کی حالت میں آدمی اللہ کے نزدیک ترین ہوتا ہے لہٰذا سجدوں میں بہت زیادہ دعا کرو۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِی الدُّعَاءِ فَقَمَنٌ اَنْ یُّسْتَجَابَ لَکُمْ))[2]

''سجدوں میں خوب محنت سے دعا کرو یہ اس کے مناسب اور مستحق ہیں کہ تمہاری دعا قبول کر لی جائے''

قتیلہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت (صحابیہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ

''ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا' تم اللہ کے شریک بناتے ہو' تم شرک کرتے ہو' تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور تم (یعنی رسول اللہ) چاہو اور تم کعبہ کی قسم اٹھاتے ہو' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ جب قسم اٹھائیں تو کعبہ کے رب کی قسم اٹھائیں اور کہیں جو اللہ چاہے' پھر جو تم چاہو۔''[3]

دعا میں وسیلہ پکڑنا' اس کی بدعات اور سنتیں

دعا کی قبیح ترین بدعات میں سے دعا میں اللہ کے سامنے بعض مخلوق کا وسیلہ پکڑنا اگرچہ یہ پہلی قسم سے کچھ کم ہے' مثلاً کسی نبی' نیک انسان یا فرشتہ وغیرہ کے ذریعے توسل پکڑنا یہ بدعت لوگوں کے درمیان پھیل چکی ہے' بلکہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو آدمی اللہ کے دربار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ نہیں پکڑتا تو وہ ظالم حق کا منکر اور سنت کا مخالف ہے۔

---

[1] [صحیح مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب مایقال فی الرکوع والسجود (۴۸۲)]

[2] [صحیح مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب النھی عن قرآۃ القرآن فی الرکوع والسجود (۴۷۹)]

[3] [صحیح' سنن نسائی' کتاب الایمان' باب الحلف بالکعبۃ (۳۸۰۴)]

ایسے لوگوں سے ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اس طرح نہیں ہوتی اور نہ اس کا نام محبت ہے' اتباع تو آپ ﷺ کی سنت پر عمل اور آپ کے احکام کی اطاعت کا نام ہے' آپ ﷺ نے ہمیں اپنی تعظیم میں اس درجے کا مبالغہ کرنے سے منع کیا ہے جو کہ شرک اور نافرمانی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

''جس طرح عیسائیوں نے ابن مریم علیہ السلام کو حد سے بڑھادیا' اس طرح تم مجھے حد سے نہ بڑھانا' میں صرف اللہ کا بندہ ہوں' بس کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔''

کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے کبھی اللہ کے دربار میں نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑا ہو اور نہ کسی قابل عمل حدیث میں اس کا جواز مروی ہے۔

زیادہ سے زیادہ ایک اثر ہے جو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کا (وسیلہ پرست) لوگوں نے محقق علماء کے سراسر خلاف دوسرا مفہوم گھڑ لیا ہے یا پھر اس کے جواز میں ایک ضعیف حدیث مروی ہے' اس پر کلام عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

اور وسیلہ عبادت ہے جو اللہ کا قرب تلاش کرنے کا نام ہے اور عبادت صرف وہی مقبول ہے جو خالص اللہ کے لیے ہو اور قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ تمام عبادات توقیفی ہیں اور ان کا دارومدار کتاب وسنت پر ہی ہے' جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

''ہر وہ عمل جس پر ہماری دلیل نہیں تو وہ مردود ہے۔''[1]

یعنی باطل ہے۔ اس طرح توسل کی دو قسمیں بن جاتی ہیں' مسنون توسل اور ممنوع توسل۔

مسنون توسل وہی ہے جس کا جواز شریعت سے ثابت ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں:

---

[1] [بخاری' کتاب الصلح' باب اذا اصطلحوا علی الصلح بدر فالصلح مردور (۲۶۹۷)]

پہلی قسم' نیک اعمال کے ذریعے توسل پکڑنا

اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''پہلے زمانے میں تین آدمی جارہے تھے کہ بارش آگئی' انہوں نے ایک غار میں پناہ لی غار کے دہانے پر ایک پتھر گرا اور اس نے دروازہ بند کردیا۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے' اللہ کی قسم! بے شک اے ساتھیو! تمہیں صرف سچ ہی بچا سکے گا' ہر آدمی اپنے علم کے مطابق سچی بات کے ساتھ دعا مانگے۔ ایک نے کہا' اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرا ایک مزدور تھا' جس نے میرے پاس چاول کے ایک ٹوکرے کے بدلے مزدوری کی' پھر وہ کسی وجہ سے چلا گیا اور اپنی مزدوری چھوڑ گیا تو میں نے یہ ٹوکرا لیا اور اس سے زراعت کی (تو اتنی برکت ہوئی کہ) میں نے اس سے گائیں خرید لیں' پھر یہ مزدور آیا اور اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا' میں نے کہا' یہ گائیں لے جاؤ' وہ کہنے لگا کہ میرا تو صرف ایک ٹوکرا چاولوں کا آپ کے پاس ہے' میں نے کہا یہ گائیں لے جاؤ یہ اسی ٹوکرے میں سے ہیں' پھر وہ ساری گائیں ہانک کر لے گیا اور بے شک تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف سے کیا تھا' لہٰذا ہماری مصیبت دور کردے۔ پس تھوڑا سا پتھر سرک گیا۔

دوسرے نے کہا' اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے' میں ہر رات اپنی بکریوں کا دودھ لے کر ان کے پاس آتا تھا اور ایک رات میں کسی وجہ سے لیٹ ہوگیا' جب میں آیا تو وہ دونوں سو چکے تھے اور وہاں سے کچھ دور میرے گھر والے بھوک سے بلک بلک کر رو رہے تھے' میں اپنے گھر والوں کو اس وقت تک دودھ نہیں پلاتا تھا جب تک میرے ماں باپ پی نہ لیتے' میں نے والدین کو جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا اور انہیں چھوڑ کر جانا بھی پسند نہیں تھا کہ کہیں دودھ نہ پینے کی وجہ سے کمزور نہ ہوجائیں اور میں اسی حالت میں تھا کہ صبح ہوگئی' اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف سے کیا تھا لہٰذا ہماری مصیبت دور کردے۔ پتھر تھوڑا سا اور کھسک گیا حتیٰ کہ (غار

کے دہانے سے) آسمان نظر آنے لگا۔

تیسرے نے کہا' اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ اپنے چچا کی لڑکی سے محبت تھی' میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے انکار کردیا' بعد میں کسی شدید ضرورت کی وجہ سے اس نے ایک سو دینار کے بدلے میری خواہش پوری کرنے کی ہامی بھرلی' میں نے خوب کوشش کی' سو دینار جمع کر کے اس کے حوالے کیے تو اس نے اپنا آپ میرے حوالے کردیا اور جب میں اس کی ٹانگوں کے قریب ہوا تو وہ کہنے لگی' اللہ سے ڈر' مہر کو اس کے حق (یعنی شادی) کے بغیر نہ توڑ' چنانچہ میں اٹھ کھڑا ہوا' اور سو دینار بھی اس کے پاس چھوڑ دیے۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف سے کیا تھا' لہٰذا ہماری یہ مصیبت دور کردے۔

اللہ نے ان کی مصیبت دور کردی' پتھر ہٹ گیا اور وہ وہاں سے نکل کر چل دیے۔[1]

پس آپ کی حدیث ''ان میں سے بعض نے بعض (یعنی ایک دوسرے) سے کہا' بے شک اے ساتھیو! تمہیں (آج) سچ ہی بچا سکے گا' ہر آدمی اپنے علم کے مطابق سچی بات کے ساتھ دعا مانگے'' میں اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا میں اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنایا تھا جو کہ شرعاً جائز ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس ذریعے ان کی دعا قبول فرمالی اور نبی ﷺ نے پہلی امتوں کا یہ واقعہ بغیر کسی انکار کے بیان کیا ہے۔

دوسری قسم' زندہ نیک لوگوں کی دعا سے توسل پکڑنا

اس کی دلیل انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگ قحط میں مبتلا ہوگئے۔ ایک دن نبی ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر کہا' اے اللہ کے

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب حدیث الغار (۳۴۶۵) صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء باب قصة أصحاب الغار الثلاثة(۲۷۴۳)]

رسول ﷺ! ہمارے مال مویشی تباہ ہوگئے' گھر والے بھوکے ہوگئے' آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا کریں؟ تو آپ نے ہاتھ اٹھالیے۔ اور اس وقت تک آسمان میں بادل کی کوئی ٹکڑی تک نہ تھی' پس اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے' آپ نے اپنے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ پہاڑوں جیسے بڑے بڑے بادل آگئے' پھر آپ ابھی منبر سے اترے ہی نہیں تھے کہ میں نے دیکھا بارش کا پانی آپ ﷺ کی داڑھی مبارک سے ٹپک رہا تھا۔ اس دن اور اس دن سے لے کر آئندہ جمعہ تک لگاتار بارش ہوتی رہی۔ وہی اعرابی یا دوسرا شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا' اے اللہ کے رسول ﷺ! مکان گرنے لگے اور مال غرق ہونے لگا ہے' اللہ سے دعا کریں کہ یہ بارش ٹل جائے؟ تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا))

''اے اللہ! ہمارے اردگرد برسا ہمارے اوپر نہ برسا۔''

آپ ہاتھ کے ساتھ بادلوں کی طرف اشارہ فرما رہے تھے اور بادل پھٹ رہے (دور دور ہو رہے) تھے' مدینہ ایک جزیرے کی ٹکیہ کی طرح ہوگیا اور جبکہ وادی قنات ایک مہینہ تک بہتی رہی اور اردگرد سے جو بھی آتا شدید بارشوں کی ہی خبر دیتا تھا۔''[1]

صحابہ کے زمانے میں اس پر عمل جاری رہا۔ پھر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر دعائے استسقاء مانگی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بے شک عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب قحط ہوتا تو عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے ساتھ دعائے استسقاء مانگا کرتے تھے۔ فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا' وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ

[1] [صحيح البخاري' كتاب الجمعة' باب الاستسقاء فى الخطبة يوم الجمعة (۹۳۳) صحيح مسلم' كتاب صلاة الاستسقاء' باب الدعاء فى الاستسقاء (۸۹۷)]

بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا))[1]

''اے اللہ! ہم اپنے نبی کی دعا کے وسیلے تجھ سے پانی مانگتے تھے تو تو ہمیں بارش برسا کر پانی پلا دیتا تھا اور آج ہم تیرے دربار میں اپنے نبی کے چچا کی دعا کے وسیلے سے حاضر ہیں' ہمیں پانی پلا'' تو اللہ انہیں بارش کے ذریعے پانی پلا دیتا تھا۔''

اس بات کو بدعتیوں کی ایک جماعت نے ذات کے ساتھ وسیلے کی دلیل بنالیا اور یہ اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ یہ بدعتی لوگ عربی زبان اور دلالت الفاظ سے سراسر جاہل ہیں۔ آپ اس اثر میں دیکھیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اللہ سے آپ کی ذات کے وسیلے سے سوال نہیں کیا۔ اگر یہ صحابہ کے نزدیک جائز ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ اس سے کبھی بھی پیچھے نہ رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر آپ کے چچا کو کبھی بھی مقدم نہ کرتے۔ یہ اثر بذات خود سب سے بڑی دلیل ہے کہ ذات وشخصیت کا توسل جائز نہیں ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ جائز نہیں ہے تو دیگر انبیاء' صالحین اور اولیاء کے حق میں بدرجہ اولیٰ باطل ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ اس اثر میں توسل کا مطلب دعا ہے نہ کہ ذات اور شخصیت کا واسطہ دینا اور اس کی دلیل وہ روایت بھی ہے جسے حافظ ابن حجر العسقلانی نے فتح الباری (۲/ ۵۷۷) میں ذکر کیا ہے:

''زبیر بن بکار نے ''الانساب'' میں اس واقعہ میں عباس رضی اللہ عنہ کی دعا اور وقت کا بیان لکھا ہے' اس نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے دعائے استسقاء مانگی تو (عباس نے) فرمایا'' اے اللہ! مصیبتیں صرف گناہوں کی وجہ سے ہی نازل ہوتی ہیں اور صرف توبہ سے ہی دور ہوتی ہیں' یہ قوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرے مقام یعنی نزدیک ترین رشتے کی وجہ سے تیری طرف متوجہ ہے' ہمارے گناہ آلود ہاتھ تیرے دربار میں دعا کے لیے بلند اور پیشانیاں توبہ سے جھکی ہوئی ہیں۔ پس ہمارے لیے بارش

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب الاستسقاء' باب سوال الناس الامام الاستسقاء (۱۰۱۰' ۳۷۱۰)]

نازل فرما۔" تو آسمان پر پہاڑوں جیسے بادل آکر خوب برسے حتیٰ کہ زمین سرسبز وشاداب ہوگئی اور لوگ عیش وعشرت کے مزے لوٹنے لگے۔"

اس روایت کی تائید عبدالرزاق (۹۲/۳) کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ ابن عباس نے کہا' عمر نے نماز استسقاء عیدگاہ میں پڑھی تھی پھر عباس کو کہا تھا' اٹھو اور دعائے استسقاء مانگو تو عباس رضی اللہ عنہ اٹھے اور دعا فرمائی اور اس میں دوسری دعا مذکور ہے مگر اس روایت کی سند سخت ضعیف ہے' اس کا راوی ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی ہے جو کہ سخت ضعیف ہے۔

اس باب میں بعض اہل بدعت بالکل ساقط اور مردود روایات نیک لوگوں کی ذات کے توسل کے جواز کے لیے پیش کرتے ہیں' ان میں سے وہ دعا بھی ہے جسے طبرانی نے کتاب الدعاء (۲۲/۱) میں زبیر بن بکار کی سند سے روایت کیا ہے کہ

"ہمیں ساعدہ بن عبداللہ نے حدیث سنائی داؤد بن عطاء سے' اس نے زید بن اسلم سے' اس نے ابن عمر سے' اس نے کہا: "رمادہ[1] والے سال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عباس بن عبدالمطلب کو لے کر استسقاء کے لیے نکلے تو فرمایا' اے اللہ! یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہے' ہم اس کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہیں ہمیں پانی پلا اور زیادہ دیر نہیں گزری کہ اللہ تعالیٰ نے بارش برسا دی تو عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا' اے لوگو! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عباس رضی اللہ عنہ کا ایسا احترام کرتے تھے جیسا کہ ایک لڑکا اپنے باپ کا احترام کرتا ہے' بہت عزت و تعظیم سے پیش آتے تھے' لوگو! تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عزت و تعظیم کرو اور اسے مصیبتوں میں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناؤ۔"

اس اثر کی سند بہت زیادہ ضعیف ہے' اس کا دارومدار ابن عطاء راوی پر ہے جو کہ متروک تھا۔ احمد نے کہا کچھ چیز نہیں ہے۔ بخاری اور ابو زرعہ نے کہا' منکر احادیث

---

[1] [یعنی راکھ کا سال' اس سال زمین قحط کی شدت کی وجہ سے راکھ کی طرح ہوگئی تھی۔]

بیان کرتا تھا اور دارقطنی نے کہا' متروک ہے۔

البلاذری نے ہشام بن سعد عن زید بن اسلم کی سند سے یہ اثر بیان کیا ہے' اس میں ''عن ابن عمر'' کے بدلے ''عن ابیہ'' کے الفاظ ہیں۔(فتح الباری: ۲/ ۵۷۷)

یہ سند ہشام بن سعد کی وجہ سے ضعیف[1] ہے' ہشام ضعیف تھا۔ ابن معین نے کہا کچھ چیز نہیں ہے' اسے دوسرے علماء نے بھی ضعیف قرار دیا ہے (مگر جمہور نے ثقہ و صدوق کہا ہے) اور یہ اثر منکر اور مضطرب ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اور اگر یہ خبر صحیح ہوتی تو اسی پر محمول ہوتی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اس پر دلیل عمر رضی اللہ عنہ کا (بشرط صحت) یہ قول بھی ہے: ''اور اسے مصیبتوں میں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناؤ۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بلند مقام کی وجہ سے زندگی میں دعا کا وسیلہ بناؤ' یہاں پر موت سے بعد والا وسیلہ مراد نہیں ہے' کیونکہ اگر یہ جائز ہوتا تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ بنانا بطریق اولیٰ جائز ہوتا۔ پس اگر یہ زندگی کے ساتھ مختص ہے تو پھر ذات و شخصیت کا وسیلہ بنانا صحیح نہیں۔ اور اگر ذات و شخصیت کا وسیلہ جائز ہے تو اس میں زندگی اور موت کا کوئی فرق نہیں۔ میت تو ایسی دوسری (برزخی) زندگی میں رہتی ہے جس میں ہم نہیں رہتے' اس کی فضیلت اور تقدم باقی رہتا ہے۔ لہٰذا بطریق الزام بہتر یہی تھا کہ آپ کی ذات کا وسیلہ بنایا جاتا لیکن جب یہ ثابت ہوگیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی ذات کا وسیلہ نہیں پکڑا بلکہ حکم دیا تو وہ اپنی دعا سے اللہ کا وسیلہ پکڑا نہ کہ ذات و شخصیت سے۔

یہ بات اس اعرابی کی حدیث سے بھی ظاہر ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خشک سالی اور پانی کی قلت کی شکایت کی تھی تو صحابہ نے اللہ کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا وسیلہ پیش کیا تھا۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ والے اثر کا مطلب عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا توسل ہوتا تو نماز استسقاء کے لیے عباس کو لانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی' کیونکہ اس حالت میں ان کا حاضر یا غائب ہونا ایک برابر ہے تو لہٰذا ثابت ہوا کہ انہوں نے عباس کی دعا کا وسیلہ

---

[1] [ہشام کے بارے میں صحیح تحقیق یہ ہے کہ صدوق اور حسن الحدیث تھا]

بیان کرتا تھا اور دارقطنی نے کہا' متروک ہے۔

البلاذری نے ہشام بن سعد عن زید بن اسلم کی سند سے یہ اثر بیان کیا ہے' اس میں ''عن ابن عمر'' کے بدلے ''عن ابیہ'' کے الفاظ ہیں۔(فتح الباری: ۲/ ۵۷۷)

یہ سند ہشام بن سعد کی وجہ سے ضعیف[1] ہے' ہشام ضعیف تھا۔ ابن معین نے کہا کچھ چیز نہیں ہے' اسے دوسرے علماء نے بھی ضعیف قرار دیا ہے (مگر جمہور نے ثقہ و صدوق کہا ہے) اور یہ اثر منکر اور مضطرب ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اور اگر یہ خبر صحیح ہوتی تو اسی پر محمول ہوتی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اس پر دلیل عمر رضی اللہ عنہ کا (بشرط صحت) یہ قول بھی ہے: ''اور اسے مصیبتوں میں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناؤ۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بلند مقام کی وجہ سے زندگی میں دعا کا وسیلہ بناؤ' یہاں پر موت سے بعد والا وسیلہ مراد نہیں ہے' کیونکہ اگر یہ جائز ہوتا تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ بنانا بطریق اولیٰ جائز ہوتا۔ پس اگر یہ زندگی کے ساتھ مختص ہے تو پھر ذات و شخصیت کا وسیلہ بنانا صحیح نہیں۔ اور اگر ذات و شخصیت کا وسیلہ جائز ہے تو اس میں زندگی اور موت کا کوئی فرق نہیں۔ میت تو ایسی دوسری (برزخی) زندگی میں رہتی ہے جس میں ہم نہیں رہتے' اس کی فضیلت اور تقدم باقی رہتا ہے۔ لہٰذا بطریق الزام بہتر یہی تھا کہ آپ کی ذات کا وسیلہ بنایا جاتا لیکن جب یہ ثابت ہوگیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی ذات کا وسیلہ نہیں پکڑا بلکہ حکم دیا تو وہ اپنی دعا سے اللہ کا وسیلہ پکڑا نہ کہ ذات و شخصیت سے۔

یہ بات اس اعرابی کی حدیث سے بھی ظاہر ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خشک سالی اور پانی کی قلت کی شکایت کی تھی تو صحابہ نے اللہ کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا وسیلہ پیش کیا تھا۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ والے اثر کا مطلب عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا توسل ہوتا تو نماز استسقاء کے لیے عباس کو لانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی' کیونکہ اس حالت میں ان کا حاضر یا غائب ہونا ایک برابر ہے تو لہٰذا ثابت ہوا کہ انہوں نے عباس کی دعا کا وسیلہ

---

[1] [ہشام کے بارے میں صحیح تحقیق یہ ہے کہ صدوق اور حسن الحدیث تھا]

کی تھی تو نبی ﷺ نے اس کی درخواست قبول کر لی اور اسے حکم دیا کہ وضو کر اور مذکورہ دعا مانگ۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ

((اِنِّی تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتَقْضِیَ لِیْ))

''میں اس ضرورت میں آپ کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں تاکہ میری یہ ضرورت پوری ہو جائے۔''

یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے دعا مانگنے کی درخواست کی تھی اگرچہ یہ بات اس روایت میں صاف طور پر لکھی ہوئی نہیں ہے مگر سیاق حدیث سے صاف ظاہر ہوتی ہے' پھر اس کا یہ قول کہ

((اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ))

''اے اللہ! میرے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی سفارش قبول کر۔''

یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے دعا کی درخواست کی تھی اور آپ ﷺ نے دعا مانگی تھی۔

ابن منظور النحوی نے کہا کہ

''مبرد اور ثعلب' لغت کے دو ماہروں سے مروی ہے کہ آیت باری تعالیٰ:

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾

''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے دربار میں شفاعت کرے گا؟''

اس آیت میں شفاعت سے مراد دعا ہے اور شفاعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شفاعت یا سفارش کرنے والا بادشاہ کے سامنے کسی آدمی کی ضرورت کے لیے درخواست کرتا ہے یعنی مانگتا ہے۔'' (لسان العرب: ۴/ ۲۲۸۹)

اس کی تائید قیامت کے دن شفاعت والی حدیث سے بھی ہوتی ہے' تمام بنی آدم' آدم علیہ السلام کے پاس اللہ کے دربار میں شفاعت و سفارش کے لیے جائیں گے' حتیٰ کہ تمام بنی آدم' نبی ﷺ کے پاس جا کر شفاعت کا سوال کریں گے اور آپ ﷺ اللہ

کے دربار میں ان کی شفاعت کریں گے اور دعا مانگیں گے۔ پس دعا اور مطلوب کی درخواست کے بغیر شفاعت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور یہ چیز ان لوگوں پر رد ہے جو ذات کے وسیلے کے قائل ہیں۔

دوسری حدیث

جسے امام دارمی نے ''السنن'' (۹۲) میں "حدثنا ابو النعمان حدثنا سعید بن زید حدثنا عمروبن مالك النكری حدثنا ابوالجوزاء اوس بن عبدالله '' کی سند سے روایت کیا ہے کہ مدینے میں شدید قحط پڑا تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی' انہوں نے فرمایا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر دیکھو پھر اس پر (چھت میں سے) آسمان کی طرف ایک سوراخ کردو تا کہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حائل نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو خوب بارش ہوئی حتیٰ کہ بہت زیادہ گھاس پیدا ہوئی اور اونٹ موٹے تازے ہوگئے اور چربی اتنی عام ہوئی کہ اسے چربی کا سال کہا جاتا ہے۔

جو لوگ مُردوں کے ساتھ اللہ کے سامنے توسل کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں' حالانکہ ضعیف سند کی وجہ سے اس میں کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔

اس کا راوی عمرو بن مالک النکری صاحب غرائب و مناکیر تھا' اسے ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا ''اس کی روایت اُس وقت معتبر ہے جب کہ اس کا شاگرد اس کا بیٹا نہ ہو (کیونکہ) یہ غلطیاں بھی کرتا تھا اور غرائب بھی بیان کرتا تھا۔'' جس راوی کی یہ حالت ہو اس کا کسی روایت میں منفرد ہونا مقبول نہیں ہوتا (اس راوی کو جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے)

اس کا شاگرد سعید بن زید اسی جیسا یا اس سے بھی زیادہ ضعیف[1] ہے۔ اسے یحییٰ بن سعید نے سخت ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم اور نسائی نے کہا' قوی نہیں تھا۔ الجوزجانی نے کہا' وہ اس کی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور یہ حجت نہیں ہے۔ البزار نے کہا' کمزور ہے۔ وہ اس روایت کے ساتھ منفرد ہے' لہٰذا یہ روایت مردود و ناقابل حجت ہے۔

---

[1] [راجح یہی ہے کہ سعید بن زید حسن الحدیث ہے۔]

اسی طرح اس سے ابو النعمان محمد بن الفضل عارم کا تفرد ہے جو کہ ثقہ حافظ تھا مگر آخری عمر میں سخت اختلاط کا شکار ہوگیا تھا اور یہ معلوم نہیں کہ آیا یہ روایت اس نے اختلاط سے پہلے بیان کی ہے یا بعد میں۔[1]

اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو عائشہ رضی اللہ عنہا اسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط والے سال ہرگز نہ چھپاتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عباس کی تقدیم پر کبھی سکوت نہ فرماتیں۔

اگر کہا جائے کہ یہ روایت اس کی دلیل ہے کہ مفضول افضل کی موجودگی میں مقدم ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے عمر بن خطاب سے جو ضعیف و منکر روایت بطور حجت بیان کی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تھا کہ اسے اپنی زندگی میں اختیار کرو اور سنت بناؤ' اور لوگوں سے کہا کہ ''اسے اپنی مصیبتوں میں اللہ کے سامنے وسیلہ بناؤ'' تو اس سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے۔

تیسری قسم اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا وسیلہ

اللہ تعالیٰ کے بہترین ناموں اور صفات عالیہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا۔ حقیقت میں اللہ کا ہی وسیلہ پکڑنا ہے۔ جس کے جواز کی دلیل کتاب وسنت میں موجود ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف:۸۰)

''اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں ان کے ساتھ اسے پکارو۔''

بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا کہ

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ))

---

[1] [حق یہی ہے کہ اختلاط کے بعد عارم کی کوئی منکر حدیث بیان نہیں کی گئی جیسا کہ دارقطنی وذہبی نے کہا ہے' لہٰذا اس پر اختلاط کی جرح مردود ہے۔]

''اے اللہ! میں تجھ سے سوالی ہوں بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے علاوہ دوسرا کوئی الٰہ نہیں' تو ایک ہے' بے نیاز ہے' تو نہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ تجھ سے کوئی پیدا ہوا اور اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔''

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

((لَقَدْ سَأَلْتَ اللّٰهَ بِالِاسْمِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰی وَاِذَ ادُعِیَ بِهٖ اَجَابَ))[1]

''تو نے اللہ سے ایسے نام کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جب اس سے اس کے ذریعے سوال کیا جائے وہ عطا کرتا ہے اور جب دعا مانگی جائے تو قبول کرتا ہے۔''

آپ ﷺ نے ایک دوسرے شخص کو یہ کہتے سنا کہ

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ' بَدِیْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ' یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ' یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ))

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تیرے لیے ہی ہر حمد ہے' تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں' تو ہی احسان کرنے والا ہے' آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا تو ہی ہے' بزرگی اور جلالت کا مالک تو ہی ہے' اے زندہ وجاوید! اے قائم (اور قائم) رکھنے والے!''

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

((لَقَدْ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْعَظِیْمِ الَّذِی اِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ' وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰی)) [2]

''اس نے اللہ کے ایسے عظیم نام سے دعا کی ہے جس کے ذریعے اگر دعا کی

---

[1] [صحیح' ابو داؤد' کتاب الصلوٰۃ' باب الدعاء (۱۴۹۳'۱۴۹۴) الترمذی (۳۴۷۵) وغیرهما]

[2] [صحیح' ابو داؤد' کتاب الصلوٰۃ' باب الدعاء (۱۴۹۵) اسے ابن حبان' حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔]

جائے تو وہ قبول کرتا ہے اور اگر سوال کیا جائے تو عطا کرتا ہے۔''

صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت اور تکلیف میں فرمایا کرتے تھے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ))[1]

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عظیم ہے، برد بار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عظیم عرش کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور عزت والے عرش کا مالک ہے۔''

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تکلیف اور مصیبت میں یہ دعا پڑھنے کے لیے سکھائی:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ))[2]

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بردبار ہے، عزت والا ہے، پاک ہے اللہ اور برکتوں والا ہے وہ عظیم عرش کا رب ہے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

رہا توسل ممنوع تو وہ اُس وسیلے کو کہتے ہیں جس کے جواز پر شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو یا اس کی ممانعت پر کوئی دلیل موجود ہو۔

اسی میں سے صالحین، چاہے زندہ ہوں یا فوت شدہ، انبیاء، آل بیت، فرشتوں، اولیاء یا اللہ کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ اس کی ذات کا وسیلہ پکڑنا ممنوع ہے، مثلاً یہ

---

[1] [صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء عندالكرب(٦٣٤٥)صحيح مسلم، كتاب الذكر و الدعاء، باب دعاء الكرب (٢٧٣٠)]

[2] [حسن، سند احمد (١/ ٩١، ٩٤)النسائي في عمل اليوم والليلة(٦٢٩، ٦٣١)]

کہے کہ

''اے اللہ! میں تیری طرف نبی کی ذات یا سیدہ زینب کی ذات کے وسیلے سے متوجہ ہوں یا مجھے مصطفیٰ کی ذات کے ذریعے رزق عطا فرما...... وغیرہ۔''

یہ تمام باتیں صالحین اور فوت شدگان کے بارے میں غلط عقائد پر دلالت کرتی ہیں' یہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتے تو اللہ زندوں کی دعا قبول نہ کرتا یا یہ کہ وسیلے کے بغیر دعا ناقص ہوتی ہے' یہ تمام چیزیں بنی نوع انسان کو گمراہ کرنے کے لیے ابلیس کی چالیں ہیں' وہ انہیں شرک اور رسوائی کی وادیوں میں پھینک دیتا ہے جیسا کہ اس نے قوم نوح کو پھینک دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کا واقعہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَقَالُوْا لَاتَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَاسُوَاعًا وَّلَايَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَّلَاتَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا۝﴾

(نوح: ۲۳' ۲۴)

''اور انہوں (مشرکوں) نے کہا' اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور ود' سواع' یغوث' یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا' (اور جبکہ حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے اور تو (اللہ مہلت دے کر ان) ظالموں کو گمراہی میں ہی بڑھا رہا ہے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

''یہ قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام ہیں' جب یہ فوت ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کو اشارہ کیا کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ پر خاص نشانیاں نصب کر دو اور ان (نشانیوں) کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھ لو تو انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان (نشانیوں اور ناموں) کی عبادت ان لوگوں کی موت کے بعد ہی ہوئی۔[1] جب کہ علم ختم ہو چکا تھا۔''

---

[1] [صحيح البخاري' كتاب التفسير' باب سورة نوح (۴۹۲۰)]

ہیں۔ کہہ دو! کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جسے وہ آسمانوں اور زمین میں جانتا نہیں (یعنی یہ تمہاری اپنی گھڑی ہوئی بات ہے) پاک ہے اللہ اور بلند ہے اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں۔"

اور فرمایا کہ

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ○ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾ (سبا: ۲۲، ۲۳)

"کہہ دو پکارو ان کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا (معبود) بنا رکھا ہے آسمانوں اور زمین میں وہ ایک ذرے کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان دونوں میں ان کی کوئی شراکت ہے اور ان میں سے کوئی بھی اللہ کا مددگار نہیں ہے۔ اس کے ہاں سفارش صرف انہی لوگوں کی نفع دے گی جن کے بارے میں وہ اجازت دے گا"

اور فرمایا کہ

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○﴾ (الاسراء: ۵٦، ۵۷)

"کہہ دو پکارو انہیں جنہیں تم اللہ کے سوا سمجھتے ہو وہ تمہاری مصیبت ہٹانے یا دور کرنے کی طاقت ہرگز نہیں رکھتے۔ وہ جنہیں پکار رہے ہیں وہ اپنے رب کا تقرب تلاش کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون اللہ کے زیادہ قریب ہے وہ اللہ کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے ڈرنا چاہیے۔

اور ارشاد ہے کہ

ہیں۔ کہہ دو! کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جسے وہ آسمانوں اور زمین میں جانتا نہیں (یعنی یہ تمہاری اپنی گھڑی ہوئی بات ہے) پاک ہے اللہ اور بلند ہے اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں۔"

اور فرمایا کہ

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ○ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾ (سبا: ۲۲، ۲۳)

"کہہ دو، پکارو ان کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا (معبود) بنا رکھا ہے، آسمانوں اور زمین میں وہ ایک ذرے کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان دونوں میں ان کی کوئی شراکت ہے اور ان میں سے کوئی بھی اللہ کا مددگار نہیں ہے۔ اس کے ہاں سفارش صرف انہی لوگوں کی نفع دے گی جن کے بارے میں وہ اجازت دے گا۔"

اور فرمایا کہ

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○﴾ (الاسراء: ۵۶، ۵۷)

"کہہ دو، پکارو انہیں جنہیں تم اللہ کے سوا سمجھتے ہو، وہ تمہاری مصیبت ہٹانے یا دور کرنے کی طاقت ہرگز نہیں رکھتے۔ وہ جنہیں پکار رہے ہیں وہ اپنے رب کا تقرب تلاش کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون اللہ کے زیادہ قریب ہے، وہ اللہ کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں، بے شک تیرے رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے ڈرنا چاہیے۔

اور ارشاد ہے کہ

﴿ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ ﴾ (النمل:۸۰)

''بے شک آپ مُردوں کونہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کوآواز سنا سکتے ہیں۔''

پس میت زندوں کا کلام بطور ادراک سنتی ہے لیکن اس کا جواب نہیں دے سکتی تو پھر اس کے وسیلے کا کس طرح عقیدہ رکھا جا سکتا ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ

''میت مجموعی طور پر زندہ کا کلام سنتی ہے[1] لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت ہی سنے بلکہ کبھی سنتی ہے اور کبھی نہیں سنتی جیسا کہ زندہ آدمی بسا اوقات مخاطبین کا کلام سن لیتا ہے اور بسا اوقات کسی وجہ سے سن نہیں سکتا۔ اسے سمع ادراک کہتے ہیں' اور اس پر جزاء و سزا مرتب نہیں ہو سکتی اور نہ ہی یہ وہ سماع ہے جس کی نفی آیت کریمہ (بے شک تو مردوں کونہیں سنا سکتا) سے ہوتی ہے' یہاں نفی کا تعلق قبول اور امتثال سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بے شک کافر کی مثال اس میت کی طرح دی ہے جو پکار کا جواب نہیں دے سکتا یا ایسے جانور کی جو پکار تو سن لیتے ہیں لیکن اس کا معنی و مفہوم نہیں سمجھتے' اگر چہ میت کلام سن اور سمجھ سکتی ہے مگر اس کا جواب نہیں دے سکتی۔''

(مجموع فتاوی: ۲۴/ ۳۶۴)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ○ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ○﴾(الانعام : ۱۶۲' ۱۶۳)

''کہہ دو بے شک میری نماز' قربانی' زندگی اور موت صرف اللہ رب العالمین

---

[1] [مؤلف اور اس کے مدحین کا یہ موقف سراسر غلط ہے' نصوص عامہ اور احادیث صحیحہ کی رُو سے میت کچھ بھی نہیں سنتی۔ نفی کے اس عموم سے صرف دو مقامات مستثنیٰ ہیں' ایک قلیب بدر کا واقعہ اور دوسرا: دفن کے وقت صرف جوتوں کی آواز سننا۔ اس کے علاوہ میت کسی قسم کی کوئی آواز نہیں سنتی' وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُوْنَ جنہیں پکارا جا رہا ہے وہ پکارنے والوں کی پکار سے (بالکل) غافل ہیں۔ عدمِ سماعِ موتیٰ کا عقیدہ ہی صحیح ہے۔ زبیر علی زئی]

کے لیے ہی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سب سے آگے ہوں۔''

نماز دعا ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ خالص (صرف) ایک اور زبردست اللہ کے لیے ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور نہ کسی کا وسیلہ پکڑا جائے۔

دعا کے لیے اکٹھا ہونا

لوگوں کے درمیان مشہور بدعت دعا کے لیے اکٹھا ہونا ہے جسے بعض لوگ مستحب بھی سمجھتے ہیں' لوگ پروگرام بنا کر ایک وقت مقرر کر کے اس میں جمع ہوتے ہیں' ایک دعا کرتا ہے اور دوسرے لوگ اس پر آمین کہتے ہیں' عام طور پر یہ بدعت فرض نمازوں کے بعد ہوتی ہے' ہم نے اس کا بہت زیادہ مشاہدہ کیا ہے اور یہ بدعت خاص طور پر شامیوں' ہندوستانیوں اور پاکستانیوں میں بہت زیادہ مشہور و معروف ہے۔

نبی ﷺ سے اس بارے میں کوئی صحیح یا حسن حدیث مروی نہیں اور نہ کسی سلف صالحین سے یہ فعل ثابت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''کسی نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ نبی ﷺ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد مقتدیوں کے ساتھ مل کر اجتماعی دعا کرتے' نہ فجر میں اور نہ عصر میں اور نہ کسی دوسری نماز میں یہ بات ثابت ہے' بلکہ آپ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نماز کے بعد اپنے صحابہ کی طرف اپنا رخ کرتے اور اللہ کا ذکر کرتے تھے اور وہ انہیں نماز سے فارغ ہونے کے بعد اذکار سکھاتے تھے۔'' (مجموع فتاوی: ۲/ ۴۶۷)

شاطبی نے الاعتصام (۱/ ۲۱۹) میں لکھا ہے کہ

''ہمیشہ اجتماعی طور پر دعا کرنا' نبی ﷺ کے فعل سے ثابت نہیں ہے۔''

اس سلسلے میں نبی ﷺ سے ایک حدیث مروی ہے کہ

((لَایَجْتَمِعُ مَلَاءٌ فَیَدْعُوْ بَعْضُھُمْ وَیُؤَمِّنُ سَائِرُھُمْ اِلَّا اَجَابَھُمُ اللّٰهُ))

''کوئی گروہ اگر اکٹھا ہو' بعض (یعنی ایک) دعا کریں اور باقی تمام لوگ اس پر آمین کہیں تو اللہ ضرور ان کی دعا قبول فرماتا ہے'' یہ حدیث ضعیف[1] ہے' اس سے دلیل قائم نہیں ہوسکتی۔

تین آدمی جو غار میں پھنس گئے تھے ان کی حدیث اس کے مخالف ہے کیونکہ ان میں ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ دعا کی تھی نہ کہ اجتماعی' اور اس کے مخالف وہ روایت بھی ہے جو صحیح سند کے ساتھ ابوعثمان النھدی (ثقہ تابعی کبیر) سے ثابت ہے کہ ایک عامل (گورنر) نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ یہاں کچھ لوگ مسلمانوں اور ان کے امیر کے لیے اجتماعی دعا کرتے ہیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب بھیجا: ''انہیں اپنے ساتھ لے آؤ'' وہ انہیں لے آیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دربان کو کہہ رکھا تھا کہ کوڑے (درّے) تیار رکھنا۔ چنانچہ جب وہ ان کے پاس آئے تو ان کے امیر کو عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑے لگائے۔[2]

اس اثر میں اس کی دلالت ہے کہ ایک خاص معین وقت پر اور اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے۔ عنقریب اجتماعی دعا عرفات کے دن موقف (عرفات) کے علاوہ دوسرے مقامات پر دعا کرنا جسے ''تعریف'' کہتے ہیں پر مزید کلام آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

دعا سے فراغت کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا

مسلمانوں کے درمیان یہ مشہور ترین بدعت ہے حتیٰ کہ ایک جماعت اسے سنت اور مستحب سمجھتی ہے اور اس کے استحباب میں کئی احادیث مروی ہیں۔ مثلاً یزید بن سعید الکندی' عمر بن خطاب' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر اور ولید بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے

---

[1] [ضعیف' الطبرانی فی الکبیر (۴/ ۲۲' ح۳۵۳٦) والحاکم فی المستدرک (۳/ ۳۴۷) اس کا راوی ابن لہیعہ یہاں حسن الحدیث ہے اور سماع کی تصریح کی ہے لیکن عبداللہ بن ہبیرہ کی حبیب بن مسلمہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ سند منقطع ہے۔]

[2] [ضعیف' مصنف ابن ابی شیبہ (۵/ ۲۹۱' ۲۹۲' ح۲٦۱۸۲) باب البدع والنھی عنہ (۳۹) اس کی سند سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

مروی روایات مگران میں اکثر روایات منکر اور موضوع ہیں' ابن عمر کی حدیث موضوع ہے۔

اس پر ہم نے تفصیلی کلام ''صون الشرع الحنیف ببیان الموضوع والضعیف (۲۲۱۔ ۲۲۴)'' میں لکھا ہے۔ لیکن ابونعیم وہب بن کیسان کی روایت میں آیا ہے کہ

''میں نے ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ دونوں دعا کر رہے تھے پھر اپنی دونوں ہتھیلیاں چہرے پر پھیر رہے تھے۔'' اسے امام بخاری نے ''الادب المفرد (۶۲۴)'' میں ''حدثنا ابراھیم بن المنذر قال حدثنا محمد بن فلیح قال اخبرنی ابن عن ابی نعیم وھب بن کیسان'' کی سند سے روایت کیا ہے۔

یہ سند فلیح بن سلیمان (والد محمد بن فلیح) کے ضعف کی وجہ سے ضعیف[1] ہے۔

اس حکم یعنی مسئلے میں علماء کی ایک جماعت نے کلام کیا ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں:

''یہ بات کہ وتر میں دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرے جائیں' حسن بصری کے علاوہ کسی سے مروی نہیں ہے۔''

(مسائل عبداللہ: ۳۲۲۔ العلل لا بن الجوزی: ۲/ ۸۴۱)

امام احمد سے ہی اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو وتر کے بعد اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہے تو فرمایا کہ ''میں نے اس سلسلے میں کچھ نہیں سنا۔''

ابو داؤد صاحب سنن کہتے ہیں کہ ''میں نے دیکھا ہے کہ احمد رحمہ اللہ یہ کام (اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنا) نہیں کرتے تھے۔'' (الوتر لا بن نصر: ص ۱۴۱)

امام مالک رحمہ اللہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو دعا کے وقت چہرے

---

[1] [صحیح یہ ہے کہ یہ روایت بلحاظ سند' حسن لذاتہ ہے اور محمد بن فلیح اور ان کے والد دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔ لہٰذا ان کی حدیث حسن کے درجہ سے نہیں گرتی اس لیے اس حدیث پر مصنف کی جرح صحیح نہیں ہے۔]

پر ہاتھ پھیرتا ہے تو انہوں نے انکار کیا اور فرمایا کہ

''اس کی دلیل مجھے معلوم نہیں ہے۔'' (الوتر لابن نصر: ص۱۴۱)

تاہم ایک جماعت سے یہ فعل مروی ہے۔

امام محمد بن نصر المروزی اپنی کتاب ''الوتر'' میں لکھتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ کو دیکھا ہے وہ ان احادیث کے ساتھ عمل کرنا (یعنی منہ پر ہاتھ پھیرنا) مستحسن قرار دیتے تھے۔ (قیام اللیل للمروزی: ص۳۰۴)

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی فرماتے ہیں کہ

''بسا اوقات میں نے معمر کو یہ فعل کرتے دیکھا اور میں بھی یہ فعل کرتا ہوں یعنی منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوں۔'' (مصنف عبد الرزاق: ۲/ ۲۴۷، ۲۵۳)

میں کہتا ہوں کہ سنت کے مخالف کسی بات میں حجت نہیں ہے اور اس باب کی احادیث ضعیف ہیں اور دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا عبادت ہے اور عبادات میں اصل توقف ہے۔ اور جس کام کے استحباب کے بجائے جواز پر سنت میں کوئی دلیل موجود نہ ہو تو اس پر عمل کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اسی لیے العز بن عبدالسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''دعا کے بعد منہ پر (بطور وجوب) ہاتھ وہی پھیرتا ہے جو کہ جاہل ہے۔''

(فتاوی ابن عبدالسلام: مسئلہ ۱۵، ص۴۷)۔

دعا کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا اور اسے مردوں کو بخش دینا

اس بارے میں سرے سے کوئی دلیل نہیں ہے، نہ صحیح نہ ضعیف، یہ ایک بدعت ہے جسے السقاف نامی بدعتی نے اپنی کتاب "صحیح صفۃ صلاۃ النبی ﷺ (ص۔ ۲۴)'' میں لکھ کر رواج دینے کی کوشش کی ہے، وہ کہتا ہے: ''سنت یہ ہے کہ دعا کرنے والا اپنی دعا کو نبی ﷺ پر درود پر ختم کرے، پھر سورۂ فاتحہ پڑھے۔''

اور کہتا ہے کہ ''بعض لوگ دعا کے بعد فاتحہ کا ثواب مُردوں کو یہ کہتے ہوئے بخش دیتے ہیں کہ اس کا ثواب ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اور ہمارے اور تمہارے مردوں کے لیے ہے۔ الفاتحہ کا ثواب یا اس جیسے کوئی الفاظ کہتے ہیں، یہ اچھا کام ہے اس کے

بارے میں صحیح حدیث وارد ہے۔''

عبدالرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج عن ابیہ کی سند سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ ''اے میرے بیٹے! جب میں مرجاؤں تو میرے لیے لحد تیار کرنا' جب مجھے میری لحد میں رکھ دو تو کہنا کہ

((بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ))

پھر میرے اوپر مٹی پھینکنا' پھر میری میت (قبر) کے سر کے پاس سورۂ بقرہ کی پہلی اور آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔''

(ایضاً ص ۲۴۳)

میرے علم کے مطابق یہ حدیث ضعیف[1] ہے۔ میت تک قرآن کا ثواب کے پہنچنے کے سلسلے میں جو کچھ مروی ہے وہ بلحاظ سند ضعیف ہے جیسا کہ ابواب الجنائز میں گزر چکا ہے۔ یہ تو ایک رخ ہوا۔ اور دوسرا رخ یہ ہے کہ اس حدیث میں فاتحہ الکتاب کا ذکر تک نہیں ہے جس کا السقاف استدلال کر رہا ہے۔ اور تیسرا رخ یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو یہ دفن میت کے بعد کے ساتھ مخصوص ہے مطلق دعا کے بعد سے اس کا کوئی تعلق نہیں لہٰذا اس تفصیل سے آپ پر اس آدمی کی جہالت واضح ہوتی ہے۔ ہم نے بہت پہلے اس شخص پر اپنی کتاب ''لَادِفَاعاً عَنِ الالبانی فحسب بل دفاعاً عن السلفية'' [2] میں رد کیا ہے۔

آج ہم نے اس رد کی دوبارہ تنقیح کی ہے اور کتاب کے حجم کے برابر اس میں اضافہ کر دیا ہے۔ (والحمدللہ!)

اس آدمی کا مقصد صرف اہل سنت والجماعت اور ائمہ سلف پر طعن کرنا ہے بلکہ اس نے تجاوز کر کے صحابی جلیل' کاتب وحی' خال المومنین' معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر طعن کر دیا ہے جن کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔

---

[1] [اس روایت کا راوی مجہول الحال ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔]

[2] [البانی کا دفاع نہیں بلکہ سلفیت اور عقیدہ صحیحہ کا دفاع ہے۔]

((اَللّٰھُمَّ اھْدِہِ وَاھْدِبِہٖ وَاجْعَلْہُ ھَادِیًا مَھْدِیًّا))[1]

''اے اللہ! اسے (معاویہ کو) ہدایت دے' اس کے ساتھ (دوسروں کو) ہدایت دے اور اسے ہادی اور مہدی بنادے''

صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت کا التزام

یہ بدعت بھی مشہور و معروف بدعات میں سے ہے' خاص کر مصر میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث:

((مَازَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقْنُتُ فِی الْفَجْرِ حَتّٰی فَارَقَ الدُّنْیَا))

''نبی ﷺ فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت کرتے رہے حتیٰ کہ دنیا سے جدا ہو گئے (یعنی فوت ہو گئے)۔''

اس حدیث کی وجہ سے مستحب قرار دیا ہے اور اس استحباب میں انہوں نے اس حدیث کو صحیح کہنے والوں کی موافقت کی ہے۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت منکر ہے جیسا کہ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ! نبی ﷺ سے مسنون عمل یہ ثابت ہے کہ آپ تمام مصیبتوں میں یا کسی پر بددعا کرنے میں تمام نمازوں میں قنوت پڑھا کرتے تھے' یہ بات ہم نے اپنی کتاب ''صفۃ قنوت النبی ﷺ'' اور کتاب ''صفۃ دعاء النبی ﷺ'' میں تفصیلاً بیان کی ہے۔

صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مصیبتوں کے علاوہ صبح کی نماز میں قنوت کا ترک کرنا مروی ہے۔

اسود بن یزید اور عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ ''انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی' انہوں نے قنوت نہیں کیا۔''[2]

---

[1] [صحیح' سنن الترمذی' کتاب المناقب' باب مناقب معاویۃ بن ابی سفیان (۳۸۴۲) وقال حسن غریب' باختلاف یسیر]

[2] [حسن' ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۰۲' ح۶۹۶۱) اس کے راوی یحییٰ بن غسان المرادی کو صرف ابن حبان نے ہی ثقہ قرار دیا ہے جو کہ کافی نہیں لیکن روایت (۶۹۶۴) اس کی شاہد ہے لہٰذا یہ حسن لغیرہ ہے۔]

علقمہ بن قیس سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فجر کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔[1]

سلیم بن ابی الشعثاء المحاربی کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فجر کی نماز میں قنوت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: ''قنوت کیا ہوتا ہے؟''

میں نے کہا: '' آدمی قراءت کے بعد کچھ وقت کھڑا ہو جاتا ہے اور دعا کرتا ہے۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''اس کی دلیل کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔''[2]

عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز پڑھائی تو قنوت نہیں کیا۔[3]

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر دونوں صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔[4]

ابو مالک الاشجعی سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے کہا' ابو جی! آپ نے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' ابوبکر' عمر' عثمان رضی اللہ عنہم اور یہاں کوفہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے تقریباً پانچ سال نماز پڑھی ہے کیا وہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے؟

تو انہوں نے کہا' اے بیٹا! یہ بدعت ہے۔[5]

اگر کہا جائے کہ امام شافعی کے مسلک میں یہ مستحب ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک امام شافعی رحمہ اللہ[6] نے فرمایا ہے کہ

---

[1] [حسن' ایضا(۶۹۶۶ ' ۶۹۶۵) یہ اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے۔]

[2] [ضعیف' ایضا(۶۹۶۸) یہ روایت اس متن کے ساتھ ضعیف ہے اعمش اور اس کا استاد ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں' لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صبح میں قنوت نہ پڑھنا دوسری کئی روایات میں بھی مروی ہے' لہٰذا حسن لغیرہ ہے۔]

[3] [صحیح' ایضا(۶۹۷۰)]

[4] [حسن ایضاً (۶۹۶۹) حاشیہ گزشتہ میں اس کے شواہد کی طرف اشارہ ہے]

[5] [صحیح' سنن الترمذی' ابواب الصلوٰۃ' باب ماجاء فی ترک القنوت(۴۰۲)]

[6] [امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے۔ دیکھئے مختصر المزنی: ص ۱]

''ہر آدمی سے سنت رسول ﷺ کی کوئی نہ کوئی بات مخفی رہ سکتی ہے' لہذا
میرے جتنے اقوال یا اصول رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اصول کے خلاف
ہیں تو بات رسول اللہ ﷺ کی ہی مانی جائے گی اور وہی میرا قول ہے۔''

(مناقب الشافعی للبیهقی ۱/ ۴۷۵)

امام شافعی نے اسے اس لیے مستحب کہا ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں جسے دوسرے علماء ضعیف کہتے ہیں اور صحیح احادیث بھی ان کی تحقیق کے خلاف ہیں۔ اگرچہ امام شافعی اس کے استحباب کے قائل ہیں مگر امام احمد اور اسحاق بن راہویہ خاص مصیبتوں کے علاوہ اس کے منع کے قائل ہیں۔

امام عبداللہ بن المبارک بھی فجر میں قنوت کے قائل نہیں تھے اور اسے ہی سفیان الثوری اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ اجمعین نے اختیار کیا ہے۔ (جامع ترمذی : ۲/ ۲۵۲)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب جس حدیث سے امام شافعی نے فجر میں قنوت کے استحباب پر استدلال کیا ہے اس کا دارومدار ابوجعفر الرازی عیسیٰ بن ماہان پر ہے' وہ ضعیف اور صاحب مناکیر راوی تھا اس کا وہ تفرد جس میں وہ لوگوں کی روایات کے مخالف ہو قابل قبول نہیں ہے۔ اس روایت میں اس کی متابعت صرف اسی نے کی ہے جو اس سے زیادہ ضعیف تھا۔ ہم نے اس پر ''صون الشرع الحنیف (۲۲۵)'' میں تفصیلاً کلام کیا ہے اور اس کے مردود شواہد کا تذکرہ بھی کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان شواہد سے اس روایت کی تقویت صحیح نہیں ہے۔

دعائے قنوت میں سنت

قنوت میں سنت یہ ہے کہ امام مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبتوں میں اور ضرورت کے وقت قنوت کے جواز کا عقیدہ رکھے۔ جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عشاء میں ایک مہینہ دعائے قنوت پڑھی اور آپ قنوت میں بددعا فرماتے تھے کہ

''اے اللہ! ولید کو نجات دے' اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے

اللہ! کمزور مومنوں کو نجات دے' اے اللہ! اپنا عذاب مضر (قبیلے) پر سخت کر' اے اللہ! ان پر قحط کے ایسے سال بھیج جیسے یوسف (علیہ السلام) کے دور میں (مصر وغیرہ میں) بھیجے گئے تھے۔''[1]

اور جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ

''بے شک نبی ﷺ قنوت نہیں پڑھتے مگر صرف اس وقت جب کسی قوم کے لیے دعا یا کسی قوم پر بددعا کرتے تھے۔''[2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ

((یَدْعُوْ لِاَحَدٍ اَوْ یَدْعُوْ عَلٰی اَحَدٍ))[3]

''کسی کے لیے دعا کرتے یا کسی پر بددعا کرتے۔''

اس حالت میں تمام نمازوں میں قنوت پڑھنا مسنون ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ نے لگاتار ایک مہینہ ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قنوت کیا''

جب مصیبت دور ہو جائے تو قنوت پڑھنے سے رک جانا لازم ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے اور ایک دن نبی ﷺ نے صبح کی تو ان (صحابہ) کے لیے دعا نہیں کی (یعنی قنوت نہیں پڑھا) میں نے جب پوچھا تو فرمایا:

((مَاتَرَاھُمْ قَدْقَدَّمُوْا))

''تجھے کیا پتہ ہے' ہوسکتا وہ آچکے ہوں۔''

---

[1] [صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوٰۃ (۶۷۵)]

[2] [ضعیف' صحیح ابن خزیمہ (۱/ ۳۱۴' ح۶۲۰)سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ دونوں مدلس ہیں اور ''عن'' سے روایت کررہے ہیں۔]

[3] [ضعیف' صحیح ابن خزیمہ' ایضا(۶۱۹) اس میں زہری مدلس ہے اور ''عن'' سے روایت کر رہا ہے۔]

قنوت کا طریقہ ہم نے اپنی کتاب ''صفۃ قنوت النبی ﷺ'' میں بیان کر دیا ہے لہٰذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض ایام کو قنوت وتر کے ساتھ خاص کرنا

مثلاً رمضان کے مہینے کو قنوت وتر کے ساتھ خاص کرنا اور باقی مہینوں میں قنوت نہ کرنا یا صرف رمضان کے آخری عشرے میں قنوت کرنا۔

شافعی کا یہی قول ہے جبکہ ابو حنیفہ اور احمد دونوں کہتے ہیں کہ قنوت وتر سارا سال سنت ہے۔(الحوادث والبدع للطرطوشی: ص ۴۲)میری تحقیق میں یہی قول صحیح احادیث کے مطابق ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وتر کے درج ذیل کلمات سکھائے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَاقَضَیْتَ، فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَایُقْضٰی عَلَیْكَ، وَاِنَّهُ لَایَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَایَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَیْتَ، لَامَنْجَامِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ))[1]

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے اور آپ ﷺ رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔[2]

یہ حدیث پورے سال کے بارے میں عام ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اسی کے قائل تھے۔

---

[1] [صحیح، سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب القنوت فی الوتر (۱۴۲۵) الترمذی (۴۶۴) النسائی (۱۷۴۶)]

[2] [صحیح، سنن النسائی، کتاب قیام اللیل، باب اختلاف الناقلین لخبر ابی ابن کعب فی الوتر(۱۷۰۰)]

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ''اہل علم کا قنوت کے بارے میں اختلاف ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سارا سال قنوت وتر کے قائل ہیں' انہوں نے رکوع سے پہلے قنوت کو اختیار کیا ہے اور بعض علماء کا یہی قول ہے۔

سفیان الثوری' ابن المبارک' اسحاق بن راہویہ اور اہل کوفہ اسی کے قائل ہیں۔

علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ صرف رمضان کے آخری آدھے حصے میں قنوت پڑھتے تھے اور رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے۔ بعض علماء اس کے قائل ہیں اور شافعی واحمد کا بھی یہی قول ہے۔''(سنن ترمذی: ۲/ ۳۲۹)

امام احمد رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو روایات ہیں:

قاضی ابو یعلی نے کتاب ''الروایتین والوجہین (۱/ ۱۶۳)'' میں کہا ہے کہ

> ''ابو طالب اور ابوالحارث نے احمد سے نقل کیا ہے کہ میں (رمضان کے آخری) آدھے حصے میں قنوت کا قائل ہوں' کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب ابی بن کعب کو رمضان میں لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے آگے کیا تھا تو وہ رمضان کے نصف اخیر میں ہی قنوت پڑھتے تھے۔

جبکہ خطاب بن بشر نے احمد سے نقل کیا ہے کہ میں رمضان کے نصف اخیر میں قنوت کا قائل تھا' پھر میں نے دیکھا کہ اس میں لوگوں کے لیے کوئی تنگی نہیں ہے۔ پس پورا سال قنوت پڑھے اور دعائے قنوت میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھائے اور رکوع کے بعد قنوت پڑھے کیونکہ یہ نماز میں مسنون ذکر ہے۔ پس لازم ہے کہ اسے کسی خاص زمانے یا رمضان کے نصف اخیر پر ہی مختص نہ کیا جائے' بلکہ تمام اذکار پر قیاس کر کے عام ہی رکھا جائے۔''

احمد رحمہ اللہ سے سارے سال میں قنوت کی اجازت والی روایت اور رمضان کے نصف اخیر میں قنوت صحیح ثابت ہے۔ مسائل عبداللہ (۳۲۰) میں لکھا ہوا ہے کہ

''میں نے اپنے ابا سے پوچھا'' کیا قنوت وتر ہر رات افضل ہے' سارا سال یا

صرف رمضان کے آخری آدھے حصے میں؟''

تو انہوں نے جواب دیا کہ ''اگر ہر سال اور سارا سال اور رمضان کے نصف اخیر میں قنوت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

اصل میں ہر رات قنوت پڑھنا ہی صحیح احادیث کے مطابق ہے۔ واللہ اعلم۔

وتر میں رکوع کے بعد قنوت کرنا

یہ قول علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ اسی طرف گئے ہیں' عبداللہ بن احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے کہا کہ

''میں نے اپنے ابا سے قنوت وتر کے بارے میں پوچھا کہ رکوع سے پہلے ہے یا بعد میں؟ تو انہوں نے کہا کہ رکوع کے بعد جب سر اٹھائے۔''

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت میں ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے پہلے وتر میں پڑھنے کے کلمات سکھائے...... (الحدیث)

ابن ابی شیبہ نے ''مصنف (۲/ ۹۶)'' میں صحیح سند کے ساتھ اسود بن یزید سے روایت کیا کہ ''بے شک ابن عمر رضی اللہ عنہما رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔''[1]

اور ابن شیبہ (۲/۹۶) نے الدستوائی عن حماد عن ابراھیم عن علقمه کی سند سے روایت کیا کہ ابن مسعود اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت کرتے تھے اس کی سند حسن ہے۔[2]

حماد بن ابی سلیمان سچے تھے' ان میں کمزوری ہے لیکن ہشام الدستوائی کی ان سے روایت اچھی ہوتی ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

---

[1] [ضعیف' مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۹۷' ح۶۸۹۹) اس میں ابراہیم النخعی مدلس ہے اور ''عن'' سے روایت کر رہا ہے۔]

[2] [حسن' ایضا (۶۹۱۰) اس میں بھی ابراہیم النخعی ہے لیکن اس کے بہت سے شواہد ہیں۔]

قنوت کے بعد نبی ﷺ پر درود پڑھنا

نبی ﷺ پر درود پڑھنا مستحب اعمال میں سے ہے لیکن اپنے صحیح شرعی مقامات پر' اور دعائے قنوت میں اپنی طرف سے اضافہ کر دینا واجب (بلکہ جائز) نہیں ہے اور قنوت کی روایات میں سے ایک روایت میں نبی ﷺ پر درود کا اضافہ بھی مروی ہے۔

نسائی نے کتاب السنن (۳/ ۲۴۸' ح۱۷۴۷) میں ابن وھب عن یحیی بن عبداللہ بن سالم عن موسیٰ بن عقبہ عن عبداللہ بن علی عن الحسن بن علی کی سند سے قنوت والی حدیث روایت کی ہے اور آخر میں راوی سے سن کر یہ الفاظ زیادہ لکھے ہیں:

((وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ))

حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر (۱/ ۲۶۴) میں لکھتے ہیں کہ

''نووی نے شرح المھذب میں کہا ہے کہ یہ اضافہ صحیح یا حسن سند سے ہے۔''

ایسی بات نہیں ہے کیونکہ یہ سند منقطع ہے عبداللہ بن علی بن الحسین بن علی نے حسن بن علی کو نہیں پایا۔

حقیقت میں اس سند میں صرف یہی ایک علت نہیں ہے' بلکہ دوسری علت یعنی شذوذ (ثقہ راویوں کی مخالفت) بھی ہے' کیونکہ یہی حدیث حاکم نے (المستدرک ۳/ ۱۷۲ میں) اور ابوبکر الاصبہانی نے (فوائد میں کما فی التلخیص الحبیر: ۱/ ۲۶۵) اسماعیل بن ابراھیم بن عقبہ عن عمہ موسیٰ بن عقبہ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ عن الحسن بن علی'' کی سند سے روایت کی ہے اور اس میں نبی ﷺ پر درود کا اضافہ نہیں ہے۔

پس اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ اور یحییٰ بن عبداللہ بن سالم کے درمیان اختلاف ہے' اسماعیل زیادہ ثقہ تھا' اسے ابن معین اور نسائی نے ثقہ کہا ابو حاتم نے کہا کہ اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے برخلاف یحییٰ بن عبداللہ کو نسائی نے صحیح احادیث بیان کرنے والا کہا۔ اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کر کے لکھا ''ربما اغرب''

یہ کبھی کبھار غریب روایات بیان کرتا ہے۔[1]

قنوت کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا

اس مسئلے پر بلحاظ عموم کلام گزر چکا ہے۔ مروزی نے احمد سے نقل کیا ہے کہ ''منہ پر ہاتھ نہ پھیرے کیونکہ یہ عبث وفضول کام ہے اور نماز میں عبث کاموں سے منع کیا گیا ہے۔'' (الروایتین والوجہین: ۱/ ۱۶۴)

❀❀❀❀

---

[1] [نسائی والی روایت تو صرف انقطاع کی وجہ سے ہی ضعیف ہے، لیکن ابن خزیمہ (۱۱۰۰) نے صحیح سند کے ساتھ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے قیام رمضان میں دعائے قنوت کرتے تھے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے تھے، لہٰذا قنوت کے آخر میں درود کا اضافہ بدعت نہیں بلکہ جائز ہے۔]

جمعہ کے دن دعا کی بدعتیں

منبر پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا

سنت صرف یہ ہے کہ جمعہ کے دن منبر پر شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا جائے۔
عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو منبر پر (دعا کے لیے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ

> ''اللہ ان دونوں ہاتھوں کو تباہ کرے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی انگلی کے اشارے کے علاوہ دعا میں کسی دوسرے طریقے کا اضافہ نہیں کرتے تھے۔''[1]

نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ میں سنت یہ ہے کہ دعا کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔'' اکثر علماء کا یہی مذہب و مسلک ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جمعہ کے دن ہاتھ اٹھانا بدعت[2] ہے۔''

ایک دفعہ جمعہ کے دن امام نے منبر پر ہاتھ اٹھا لیے' لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھا لیے تو مسروق (تابعی) نے فرمایا: ''اللہ ان لوگوں کے ہاتھوں کو کاٹ[3] دے۔''

العز بن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقامات پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے ان کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مستحب و پسندیدہ نہیں ہے۔'' (فتاویٰ ابن عبدالسلام: ۱۵)

ابوشامہ المقدسی نے کہا: ''لوگوں کا (غیر مسنون مقام پر) ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قدیم بدعت ہے۔'' (الباعث علی انکار البدع والحوادث: ص ۱۴۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

---

1. [صحیح مسلم' کتاب الجمعۃ' باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ (۸۷۴)]
2. [صحیح' ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۷۵' ح۵۴۹۱)]
3. [ضعیف' ایضاً (۵۴۹۴) اس میں اعمش مدلس ہے اور ''عن'' سے روایت کر رہا ہے۔]

''امام اور اس کے سامعین کے لیے حالت خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مکروہ ہے' کیونکہ نبی ﷺ (خطبہ میں) دعا کے وقت صرف شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔'' (الاختیارات العلمیۃ : ۴۸)

لیکن جمعہ کے دن دعائے استسقاء میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے جیسا کہ نبی ﷺ سے صحیح ثابت ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ''نیک لوگوں کی دعا سے توسل پکڑنا'' کے باب میں گزر چکی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ عام دعاؤں کے بجائے صرف استسقاء سے ہی خاص ہے۔ واللہ اعلم

جمعہ کے دن منبر پر خطیب کی دعا پر آمین کہنا

سلف صالحین میں سے کسی سے یہ عمل ثابت نہیں ہے سوائے وہ جو جمعہ کے دن دعائے استسقاء میں گزرا ہے۔ ہم نے اس بدعت پر تفصیلی کلام اپنی کتاب ''صفة خطبة النبی ﷺ (ص ۶۳)'' میں لکھا ہے۔ بعض طالب علم نما حاسدوں نے اس پر قناعت نہیں کی لہٰذا ہم یہاں اس کی مزید توضیح اور تشریح لکھتے ہیں:

مجھ سے پہلے ابن عابدین[1] نے اپنے حاشیہ (۱/ ۷۶۸) میں لکھا ہے کہ ''اگر لوگ یہ کام کریں گے تو صحیح قول یہ ہے کہ گناہ گار ہوں گے۔''

اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الاجوبہ النافعہ (ص۱۲۹)'' میں جمعہ کی بدعات میں شمار کیا ہے: ''(۶۳) لوگوں کا امام کی دعا پر آمین کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانا۔'' (الباعث ۶۴۔ ۶۵)

میں کہتا ہوں کہ ابو شامہ المقدسی کے سابق قول ''لوگوں کا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قدیم بدعت ہے'' کا عموم بھی اسی پر دلیل ہے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اصول فقہ میں یہ بات مقرر اور طے شدہ ہے کہ دلیل اثبات کرنے والے پر لازم ہوتی ہے نفی کرنے والے پر کوئی دلیل لازم نہیں ہے' اس کے باوجود ہم نے اپنی کتاب میں نفی کی دلیلیں

---

[1] یہ شخص بذاتِ خود مشہور بدعتی تھا اور فروع میں حنفی مسلک کی طرف منسوب تھا اور اس کی بدعات معلوم کرنے کے لیے فتاوی شامی کا مطالعہ ہی کافی ہے۔ (

ذکر کی ہیں جس کا اشارہ بھی گزر چکا ہے۔ اس ذریعہ سے سنت اور سلف صالحین کے مخالفین کی حجتیں اور شبہات ختم ہو جاتے ہیں۔

دو خطبوں کے دوران خطیب کے بیٹھنے کے بعد مؤذن کا دعا کرنا!

شیخ جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''(فقہ کی) فروع میں یہ مقرر اور طے شدہ ہے کہ خطیب جب منبر پر چڑھے تو نہ نماز پڑھے اور نہ جہری دعا مانگے' اس لیے کہ اب سماع خطبہ کی تیاری مقام خطیب کی جلالت اور اس ہفتہ وار عبادت کے لیے خشوع وخضوع ہے جو کہ فریضہ جمعہ کی ادائیگی کے لیے لوگوں کے جمع ہونے سے معلوم وظاہر ہے اور تمام فقہاء کا بغیر کسی اختلاف کے اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حالت میں ذکر بالجہر استغفار' دعا یا پکار (یہ سب اعمال) ممنوع ہیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے نبی ﷺ سے صحیح وثابت روایت سے استدلال کیا ہے کہ

((اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ))

''اگر تو جمعہ کے دن اپنے ساتھ والے کو کہے ''خاموش'' ہو جا اور امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے یہ لغو وفضول کام کیا۔''

اس کی اس بات کو لغو قرار دیا گیا باوجود اس کے کہ منکر سے منع کرنا ہے تو اس آدمی کا کیا مقام ہے کہ جو منکر سے بھی منع نہیں کر رہا اور ظاہر ہے کہ اس کی حرکت لغو ترین اور صریح گناہ ہے۔

جب اس کی تحقیق ہوگئی تو ثابت ہوا کہ جمعہ کے دن خطیب کے سامنے جب وہ خطبہ اولیٰ سے بیٹھتا ہے بعض مؤذنین کا ''غفر الله لك ولوالديك ولنا ولوالدينا والحاضرين......'' (اللہ تیری اور تیرے والدین کی مغفرت کرے ہماری اور ہمارے والدین اور تمام حاضرین کی مغفرت کرے..... الخ) کا ذکر کرنا منکر ہے جس کا انکار لازم ہے' کیونکہ یہ ذکر اپنے جائز وقت میں نہیں ہے۔ اور یہ وہ وقت

ہے جس میں خاموشی اور نصیحت کے لیے دلی تفکر کیا جاتا ہے۔ آواز بلند کر کے لوگوں کے دلوں کو منتشر کر دینا اور ڈر کے اس مقام پر اونچی آواز کی جراءت کے انکار کے بارے میں کسی فقیہ کو اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے خطیب اور صاحب استطاعت پر لازم ہے کہ اس منکر کام سے شدت کے ساتھ منع کرے اور اسے مٹا دے۔''

(اصلاح المساجد: ص ۷۰)

منبر پر چڑھنے کے بعد اور لوگوں کی طرف رخ کرنے اور سلام کہنے سے پہلے خطیب کا دعا میں مشغول ہو جانا

ابو شامہ المقدسی نے ''الباعث (ص ۱۴۱)'' میں لکھا ہے کہ ''خطیب کا خطبہ شروع کرنے میں دیر کرنا اور لوگوں کی طرف رخ کرنے اور سلام کہنے سے پہلے دعا میں مشغول ہو جانا بدعت ہے۔''

ابن الحاج نے ''المدخل (۲/ ۲۶۷)'' میں لکھا ہے کہ ''اور بعض سلام دیتے وقت اس میں ایک بدعت کا اضافہ کر دیتے ہیں' وہ یہ کہ قبلہ رخ ہو کر اپنے ہاتھ کے ساتھ لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور پھر ہاتھ پھیلا کر اس وقت دعا کرتے ہیں' بے شک ہمارے علماء رحمہم اللہ نے اسے بدعات میں شمار کیا ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''منبر پر چڑھنے کے بعد امام کا دعا کرنا' اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔'' (الاختیارات العلمیہ: ۴۸)

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''آپ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے صحابہ کو سلام کہتے' جب منبر پر چڑھ جاتے تو لوگوں کی طرف چہرہ کر کے سلام کہتے' قبلہ رخ ہو کر دعا نہ کرتے پھر بیٹھ جاتے۔'' (زاد المعاد: ۱/ ۴۲۹)

ہم نے کتاب ''صفۃ خطبۃ النبی ﷺ'' میں آپ ﷺ کا خطبہ میں لوگوں کی طرف رخ کرنا اور سلام کہنا ذکر کیا ہے اور اس میں ایسی کوئی دلیل قطعاً نہیں ہے کہ آپ

منبر پر چڑھتے وقت دعا کرتے اور نہ یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

اس طرح کی چند اور باتیں درج ذیل بھی ہے۔

امام کا تکبیر تحریمہ سے پہلے دعا میں مشغول ہو جانا

یہ مقام دعا کے مستحب مقامات میں سے نہیں ہے اور آپ ﷺ سے اس کا فعل صحیح سند سے ثابت بھی نہیں ہے کیونکہ دعا صرف اذان اور اقامت کے درمیان مستحب ہے نہ کہ اقامت کے بعد۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلدَّعْوَةُ لَا تُرَدُّ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ))[1]

''اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی۔''

امام کی قراءت سورۂ فاتحہ کے وقت' آمین سے پہلے' مقتدیوں کی دعا:

بعض لوگوں کو ابن الجزری کے اوقات قبولیت کے بارے میں درج ذیل قول سے دھوکا لگا ہے:

''اور جمعہ کی (قبولیت دعا والی) گھڑی' یہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک ہے اور اقرب اور مناسب یہی ہے کہ یہ قراءت فاتحہ کے وقت ہے' آمین سے پہلے۔'' (عدة الحصن الحصين. ص۳۹)

یہ قول صرف جمعہ کے ساتھ خاص ہے کسی دوسرے دن کے ساتھ نہیں اور دوسرا یہ کہ یہ قول فی نفسہ ضعیف ہے۔

ابن الجزری نے اس مسئلے میں صحیح مسلم کے اندر ''مخرمه بن بكير عن ابيه عن ابى برده بن ابى موسىٰ الاشعرى قال قال لى عبدالله بن عمر'' کی سند سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے

---

[1] [صحيح' احمد(۳/ ۲۲۵)ابن خزيمه (۴۲۶' ۴۲۷)وغيرهما وله طريق آخر عند ابى داؤد(۵۲۱)الترمذى وغيرهما]

فرمایا کہ

''یہ وقت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر اختتام نماز تک ہے۔''

مجھے اس حدیث نے ایک وقت تک حیرت میں ڈالے رکھا کیونکہ یہ اس صحیح حدیث کے مخالف ہے جس میں جمعہ کے دن ساعت قبولیت کا وقت عصر کے بعد ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ جابر بن عبداللہ' عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کی صحیح احادیث میں ہے۔ لیکن صحیح مسلم کی ہیبت نے مجھے اس روایت پر جرح سے باز رکھا[1] حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ امام حافظ دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''التتبع (ص ۲۳۳)'' میں اس روایت پر جرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

''اس حدیث کو صرف مخرمہ بن بکیر نے ہی اپنے باپ بکیر سے' اس نے ابو بردہ سے متصل بیان کیا ہے جبکہ ایک جماعت نے اسے صرف ابو بردہ کا قول قرار دیا ہے اور بعض اسے ابوموسیٰ تک ہی پہنچاتے ہیں۔

اور جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابو بردہ کا منقطع قول ہے۔

اسی طرح یحییٰ بن سعید القطان نے سفیان ثوری عن ابی اسحاق عن ابی بردہ'' کی سند سے روایت کیا ہے۔

واصل الاحدب نے اسے ابو بردہ سے اس کے قول کے طور پر بیان کیا ہے' اسے جریر نے عن مغیرہ عن واصل بیان کیا ہے۔

مجاہد بن سعید نے بھی ابو بردہ سے اسی طرح ہی بیان کیا ہے۔

نعمان بن عبدالسلام نے اسے ''الثوری عن ابی اسحاق عن ابی بردہ عن ابیہ'' کی سند سے موقوف بیان کیا ہے۔

اس میں ''عن ابیہ'' کا اضافہ صحیح نہیں' اسے صرف مخرمہ نے ہی ''عن ابیہ'' اپنے والد سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔

---

[1] [مصنف کی تحقیق کے سراسر برخلاف' یہ روایت صحیح ہے۔ لہٰذا دونوں اوقات میں اجابتِ دعا کی امید ہے۔]

احمد ابن حنبل حماد بن خالد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے مخرمہ سے پوچھا' کیا آپ نے اپنے والد سے سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا' نہیں۔''

راجح یہی ہے کہ یہ روایت شاذ[1] ہے۔ انسانوں کی ہر کوشش میں خطا اور غلطی کا حصہ بھی شامل ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ ابن الجزری کے قول کی دلیل ضعیف ہے اور یہ قول جمعہ کے بارے میں خصوصاً اور دیگر نمازوں کے بارے میں عموماً ہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بھی مخالف ہے جس میں ارشاد ہے:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ ﴾

(الاعراف: ۲۰۴)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش ہو جاؤ' تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''جب قاری غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے ''آمین'' کہیں' جس کا قول آسمان والوں کے موافق ہو گیا تو اس کے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''[2]

اس میں ہمارے ذکر کردہ مسئلے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں پر حجت ہے' کیونکہ لوگوں کو قراءت کے وقت انصات (خاموشی) اور امام کی آمین کے بعد آمین کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو جو اس کے علاوہ دوسری باتوں میں مشغول ہو گیا اور حدیث کا مطلب دوسری احادیث کے خلاف نکالا تو اس کا قول مردود ہے۔ حاصل یہ کہ عوام کی ایک جماعت مختلف مقامات میں ایسی دعائیں کرتی ہے جن پر فضیلت کے بجائے جواز کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔

---

[1] [مخرمہ نے اپنے والد کی کتاب سے روایت کی ہے جو جرح ہی نہیں ہے' لہٰذا قول راجح یہ ہی ہے کہ صحیح مسلم کی یہ روایت صحیح ہے اور امام دارقطنی وغیرہ کی جرح مرجوح ہے۔]

[2] [صحیح مسلم' کتاب الصلوٰۃ باب التسمیع والتحمید والتأمین (۴۱۰)]

حي علی الفلاح کے بعد خصوصی دعا

اس بارے میں ایک سخت ضعیف اور نا قابل حجت حدیث مروی ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب مؤذن اذان دیتا ہے تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے اور جو شخص مصیبت یا سختی میں مبتلا ہو تو وہ اذان کے وقت کا خیال کرے اور جب وہ (مؤذن) اللہ اکبر کہے تو یہ بھی اللہ اکبر کہے' جب وہ اشھدان لا الہ الا اللہ کہے تو یہ بھی اشھدان لا الہ الا اللہ کہے' جب وہ حی علی الصلوٰۃ کہے تو یہ بھی حی علی الصلاۃ کہے تو جب وہ حی علی الفلاح کہے یہ بھی حی علی الفلاح کہے' پھر اس کے بعد کہے' اے اللہ! یہ سچی پکار ہے جو قبول کی جاتی ہے' دعوت حق اور کلمہ تقوی ہے' ہم اسی پر زندہ ہیں اور اسی پر مریں گے' اے اللہ! ہمیں اسی پر دوبارہ زندہ کرنا' اے اللہ! ہمیں زندگی اور موت میں بہترین اہل دعا (یعنی اچھے مسلمانوں) میں شمار کر' پھر اللہ سے اپنی ضرورت مانگے۔''

اس کی سند میں عفیر بن معدان ہے جو کہ سخت ضعیف اور منکر احادیث بیان کرنے والا تھا۔[1]

بارش کے نزول کی دعا

بعض لوگ درج ذیل حدیث سے حجت پکڑتے ہیں کہ ''دو چیزیں کبھی رد نہیں ہوں گی یا بہت کم رد ہوتی ہیں' اذان کے وقت' میدان جنگ میں جب لوگ خوب گتھم گتھا ہوں اور بارش کے وقت کی دعا۔''

اس روایت میں اصل یہ ہے کہ یہ موقوف (یعنی صحابی کا قول) ہے ''سوائے بارش کے وقت'' کے اضافے کے یہ الفاظ سخت منکر اور نا قابل حجت ہیں۔ ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب ''بدع الدعاء'' میں بیان کر دی ہے' لہٰذا یہاں اعادہ کی ضرورت

[1] [عفیر کی یہ روایت المستدرك للحاکم (۱/ ۵۴۶ ـ ۵۴۷) میں موجود ہے شرح السنۃ للبغوی (۴۲۸) وغیرہ میں اس کے ضعیف شواہد بھی ہیں۔]

نہیں۔

سفر کے وقت کی دعا

اس کے استحباب پر دو احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

ایک روایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ

((لَاتَنسَانَا یَااَخِیَّ مِنْ دُعَائِكَ))[1]

''اے میرے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھلانا۔''

آپ نے ایسی بات فرمائی جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

دوسری روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَاشَكَّ فِیهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰی وَلَدِهٖ))

''تین دعائیں قبول ہوتی ہیں ان میں کوئی شک نہیں، مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد کی اپنے بچے کے لیے دعا۔''

یہ دونوں احادیث ضعیف ہیں،[2] اس لیے ان کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوسکتی اور ہم نے اس کی وجہ ضعف اپنی کتاب ''بدع الدعاء'' میں بیان کردی ہے۔

فرض نمازوں کے بعد دعا کا التزام

فرض نمازوں کے بعد دعا کا التزام کرنا اور مطلقاً اس کے استحباب کا عقیدہ بھی رکھنا، اسی طرح تو بدعات رواج پا جاتی ہیں۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''نماز میں سلام کے بعد یا مقتدیوں کی امام کے ساتھ دعا کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] ''لاتنسانا'' والی حدیث میں عاصم بن عبید اللہ ضعیف ہے۔ دیکھئے سنن ابی داؤد (۱۴۹۸) الترمذی (۳۵۶۲) ابن ماجہ (۲۸۹۴) و کتب رجال]

[2] ''ثلاث دعوات مستجابات'' والی روایت حسن ہے دیکھئے سنن ابی داؤد (۱۵۳۶) بتحقیقی]

کوئی اصل نہیں، نہ صحیح سند سے اور نہ ضعیف سند سے۔'' (زاد المعاد ۱/ ۲۵۷)

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے (یعنی قبول ہوتی ہے)؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

''رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے آخر میں۔''

اس روایت میں محل استدلال ''اور فرض نمازوں کے آخر میں'' شاذ ہے۔ ابن جریج ''عن عبدالرحمٰن بن سابط عن ابی امامہ'' کی سند کے ساتھ منفرد ہے کیونکہ ابن جریج مدلس ہے اور وہ ''عن'' سے روایت کر رہا ہے اور جبکہ عبدالرحمٰن بن سابط نے ابوامامہ سے کچھ نہیں سنا اور بلکہ یہ روایت ابوامامہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ اس میں صحیح اور محفوظ روایت وہ ہے جو عمرو بن عبسہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے ''اور فرض نمازوں کے آخر میں'' کے علاوہ مروی ہے۔ میں نے اپنی کتاب ''بدع الدعاء (۴۴۔۵۴) میں اس کی تفصیل سے بیان کی ہے۔

العز بن عبدالسلام سے سلام کے بعد دعا کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ دعا امام کے لیے تمام نمازوں میں مستحب ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ

''نبی ﷺ نماز کے بعد مسنون اذکار پڑھتے تھے، تین دفعہ استغفار کہتے اور بعد میں اٹھ جاتے اور آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے:

((رَبِّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ))

''اے اللہ! مجھے اس دن کے عذاب سے بچا جب تو اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔''

ساری خیر اور نیکی صرف اتباع رسول ہی میں ہے۔

امام شافعی نے امام کے لیے مستحب سمجھا ہے کہ وہ نماز کے بعد اٹھ کر چلا جائے۔'' (فتاوی ابن عبدالسلام: ص ۴۷)

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس سے منع کیا ہے اور ''دبر الصلوات'' کی تشریح ''قبل التسلیم'' یعنی سلام سے پہلے سے کی ہے۔

(الفتاوی الکبریٰ: ۲/ ۳۶۶)

مریض سے دعا کروانا

اس بارے میں ایک شدید ضعیف حدیث عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا دَخَلْتَ عَلٰی مَرِیْضٍ فَمُرْهُ اَنْ یَّدْعُوْکَ فَاِنَّ دُعَائَهٗ کَدُعَاءِ الْمَلَائِکَةِ))

''اگر تم مریض کے پاس جاؤ تو اسے کہو کہ تمہارے لیے دعا کرے کیونکہ اس کی دعا گویا فرشتوں کی دعا ہے۔''

یہ ضعیف حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت مریض والی سنت کے خلاف ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی شفا کے لیے دعا کرتے اور اس پر مسنون دعائیں پڑھتے اور یہی بات اس مقام کے مناسب ہے۔ اگر مریض کی دعا شرف قبولیت کے زیادہ لائق ہوتی تو آپ ضرور اسے اپنے لیے دعا کا حکم دیتے حالانکہ اس بارے میں نہ کوئی صحیح حدیث مروی ہے اور نہ ہی کوئی ضعیف حدیث۔

بدھ کے دن زوال کے بعد کی دعا

اسے بیہقی نے شعب الایمان (۳/ ۳۲۹) میں ذکر کیا ہے۔

اس بارے میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں تین دن پیر، منگل اور بدھ کے دن دعا کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بدھ کے دن دو نمازوں (ظہر اور عصر کے درمیان) قبول کی گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی اور بشاشت کے اثرات نمایاں ہو گئے۔''

جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے اوپر جب بھی کوئی شدید مصیبت آئی تو میں نے اسی (دن اور) وقت دعا کی تو قبول ہوگئی۔''

اس روایت کے ضعیف اور ساقط ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی حجت نہیں ہے۔

دعا صرف ان اوقات میں قبول ہوتی ہے جن کی فضیلت شرعی دلیل سے ثابت ہو۔ اور اس کے لیے اوقات درج ذیل ہیں:

① اذان اور اقامت کے درمیان۔
② رات کا آخری تہائی حصہ (۱/۳)۔
③ جمعہ کے دن عصر کے بعد کی آخری گھڑی۔
④ مرغ کی آواز کے وقت۔
⑤ اللہ کے راستے قتال میں صف باندھنے کے وقت۔
⑥ لیلۃ القدر۔
⑦ رمضان کا مہینہ۔
⑧ دوران نماز سجدوں کی حالت میں۔
⑨ حج اور عمرے میں صفا اور مروہ پر۔
⑩ حج میں جمروں کو کنکریاں مارنے کے وقت۔
⑪ حج میں عرفات میں ٹھہرنے کے وقت۔

ان اوقات میں دعا کے استحباب پر دلائل میں نے اپنی کتاب ''صفة دعاء النبی ﷺ'' (ص۵۲۔۵۷)'' میں لکھی ہیں۔

پہلی رات کا چاند دیکھنے کے وقت کی دعا

شام وغیرہ کے علاقہ میں عام لوگ چاند کا استقبال ''هل هلالك جل جلالك شهر مبارك'' دعا سے جو کرتے ہیں یہ عجیب دعا اور بدعت ہے جس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں۔

چاند دیکھنے کے وقت کی جتنی بھی دعائیں ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔

امام ابوداؤد السجستانی رحمہ اللہ نے کتاب ''السنن (۲/ ۷۴۶)'' میں لکھا ہے کہ
''نبی ﷺ سے اس باب میں کوئی حدیث صحیح سند سے ثابت نہیں۔''

میں نے اس باب کی روایات جمع کر کے کتاب ''بدع الدعاء (ص ۴۷۔۵۱)''

میں ان کا ضعف بیان کیا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم!

تعریف: یعنی عرفات کی ریس

''التعریف'' کی تعریف ابوشامہ المقدسی نے بیان کی ہے کہ

''عرفات کی شام عرفات کے علاوہ دوسرے مقامات پر لوگوں کے اجتماع کو تعریف کہتے ہیں' یہ لوگ حاجیوں کی طرح (یعنی ریس کر کے) دعا و ثنا کرتے ہیں۔'' (الباعث علی انکار البدع والحوادث: ص ۴۴)

یہ کام اس طریقے پر بدعت ہے' سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں' اس دن صرف حاجی کے لیے ہی دعا کی فضیلت ہے' غیر حاجی کے لیے اس طریقے پر دعا کی کوئی فضیلت نہیں۔ جس طرح کہ غیر حاجی کے لیے اس دن روزے کی فضیلت ہے مگر حاجی کے لیے اس دن روزے کی کوئی فضیلت نہیں۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَاکَانَ یَوْمُ عَرَفَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی یُبَاهِیْ بِهِمُ الْمَلَائِکَةَ' فَیَقُوْلُ اُنْظُرُوْا اِلٰی عِبَادِیْ' اَتَوْنِیْ شُعْثًا غُبْرًا' ضَاحِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ' اُشْهِدُکُمْ اِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ' فَتَقُوْلُ الْمَلَائِکَةُ :اِنَّ فِیْهِمْ فُلَانًا مُرَاهِقًا' وَفُلَانًا....فَیَقُوْلُ اللّٰهُ :قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ))

''عرفات کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں (حاجیوں) کو پیش فرما کر خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے بندوں کو دیکھو میرے پاس ہر گہری گھاٹی سے بال بکھرے' گرد میں اٹے ہوئے آئے ہیں' میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ ان میں فلاں شخص گنہگار ہے اور فلاں...... بھی ہے' تو اللہ کہتا ہے کہ میں نے انہیں بخش دیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((فَمَا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرَ عَتِيقًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ))[1]

''عرفات کے دن کے علاوہ دوسرے کسی دن جہنم کی آگ سے لوگ آزاد نہیں کیے جاتے۔''

تاہم دوسرے لوگوں کے لیے دعا و استغفار کے لیے اس دن جمع ہونا بُری بدعت ہے بلکہ عرفات کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر اس طرح جمع ہونا بذات خود بدعت ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، لیکن امام احمد رحمہ اللہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔

مسائل اسحاق بن ابراہیم بن ہانی میں لکھا ہوا ہے کہ امام احمد سے گاؤں میں ''التعریف'' کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ''ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ میں اور عمرو بن حریث نے کوفہ میں یہ کام کیا تھا۔'' ابوعبداللہ احمد بن حنبل نے کہا: ''میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا' یہ دعا ہے' لوگوں کو کثرت سے دعا کرنے دو۔'' پوچھا گیا: ''کیا لوگوں کو منع کیا جائے گا؟'' کہا: ''نہیں انہیں چھوڑ دو' منع نہیں کیا جائے گا۔''

مبارک بن فضالہ نے کہا: ''میں نے حسن بصری اور محمد بن سیرین اور دیگر لوگوں کو یہ کام کرتے دیکھا ہے۔''

میں نے پوچھا: ''شہروں میں '' التعریف ''کرنا کیسا ہے؟'' کہا: '' کوئی حرج نہیں ہے۔'' (مسائل ابن ھانی: ۱/ ۹۴)

امام احمد نے ابن عباس کے جس اثر سے حجت پکڑی ہے اسے حسن بصری نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ [دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/ ۲۸۷' ۷/ ۲۵۷)] امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حسن نے ابن عباس سے کچھ نہیں سنا' لہٰذا یہ اثر مرسل یعنی منقطع ہے اور مرسل روایت ناقابل حجت ہوتی ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی کی کتاب ''المراسیل (ص ۳۳)'' میں لکھا ہوا ہے کہ

''ہمیں حرب بن اسماعیل نے لکھ کر خبر دی کہ احمد نے کہا کہ حسن نے ابن عباس

---

[1] [ضعیف' صحیح ابن خزیمہ (۴/ ۲۶۳' ح ۲۸۴۰) یہ سند ابوالزبیر کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

سے نہیں سنا اور ابن عباس علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بصرہ کے والی تھے۔"

یہی قول ابن المدینی کا بھی ہے کہ حسن نے ابن عباس سے کچھ نہیں سنا اور نہ اسے کبھی دیکھا ہے اور جس زمانے میں ابن عباس بصرہ میں تھے تو اس وقت حسن بصری مدینہ میں تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کو بصرے کا عامل (گورنر) مقرر کیا تھا اور خود صفین کی طرف تشریف لے گئے تھے۔"

عمرو بن حریث کا اثر ابن ابی شیبہ (۳/ ۲۸۷) نے صحیح سند کے ساتھ موسیٰ بن ابی صالح سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرفات والے دن عمرو بن حریث کو خطبہ دیتے سنا ہے' لوگ ان کے پاس جمع ہوگئے تھے۔ اس میں مروجہ "التعریف" کی دلیل نہیں ہے۔

ابن سعد نے طبقات کبریٰ (۶/ ۱۴) میں صرف یہ ذکر کیا ہے کہ زیاد بن ابی سفیان نے جب وہ بصرہ کی طرف نکلے عمر بن حریث کو کوفے پر والی مقرر کیا تھا۔

ہوسکتا ہے انہوں نے اس سال اپنا نائب بنایا ہو تو کوئی ایسی ضرورت پیش آئی ہو جس کی وجہ سے انہیں خطبہ دینا پڑا ہو اور رہا دعا کرنا تو یہ حدیث میں وارد نہیں ہے۔ سلف صالحین کی ایک جماعت سے گاؤں اور شہروں میں "التعریف" کی کراہت ثابت ہے۔ شعبہ نے حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابی سلیمان سے عرفات کی شام اجتماع کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ "بدعت[1] ہے۔"

ابراہیم النخعی نے "التعریف" کے بارے میں کہا کہ یہ صرف مکہ (عرفات) میں ہی ہوتی ہے۔[2]

اعمش سے روایت ہے کہ میں نے ابووائل اور دیگر استادوں کو دیکھا ہے کہ وہ دوسرے دنوں کی طرح عرفات کے دن بھی بیٹھ کر باتیں کرتے رہتے تھے۔[3]

---

[1] صحیح' مصنف ابن ابی شیبہ (۳/ ۲۷۵' ح ۱۴۲۶۹)]

[2] [حسن' ایضاً (۱۴۲۷۰) اس کی سند ضعیف ہے لیکن اس کے متعدد شواہد ہیں دیکھئے (۱۴۲۷۱)]

[3] [ضعیف' ایضاً (۱۴۲۶۵) اس کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں۔]

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے مروی ہے کہ شام کو جامع مسجد میں وہی شخص آتا جو اس سے پہلے آیا کرتا تھا۔[1]

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ہم زیاد کے زمانے میں عرفات کی شام اور دوسرے دنوں کی شاموں میں کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے۔[2]

ابوحفص المدنی سے روایت ہے کہ عرفات کے دن لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو کر عصر کے بعد دعا کر رہے تھے کہ آل عمر کے گھر سے ابن عمر کے آزاد کردہ غلام نافع باہر آئے اور فرمایا کہ

> ''اے لوگو! تمہارا یہ کام بدعت ہے سنت نہیں ہے' ہم نے لوگوں کو دیکھا ہے وہ یہ کام نہیں کرتے تھے۔'' پھر وہ واپس چلے گئے اور بیٹھے نہیں بلکہ دوبارہ واپس آ کر اسی طرح کہا' پھر واپس چلے گئے۔[3]

میں کہتا ہوں کہ امام مالک' ابو حنیفہ اور علماء کی بڑی جماعت نے اسے بدعت قرار دیا ہے' ابوبکر الطرطوسی نے اپنی کتاب ''الحوادث و البدع (ص ۹۷)'' میں نقل کیا ہے کہ

''ابن وہب نے کہا' میں نے امام مالک سے عرفات کے دن بیٹھنے کے بارے میں پوچھا کہ علاقے کے لوگ اپنی مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور امام ایسے لوگوں کو بلاتا ہے جو غروب آفتاب تک دعا کرتے رہتے ہیں' تو اس نے کہا کہ ہم اسے نہیں جانتے' لوگ آج کل ہمارے ہاں یہ کام کر رہے ہیں۔

ابن وہب نے کہا' میں نے سنا امام مالک سے عرفات کی شام عصر کے بعد مسجد میں لوگوں کے بیٹھنے اور دعا پر اجتماع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا' یہ اہل علم

---

[1] [صحیح' ایضا (۱۴۲۶۷)]

[2] [صحیح' ایضا (۱۴۲۷۵)]

[3] [ضعیف' البدع والنھی عنھا لابن وضاح (۱۱۴) ابو حفص عمر بن عبداللہ' مولی غفرہ قول راجح میں ضعیف ہے۔]

لوگوں کا طرز عمل نہیں ہے۔ ان چیزوں کی چابیاں (اور ابتداء) بدعات میں سے ہے۔''

امام مالک نے ''العتبیہ'' نامی (غیر معتبر) کتاب میں کہا ''میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ مکہ کے علاوہ دوسرے لوگ عرفات کے دن اپنی مسجدوں میں دعا کے لیے بیٹھیں۔ جس کے پاس لوگ دعا کے لیے جمع ہوں وہ اٹھ کر چلا جائے۔ اس کا اپنے گھر میں ٹھہرنا میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ جب نماز کا وقت ہوجائے تو وہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد آجائے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''آدمی کا اپنے علاقے کی مسجد میں عرفات کے دن دعا اور ذکر کے لیے جانا اسے ''التعریف'' کہتے ہیں جس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس پر ابن عباس اور عمرو بن حریث اور بصرہ اور اہل مدینہ کے ایک گروہ نے عمل کیا ہے۔ امام احمد نے مشہور روایت میں اس کی اجازت دی ہے' اس کے باوجود وہ اسے مستحب نہیں سمجھتے۔ اہل کوفہ اور مدینہ کے ایک گروہ مثلاً ابراہیم النخعی ' امام ابوحنیفہ اور امام مالک وغیرہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ جو اسے مکروہ سمجھتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ بدعات میں سے ہے' یہ بدعات کے عموم میں لفظاً اور معناً شامل ہے۔ اور جو اسے جائز سمجھتا ہے وہ کہتا ہے کہ اسے ابن عباس نے بصرہ میں اس وقت کیا ہے جب کہ وہ وہاں علی بن ابی طالب کے نائب تھے اور کسی نے ان پر انکار نہیں کیا۔ جو کام خلفائے راشدین کے دور میں بلا نکیر جاری رہا ہو اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن مساجد میں دعا کے وقت آواز بہت زیادہ بلند نہیں کی جائے گی اور اسی طرح تقریریں اور اشعار بھی اس دن اور دوسرے دنوں میں مکروہ ہیں۔''

(اقتضاء الصراط المستقیم : ۲/ ٦۴۳)

یہ گزر چکا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب اثر بلحاظ سند ضعیف ہے اور عمرو بن حریث کے اثر میں اس کی دلیل ہی نہیں ہے اور جمہور نے اس کام سے منع کیا ہے جبکہ

امام احمد وغیرہ نے اسے جائز قرار دیا ہے مگر مستحب نہیں سمجھا لہٰذا اسے خوب سمجھ لیں۔ اللہ ہی توفیق دے۔

دعا میں آواز بلند کرنا

بعض لوگ دعا میں چیخ و پکار کے انداز سے آوازیں بلند کرتے ہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ○﴾

(الاسراء: ۱۱۰)

''نہ اپنی نماز (دعا) زیادہ بلند کر اور نہ بالکل خفیہ رکھ بلکہ درمیانی راہ اختیار کر۔''

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی[1] ہے۔

المروذی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ (احمد ابن حنبل) کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''آیت: ﴿ولا تجهر بصلاتك ولاتخافت بها﴾ کی وجہ سے دعا خفیہ آواز سے ہونی چاہیے (کیونکہ) یہ آیت دعا کے بارے میں ہے۔'' اور فرمایا: ''دعا میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔'' (اقتضاء الصراط المستقیم: ۲/ ۶۴۵)

لیکن اسلاف سے اس کی دلیل اور تائید موجود ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اے لوگو! تم نہ کسی بہرے کو سنا رہے ہو اور نہ غائب کو۔'' انہوں نے یہ بات دعا میں آواز بلند کرنے کے بارے میں فرمائی ہے۔[2]

سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لوگوں نے دعا کے وقت اونچی آواز کی بدعت ایجاد کر لی ہے۔''[3]

---

[1] [صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب سورۃ بنی اسرائیل (۴۷۲۳)]

[2] [ضعیف، مصنف ابن ابی شیبہ (۲۹۶۵۸، ۸۴۵۹) ابومجلز کے سماع کی تصریح نہیں ملی]

[3] [جامع المندل وصححہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ]

مجاہد بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں کو بہت زیادہ اونچی آواز سے دعا کرتے ہوئے سنا تو ان کے پاس جا کر کہا: ''لوگو! اگر تمہیں پہلے لوگوں سے زیادہ فضیلت حاصل ہونے کا خیال ہے تو تم گمراہ ہو چکے ہو'' یہ سن کر لوگ آہستہ آہستہ کھسکتے رہے حتیٰ کہ کوئی بھی وہاں باقی نہ رہا۔

ابوالتیاح سے روایت ہے کہ میں نے حسن بصری سے کہا' ہمارا امام تقریر کرتا ہے تو مرد عورتیں سب اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اونچی آواز سے دعائیں کرتے ہیں' تو حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

''اونچی آواز کے ساتھ دعا کرنا بدعت ہے' ہاتھوں کو (غیر مسنون جگہ) پھیلانا بدعت ہے اور اس کے لیے مردوں عورتوں کا اکٹھا ہونا بھی بدعت[1] ہے۔''

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو اونچی آواز سے دعا کرتے سنا تو اسے کنکریوں سے مارا۔[2]

شاعروں کی طرح مقفی و مسجی دعائیں کرنا

یہ عمل ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث کے خلاف ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''مقفی و مسجی دعائیں کرنے سے بچو' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابیوں کو دیکھا ہے کہ وہ یہ کام نہیں کرتے تھے بلکہ اس سے کلی اجتناب کرتے تھے۔''[3]

مسجی و مقفی اس کلام کو کہتے ہیں کہ جو ایک نہج پر ایسا مسلسل کلام ہو جیسے کہ شاعروں کے اشعار ہوتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''یعنی نہ ان کا ارادہ کرو اور نہ تمہاری فکر کو یہ مشغول کر دیں کیونکہ ان میں ایسا تکلف ہے جو دعا کے اندر مطلوبہ خشوع کے منافی

---

[1] [جامع الخلال' وصححه ابن تيميه رحمه الله]

[2] [ضعیف' ابن ابی شیبه (٦/ ٨٦' ح٢٩٦٦٠) سفیان ثوری ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں۔]

[3] [صحيح البخاري' كتاب الدعوات' باب مايكره من السجع في الدعاء (٦٣٣٧)]



ہے۔" (فتح الباری: ۱۱/ ۱۱۶)

مسجع کلام میں وہی مکروہ ہے جس میں تکلف کیا جائے' جو فکر کو دوسری طرف مشغول کر دیتا ہے' بذات خود دعا مکروہ نہیں۔ جو مسجع دعا بغیر کسی ارادے کے ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت بعض مسنون دعاؤں میں آیا ہے۔ اللہ ھو الموفق!۔

OOOO

ذکر

ذکر کی بدعات اور سنت سے ان کا رد

ذکر پر اجتماع

ذکر پر اجتماع یا جمع ہونا ایسی منکر بدعات سے ہے کہ دین حنیف میں اس کی بنیاد کسی صحیح دلیل پر نہیں ہے۔

اس کے بدعت ہونے کی دلیل وہ روایت بھی ہے جو عبدہ بن ابی لبابہ سے مروی ہے کہ

''ایک آدمی لوگوں کو اکٹھا کر کے کہتا تھا' اللہ اس پر رحم کرے جو اتنی اتنی دفعہ سبحان اللّٰہ کہے تو لوگ اتنی دفعہ سبحان اللّٰہ کہتے تھے۔ پھر وہ کہتا' اللہ اس پر رحم کرے جو اتنی دفعہ الحمد للّٰہ کہے تو لوگ اتنی ہی دفعہ الحمدللّٰہ کہتے تھے' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا' تمہیں تو ایسی ''ہدایت'' مل گئی ہے جو تمہارے نبی کو نہیں ملی تھی؟ یا یہ کہ تم نے گمراہی کی دُم کو پکڑ رکھا ہے۔''[1]

ابو الزعراء سے روایت ہے کہ مسیّب بن نجبہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو کہا: ''میں نے مسجد میں ایسے لوگ دیکھے ہیں جو کہتے ہیں' تین سو ساٹھ دفعہ سبحان اللّٰہ کہو۔'' تو انہوں نے فرمایا: ''اے علقمہ! اٹھو اور مجھے ان سے ملاؤ'' وہ آئے تو ان کے پاس کھڑے ہوگئے اور دیکھا کہ وہی کام کر رہے تھے' (عبداللہ بن مسعود) کہنے لگے کہ'' تم نے گمراہی کی دُمیں پکڑ رکھی ہیں یا اپنے آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے زیادہ ہدایت پر سمجھتے ہو۔[2] انہوں نے تقریباً ایسا ہی کلام فرمایا۔

---

[1] [صحیح' البدع والنھی عنھا' لابن وضاح (۲۴) اس کے متعدد شواہد ہیں۔]

[2] [صحیح' البدع والنھی عنھا' لابن وضاح (۲۷) اس کے متعدد شواہد ہیں۔]

بعض بدعتی حضرات اس کے جواز پر مسند احمد (۱۲۴/۴) کی وہ روایت بیان کرتے ہیں جسے اسماعیل بن عیاش نے "عن راشد بن دائود عن یعلی بن شداد قال حدثنی ابی شداد بن اوس" کی سند سے بیان کیا ہے۔ شداد بن اوس نے فرمایا کہ عبادہ بن صامت حاضر تھے' ان کی تصدیق کر رہے تھے:

"ہم نبی ﷺ کے پاس تھے کہ آپ ﷺ نے پوچھا: "تم میں کیا کوئی اجنبی یعنی اہل کتاب سے موجود ہے؟" ہم نے کہا: "نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! تو آپ ﷺ نے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

((اِرْفَعُوْا اَیْدِیَکُمْ وَقُوْلُوْا لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ))

"ہاتھ اٹھاؤ اور لا الہ الا اللہ کہو۔"

ہم نے ایک وقت تک ہاتھ اٹھائے پھر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ نیچے کیے اور فرمایا کہ

"الحمدللہ' اے اللہ! تو نے مجھے اس کلمے کے ساتھ بھیجا اور اس کا حکم دیا ہے' تو نے اس پر مجھ سے جنت کا وعدہ کیا ہے اور بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا"
پھر فرمایا: "تمہیں خوش خبری ہو' اللہ نے تمہیں بخش دیا ہے۔"

اس حدیث کا دارومدار راشد بن داؤد پر ہے۔ ابن معین نے کہا: "اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں' یہ ثقہ ہے۔" رحیم نے کہا: "وہ میرے نزدیک ثقہ ہے۔" ان کے برخلاف امام بخاری نے کہا: "فیہ نظر (متروک ہے)۔" یہ امام بخاری کی شدید جرح ہے یعنی یہ متہم یا غیر ثقہ ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے "الموقظہ (ص ۸۳)" میں اشارہ کیا ہے۔ دارقطنی نے کہا ضعیف ہے' اس کی روایت سے شواہد میں بھی استدلال صحیح نہیں۔ انہوں نے اس راوی پر جرح میں بخاری کی موافقت کی ہے اور یہی بات راجح ہے کیونکہ جارح کے پاس تعدیل کی بہ نسبت زیادہ علم ہے۔ ایسی جرح اگر اسماء الرجال کے ماہر امام سے صادر ہو جو کہ متشدد نہ ہو تو بلاشک مقبول ہوتی ہے اس کے ضعف کی یہ بھی ایک وجہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو اس میں اجتماعی ذکر کے جواز کی کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی اور جبکہ اس میں کوئی دلیل نہیں ہے تو پھر یہ اس بات پر صریح دلالت کرتی ہے کہ اس کا تعلق بیعت یا تجدید بیعت سے ہے نہ کہ مجرد ذکر سے۔ خاص طور پر یہ کہ نبی ﷺ نے ہاتھوں کے اٹھانے کا جو حکم دیا تھا تو یہ بیعت کے لیے تھا کیونکہ ذکر کے لیے ہاتھ اٹھانا نہ شرط ہے اور نہ ہی مستحب۔

بعض لوگ اس کے جواز پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((انَّ لِلّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَلَائِکَۃً سَیَّارَۃً فَضلاً یَبْتَغُوْنَ مَجَالِسَ الذِّکْرِ، فَاِذَا وَجَدُوْا مَجْلِسًا فِیْهِ ذِکْرٌ قَعَدُوْا مَعَهُمْ))

''اللہ تعالیٰ کے کچھ افضل فرشتے سیر کرتے رہتے ہیں، مجالس ذکر تلاش کرتے رہتے ہیں، جب کوئی ایسی مجلس پاتے ہیں تو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔''

لیکن یہاں مجالس ذکر سے مراد بدعتیوں کی اجتماعی ذکر والی صوفیانہ مجالس نہیں بلکہ تلاوت قرآن، تدریس قراءت اور علم وفقہ کے تذکرے کی مجلسیں وغیرہ ہیں۔

اس کی دلیل صحیح مسلم کی وہ حدیث بھی ہے جس میں آیا ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ، یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَیَتَدَارَسُوْنَهٗ بَیْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَۃُ، وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَۃُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِکَۃُ، وَذَکَرَهُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ))[1]

''جو لوگ اللہ کے کسی گھر (مسجد) میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت اور تدریس میں مشغول ہوتے ہیں تو ان پر سکینت واطمینان نازل ہوتا ہے، رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر فرشتے سایہ فگن ہوتے ہیں اور اللہ

---

[1] [صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن (۲۶۹۹)]

تعالیٰ انہیں اپنے پاس فرشتوں میں یاد کرتا ہے۔''

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے کہا کہ

''مجالس ذکر مجالس حلال وحرام کو کہتے ہیں جن میں خرید وفروخت' نماز' روزہ' نکاح اور طلاق وغیرہ کے طریقے اور مسائل سمجھائے جاتے ہیں۔''

خلاصہ یہ کہ درج بالا تفصیل کے علاوہ بے شک ذکر کا شرعی مناسبات کے ساتھ اور بغیر کسی تخصیص کے حمد' لا الہ الا اللہ' تسبیح اور تکبیر پر اطلاق ہوتا ہے' یہ تمام اوقات میں مستحب ہے لیکن اس کی طرف دعوت' اور اجتماع یا غیر شرعی اور بدعتی طریقہ نہ ہو۔

علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''ذکر سے یہاں مراد وہ الفاظ ادا کرنا ہے جن کی ترغیب یا کثرت کے بارے میں دلائل موجود ہیں' مثلاً الباقیات الصالحات' یہ ''سبحان اللّٰہ' الحمدللّٰہ' لا الہ الا اللّٰہ اور اللّٰہ اکبر ہیں۔ اسی طرح ان کے موافق بسم اللّٰہ' حسبی اللّٰہ اور استغفار وغیرہ کا حکم ہے اور دنیا اور آخرت کی خیر مانگنا بھی اس میں شامل ہے۔ اور واجب یا مستحب عمل پر ہمیشگی کرنا بھی اللہ کا ذکر ہے' مثلاً تلاوت قرآن' قراءت حدیث' تدریس علم اور نفل نمازیں۔''

(تحفۃ الاحوذی: ۹/ ۳۱۴)

یاد رہے ذکر کے مختلف الفاظ جمع کرنا منکر بدعت ہے۔

شاطبی نے اضافی بدعتوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ''آج کل کے صوفیا کے درمیان ذکر پر اجتماع اور جہری ذکر اور شرعی ذکر کے درمیان بہت بڑا فرق ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے کے سراسر مخالف اور متضاد ہیں۔'' (الاعتصام: ۲/ ۲۸)

ذکر بالجہر اور آوازیں بلند کرنا

صوفیا اور اہل طریقت کے بہت سے حلقوں کا آج کل یہی حال ہے۔ اس کے مخالف ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے کہ لوگوں نے تکبیر بالجہر (بلند آواز سے اللہ اکبر) کہنا شروع کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ

((یَاأَیُّھَاالنَّاسُ اِربَعُوا عَلٰی اَنفُسِکُمْ، اِنَّکُمْ لَیسَ تَدعُونَ اَصَمَّ وَلَاغَائِبًا، اِنَّکُمْ تَدعُونَ سَمِیعًا قَرِیبًا وَھُوَ مَعَکُمْ))

''لوگو! آوازیں آہستہ کرو، تم بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے، تم اسے پکار رہے ہو جو سننے والا اور (علم و قدرت کے لحاظ سے) قریب ہے اور تمہارے ساتھ ہے۔''[1]

ان میں سے بعض وجد میں آ کر ہسٹیریا کی جنونی حالت میں چیخ و پکار شروع کر دیتے ہیں، بعد میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بڑا نیکی کا کام کیا ہے حالانکہ یہ بدعتی گناہگار اور فاجر بدکار لوگ ہیں جو اللہ کی ایسی عبادت کا دعویٰ رکھتے ہیں جس کی اس نے اجازت نہیں دی اور نہ ہی نبی ﷺ کی سنت اور سیرت میں اس کا کوئی ذکر موجود ہے۔

تالیاں بجانا اور ناچنا

اجتماعی ذکر کے حلقوں میں ناچنا اور تالیاں بجانا بھی پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی مذمت کی ہے جو تالیاں بجا کر عبادت کرتے تھے، ان کی یہی نماز تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝﴾ (الانفال: ۳۵)

''بیت اللہ کے قریب ان کی نماز صرف سیٹیاں اور تالیاں ہیں پس چکھو عذاب کا مزہ اس وجہ سے جو تم کفر کرتے تھے۔''

''المکاء'' سیٹیوں کو اور ''التصدیہ'' تالیاں بجانے کو کہتے ہیں جیسا کہ سلف صالحین کی ایک جماعت سے ثابت ہے۔

---

[1] [صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب مایکره من رفع الصوت فی التکبیر (۲۹۹۲)صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذکر(۲۷۰۴)]

اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ عبادت پر ان کی مذمت فرمائی ہے۔ آج ہمارے زمانے کے یہ بدعتی، مشرکین اور رسوا لوگوں کے طریقہ نماز میں موافق ہیں اور جو شخص جس کا راستہ اختیار کرے گا تو اس کا دل اس سے مل جائے گا اور جو شخص جس قوم سے مشابہت کرے گا تو وہ انہی میں سے ہے۔ تالی بجانا صرف امام کو تنبیہ کے لیے جائز ہے، یہ مباح کام بھی صرف عورتوں کے لیے ہے مردوں کے لیے نہیں۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَآءِ))

''(اگر امام نماز میں بھول جائے تو) مرد ''سبحان اللّٰہ'' کہیں اور عورتیں تالی بجائیں۔''

حدیث میں تالی بجانے کا طریقہ بھی بیان کر دیا گیا ہے جو ان ذاکرین کی تالیوں کے سراسر مخالف ہے۔ عورتوں کا تالی بجانا یہ ہے کہ دائیں ہتھیلی کا نچلا حصہ بائیں ہتھیلی کی پشت پر مارا جائے اور جبکہ اس کے برخلاف یہ بدعتی لوگ ہتھیلیوں کے نچلے حصے باہم مار کر لہو ولعب اور عبث کام کرتے ہیں۔

امام نودی فرماتے ہیں کہ

''اس میں سنت یہ ہے کہ جس شخص کو نماز میں کوئی ضرورت پیش آئے مثلاً امام کو تنبیہ کرنا وغیرہ تو مرد ''سبحان اللّٰہ'' کہیں گے اور عورتیں تالی بجائیں گی۔ دائیں ہتھیلی کا اندر والا حصہ (باطن) بائیں ہتھیلی کی پشت پر ماریں گی، لہو ولعب کی طرح نہیں یعنی ہتھیلی کے باطن کو دوسری ہتھیلی کے باطن پر نہیں ماریں گی اور اگر کوئی عورت جان بوجھ کر ایسا کام کرے گی تو نماز کے منافی عمل کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔''

(شرح صحیح مسلم: ۴/ ۳۶۶)

رقص، ناچ اور لڈی وغیرہ تو عورتوں کے لہو ولعب اور عبث کاموں میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت بھیجی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنث مردوں اور مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی[1] ہے۔

یہ تو بعض ظاہری امور میں موافقت کے بارے میں ہے' تو اس آدمی کا کیا حکم ہے جو عورتوں کی لہوولعب کے کاموں میں موافقت کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تقرب قرار دیتا ہے۔

شیخ العز بن عبدالسلام سے پوچھا گیا کہ نیک اور صالح لوگوں کی ایک جماعت ایک خاص وقت میں جمع ہوتی ہے' ایک اشعار پڑھنے والا محبت کے اشعار پڑھتا ہے' بعض وجد میں آجاتے ہیں اور بعض رقص و ناچ شروع کردیتے ہیں' بعض چیختے اور روتے ہیں' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ

''رقص (ناچ گانا) بدعت ہے' یہ وہی کرتا ہے جو ناقص العقل یعنی پاگل ہے اور یہ صرف عورتوں کا ہی کام ہے۔'' (فتاوی العز بن عبدالسلام: ۱۱۴)

قرطبی نے امام طرطوسی سے نقل کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ ایک مکان میں قرآن پڑھتے ہیں پھر ایک شاعر کچھ اشعار پڑھتا ہے تو وہ رقص کرنے لگتے ہیں' ناچتے گاتے اور دف مارتے ہیں' کیا اس مجلس میں حاضر ہونا جائز ہے یا ناجائز؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ

''صوفیاء کے (تسلیم شدہ) سرداروں کا مسلک یہ ہے کہ یہ باطل اور گمراہی ہے' اسلام تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول کا ہی نام ہے۔ رقص اور وجد کو سب سے پہلے سامری کے پیروکاروں نے ایجاد کیا تھا' جب اس نے ان کے کہنے پر ایک بچھڑا بنایا جو بولتا تھا' انہوں نے اس کے اردگرد رقص شروع کردیا تھا اور وجد میں آجاتے تھے' تو رقص کرنا کافروں اور بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کا دین ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے ساتھ مجلس اس طرح پروقار ہوتی تھی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں اور یہ انہیں

---

[1] [صحیح البخاری' کتاب الحدود' باب نفی اهل المعاص والمخنثین: ۶۸۳۴]

اڑانا نہ چاہتے ہوں۔ حکمران اور اس کے ماتحتوں کو چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کو مساجد وغیرہ میں ایسے کاموں کے لیے حاضر ہونے سے منع کریں۔ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والوں کے لیے ایسے لوگوں کے پاس جانا اور ان سے تعاون کرنا حلال نہیں ہے۔ یہی مسلک مالک' شافعی' احمد' ابوحنیفہ رحمہم اللہ اور دوسرے اماموں کا ہے۔''

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ ''ایسا کرنے والا خطا کار اور بداخلاق ہے اور مسلسل ایسا کام کرنے والے کی گواہی شریعت میں مردود ہے اس کی بات نہیں مانی جائے گی' یہ گناہ اور کھیل کود ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول نے مذمت کی ہے۔ اور علماء نے اس کام کو مکروہ کہا ہے اور اس سے منع کیا ہے۔ اللہ کا تقرب گناہوں اور ممنوع کاموں پر عمل سے نہیں ہوسکتا اور جو اللہ سے تقرب کا دعویدار ہے تو اسے یہ کام کلیتاً چھوڑ دینا چاہیے اور جو شخص لہو ولعب کو ہی دین سمجھتا ہے تو ایسا شخص زمین میں فساد کا مرتکب اور داعی ہے۔ اور جو شخص سنت رسول کے بغیر اللہ تک پہنچنا چاہتا ہے تو وہ اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔''

(الابداع فی مضار الابتداع: ص۳۲۲)

دینی نظمیں

علماء اسے ''تغبیر'' کہتے ہیں۔

ذکر کے حلقوں میں خوش الحانی اور آلات موسیقی وغیرہ سے اشعار پڑھنے کو ''تغبیر'' کہا جاتا ہے۔ احمد ابن حنبل رحمہ اللہ سے تغبیر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے۔'' (مسائل ابی القاسم البغوی عن الامام احمد: ۴۴)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''میں نے عراق میں اپنے پیچھے ایسی چیز چھوڑی ہے جسے زندیقوں نے گھڑا ہے' وہ اس کے ذریعے لوگوں کو قرآن سے ہٹانا چاہتے ہیں۔''

(مناقب الشافعی لا بن ابی حاتم: ص۳۰۹۔ ۳۱۰۔ و سندہ صحیح)

اسم مفرد (یعنی صرف اللہ، اللہ) یا سریانی الفاظ ''ھوھو'' کے ساتھ ذکر

یہ گمراہ کن بدعات اور شریعت کے مخالف کاموں میں سے ہے جو طریقت پرستوں، غالی صوفیوں اور میلاد پرستوں وغیرہم کے درمیان مشہور ہے۔ عام طور پر وہ ایسے وظائف پڑھتے ہیں جو شرعی دلائل کے سراسر مخالف ہوتے ہیں۔ مثلاً شیخ زروق کا وظیفہ، شاذلی کی ''حزب البحر'' اور دیگر اذکار و اوراد جو شریعت کے عموم اور مسنون و مستحب اذکار کے مخالف ہیں۔

بعض لوگ کثرت سے ''ھوھو'' اور ''حم حم حم'' وغیرہ کہتے ہیں، شریعت میں ان الفاظ کے ذکر یا استحباب پر کوئی دلیل نہیں بلکہ جواز پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔

شیخ العلامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

''اونچی آواز کے ساتھ اجتماعی ذکر کے لیے اکٹھا ہونے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔''

اور اسی طرح ''اللّٰہ اللّٰہ'' یا ''ھو ھو'' کے لیے اکٹھا ہونا صحیح نہیں ہے، شرعی ذکر صرف ''لا الہ الا اللہ'' سبحان اللّٰہ، الحمدللّٰہ، اللّٰہ اکبر، لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ، استغفر اللّٰہ اور اللھم اغفرلی (وغیرہ) کہنا ذکر ہے۔

ایک آواز کے ساتھ ''لا الہ الا اللّٰہ'' یا ''اللّٰہ اللّٰہ'' یا ''ھوھو'' کہنے کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ بدعات میں سے ہے۔ (البدع والمحدثات ومالا اصل لہ: ۴۲۵)

بات یہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ والحمدللہ رب العالمین۔





حرف آخر

اس ترجمہ کے بعد جناب علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی رحمہ اللہ کی کتاب ''بدعات اوران کا تعارف'' پڑھنے کا موقع ملا۔ علامہ موصوف کو کراچی میں نامعلوم حملہ آوروں نے شہید کردیا تھا۔

اس کتاب کو مدنظر رکھتے ہوئے چند بدعات کا تذکرہ درج ذیل ہے:

١. کونڈوں کی رسم جو رجب کی ۲۲ تاریخ کو میٹھی پوریاں پکا کر ادا کی جاتی ہے۔
٢. بدعات محرم مثلاً کالا لباس پہننا' سیاہ جھنڈے بلند کرنا' مجالس شہادت منعقد کرنا' ماتمی جلوس نکالنا' نوحہ اور مرثیے پڑھنا' تعزیے اور تابوت بنانا' شربت اور پانی وغیرہ کی سبیلیں لگانا' زنجیروں اور چھریوں سے خود کو زخمی کرنا' سوگ منانا وغیرہ۔
٣. گیارہویں شریف کی بدعت' یہ رسم ویسے تو ہر مہینہ میں ادا کی جاتی ہے لیکن ربیع الاول کی ۱۱ تاریخ کو جو یہ رسم منائی جاتی ہے تو اسے بڑی گیارہویں شریف کہا جاتا ہے۔
٤. مزارات پر عرس اور میلے۔
٥. ختم قرآن اور قرآن خوانی کے لیے لوگوں کو اکٹھا کر کے قرآن پڑھوانا۔
٦. تیجہ' دسواں' بیسواں' تیسواں' چالیسواں اور برسی وغیرہ۔
٧. قبر میں عہد نامہ رکھنا۔
٨. قبر پر اذان۔
٩. شادی بیاہ میں سہرا باندھنا۔
١٠. بی بی کی کہانی پڑھنا۔
١١. بی بی کی صحنک یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نیاز کا کھانا یا فاتحہ۔
١٢. امام ضامن باندھنا۔

۱۳ اذان سے پہلے صلاۃ وسلام پڑھنا

۱۴ اذان میں انگوٹھے چومنا' یہ عمل کسی صحابی یا تابعی سے بھی ثابت نہیں ہے۔

۱۵ خودساختہ دعائیں اور وظائف مثلاً دعائے گنج العرش وغیرہ

۱۶ دعاؤں میں اضافے مثلاً "و الیك یرجع السلام" وغیرہ۔

۱۷ سبز اور کتھئی رنگ کا عمامہ باندھنا۔

۱۸ قوالیاں کرنا کروانا۔

۱۹ مختلف ختم مثلاً ختم بخاری شریف' ختم یاسین شریف' ختم آیت کریمہ وغیرہ۔

۲۰ رمضان المبارک وغیرہ میں شبینہ کے پروگرام (رمضان المبارک میں شب بیداریوں کے لیے اجتماعی طور پر مساجد میں باقاعدہ کھانوں وغیرہ کی ضیافت اور تقاریر وغیرہ کے ساتھ اور خاص کر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ایسے پروگرام کرنا جس سے کہ طاق راتوں کی فضیلت کھو جانے کا احتمال ہے)

۲۱ بچوں کی تعلیم قرآن کے وقت بسم اللہ اور آمین کی رسمیں۔

۲۲ مساجد میں تنکوں وغیرہ کی ٹوپیاں رکھنا۔

۲۳ مزارات پر گنبد۔

۲۴ قبروں کو غسل دینا۔

۲۵ قبروں پر چراغاں اور پھول چڑھانا وغیرہ۔

۲۶ خانقاہیں تعمیر کرنا۔

۲۷ مصیبت کے دور کرنے کے لیے اذانیں دینا۔ (چاہے وہ بارش کے لیے ہو یا حکمرانوں سے خلاصی کے لیے جیسا کہ ہمارے ملک میں یہ چیز مروج ہے)

۲۸ مصافحہ کے بعد سینہ پر ہاتھ رکھنا۔

۲۹ خطبہ جمعہ سے پہلے سنتوں کے لیے وقفہ کرنا۔

۳۰ نماز جمعہ کے بعد بطور احتیاط نماز ظہر پڑھنا۔

۳۱ نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھنا۔

۳۲ چھ کلمے پڑھنا اور پڑھانا۔ (نکاح کے وقت خاص طور پر دولہا کو نکاح خواں پڑھاتا ہے)

۳۳ نماز غوثیہ، نماز غائب وغیرہ (انتھی ملخصا)

۳۴ جنازہ کے وقت حیلہ اسقاط۔

۳۵ جنازے کے بعد دعا۔

۳۶ قبر پر پانی چھڑکنا۔

۳۷ جنازے میں "جل ثناء ك" کا اضافہ اور رحمت وترحمت والا درود پڑھنا۔

۳۸ عورت کے جنازے کو غیر محرم کا کندھا نہ دینا۔ (صحیح بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہے کہ غیر محرم، فوت شدہ عورت کو قبر میں اتار سکتا ہے۔)

۳۹ تعزیت کی خود ساختہ دعائیں۔ مثلاً ''حق لاردہ'' (پشتو) یعنی حق کا راستہ ہے وغیرہ۔

۴۰ مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق کرنا۔

۴۱ نماز کے بعد سر پر یا ماتھے ہاتھ رکھ کر ''یا قوی'' وغیرہ دعائیں پڑھنا۔

۴۲ رائے ونڈ میں ہر سال اتوار کے دن اجتماعی دعا کرنا۔

۴۳ نماز میں قدم سے قدم نہ ملانا۔

۴۴ تشہد میں لا الہ پر انگلی اٹھا کر الا اللہ پر رکھ دینا۔

۴۵ وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا اور انگلی اٹھا کر دعا پڑھنا۔

۴۶ تبلیغی جماعت کے چلے اور سہ روزے (اور سلسلۂ بیعت) وغیرہ۔

۴۷ بارش کے لیے اللہ زاری کرنا۔

۴۸ مریضوں کی قمیص دیکھنا اور تعویذ گنڈے وغیرہ سے علاج کرنا۔

۴۹ کتاب دیکھنا تا کہ چوری وغیرہ معلوم ہو جائے اور ناخن دیکھ کر گمشدہ چیزوں کا سراغ لگانا۔

۵۰ کشف قبور اور مراقبہ قبور کرنا۔



اچھی کتب کے مطالعے کے ساتھ

اپنے دِل اور
رُوح کی دُنیا کو
آباد کریں

- آپ کی زندگی کا رُخ بدل دینے والی کُتب
- تحقیق و طباعت کے بہترین معیار کے ساتھ
- نامور مصنفین آپ کے قدم بقدم
- تفاسیر احادیث سیرۃ النبی فتاویٰ اور مختلف موضوعات پر بہت سی کتب

صرف کتاب نہیں بلکہ اعلیٰ معیار بھی



